پاکستانی اردو مرثیہ: مزاحمتی عناصر کا تجزیاتی مطالعہ

(منتخب مرثیہ نگاروں کے حوالے سے)

مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو)

مقالہ نگار

مرید فاطمہ

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۴ء

پاکستانی اردو مرثیہ: مزاحمتی عناصر کا تجزیاتی مطالعہ

(منتخب مرثیہ نگاروں کے حوالے سے)

مقالہ نگار

مرید فاطمہ

یہ مقالہ

پی۔ایچ۔ڈی (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان وادب)

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۴ء

© مرید فاطمہ

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔ اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: پاکستانی اردو مرثیہ: مزاحمتی عناصر کا تجزیاتی مطالعہ
(منتخب مرثیہ نگاروں کے حوالے سے)

پیش کار: مرید فاطمہ رجسٹریشن نمبر: 761/PhD/Urd/F18

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان وادب

ڈاکٹر عنبرین تبسم ________________
نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ________________
ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

میجر جنرل شاہد محمود کیانی، ہلال امتیاز (ملٹری) (ر) ________________
ریکٹر

تاریخ ________________

اقرار نامہ

میں، مرید فاطمہ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی کام ہے۔ اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کی پی ایچ ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عنبرین تبسم کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

مرید فاطمہ

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
Abstract	viii
اظہارِ تشکر	ix
باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیاد مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
i. موضوع کا تعارف	۱
ii. بیان مسئلہ	۲
iii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۲
iv. تحقیق کی اہمیت	۳
v. تحدید	۴
vi. مقاصد تحقیق	۴
vii. تحقیقی سوالات	۴
viii. نظری دائرہ کار	۴
ix. پس منظری مطالعہ	۵
x. تحقیقی طریقہ کار	۵
ب۔ مزاحمتی ادب و شاعری: نظریات و تاریخ	۵
i۔ سماجی نظریہ	۵

ii۔نفسیاتی نظریہ ۸
ج۔ مزاحمتی ادب وشاعری کے مباحث ۱۱
i۔ مزاحمتی ادب وشاعری کی اصطلاح ۱۱
ii۔مزاحمتی ادب وشاعری کی روایت ۱۲
د۔ اردو میں مزاحمتی شاعری کی روایت کا اجمالی جائزہ ۱۶
ہ۔ اردو مرثیہ کے مزاحمتی عناصر ۳۳
i۔ انکار بیعت فاسق ۳۳
ii۔انکار ظلم ۳۸
iii۔انکار آمریت ۴۴
iv۔شیطانی قوت کو آگے نہ بڑھنے دینا ۵۰
v۔ معاشرتی جبریت کے خلاف آواز اٹھانا ۵۶
حوالہ جات ۶۵
باب دوم: پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: سماجی جہات تجزیاتی مطالعہ ۷۲
الف۔ زوال انسانیت بحوالہ مرثیہ جوش ملیح آبادی ۷۲
i۔ وحدت انسانی ۷۳
ii۔عظمت انسان ۷۹
ب۔ معاشرتی ناانصافی بحوالہ مرثیہ قیصر بارہوی ۸۳
i۔ آشوب عصر ۸۳
ii۔ آیات آمنہ ۹۰
iii۔عشق حسینؑ ۹۳
ج۔ سماجی گھٹن بحوالہ مرثیہ نسیم امروہی ۹۶
i۔ شہید معرکہ جہد وارتقاہے حسینؑ ۹۶
ii۔اے انقلاب مژدہ عزم وعمل ہے تو ۱۰۱

د۔ ظلم پسندی بحوالہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی ۱۰۶
i۔ جوہر وراثت ۱۰۶
Ii۔ ارتقاء ۱۱۱
iii۔ کربلا کربلا ۱۱۴
iv۔ انا اور خودی ۱۲۰
حوالہ جات ۱۲۷
باب سوم: پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: سیاسی جہات تجزیاتی مطالعہ ۱۳۳
الف۔ سیاسی استحصال بحوالہ مرثیہ ہلال نقوی ۱۳۳
I۔ طاقت ۱۳۴
ب۔ مذہبی استحصال بحوالہ مرثیہ قیصر بارہوی ۱۵۳
i۔ وحدت مذہب ۱۵۴
ii۔ سیّد مسموم ۱۵۷
iii۔ اُجالوں کا سفر ۱۶۶
ج۔ جبری استحصال بحوالہ مرثیہ جوش ملیح آبادی ۱۷۲
i۔ آوازہ حق ۱۷۲
ii۔ اے حسینؑ ۱۸۱
iii۔ منافقین اسلام ۱۸۶
iv۔ حسینؑ اور انقلاب ۱۹۰
د۔ ریاستی استحصال بحوالہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی ۲۰۲
i۔ قیادت ۲۰۲
حوالہ جات ۲۰۸
باب چہارم: پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: فکری جہات تجزیاتی مطالعہ ۲۱۶
الف۔ عوامی انتشار بحوالہ مرثیہ جوش ملیح آبادی ۲۱۶

i۔زندگی وموت ۲۱۶
ii۔ذاکر سے خطاب ۲۲۳
ب۔معاشرتی آشوب بحوالہ مرثیہ قیصرؔ بارہوی ۲۳۱
i۔عرفان حیات ۲۳۱
ii۔عرفان امامت ۲۳۴
iii۔آبروئے فکر ۲۴۱
iv۔حسینؑ اور انتخاب ۲۴۵
ج۔ معرکہ حق وباطل بحوالہ مرثیہ نسیمؔ امروہی ۲۵۰
i۔جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے ۲۵۱
د۔ تخریب کاری بحوالہ مرثیہ وؔحید الحسن ہاشمی ۲۵۶
I۔آئین ۲۵۷
ii۔جارحیت ۲۶۲
ہ۔ غارت گری بحوالہ مرثیہ ہؔلال نقوی ۲۶۷
I۔حُرّ ۲۶۷
ii۔مقتل ومشعل ۲۷۲
حوالہ جات ۲۸۱
باب پنجم: ماحصل ۲۸۷
مجموعی جائزہ، نتائج وسفارشات ۲۸۷
الف۔ مجموعی جائزہ ۲۸۷
ب۔نتائج ۲۹۰
ج۔سفارشات ۲۹۲
کتابیات ۲۹۳

ABSTRACT

Title: Pakistani Urdu Elegy: An Analytical Study of Resistance Elements in the Context of Selected Elegy Writers

The Urdu elegy has always been a literature of compassion. Urdu elegists have presented elements of resistance in accordance with the social, and political, and intellectual demands of their era, using the events of karbala as a metaphor. Analysing the journey of Urdu elegy to date, it can be said that the genre of elegy, which reached its peak through Mir Anis and Dabeer, is more active and dynamic in fulfilling its duties than other genres. From the very beginning, Urdu elegy has been the source of resistance in Pakistan, where resistance flourished as a Form of protest and its credit goes to Josh Malhi Abadi. Walking on Josh s path, other poets like Nasim Amrohvi, Kaiser Barhvi, Wahid ul Hasan Hashmi and Hilal Naqvi broke social and political barriers to express their resistance elegies in order to give humanity its rightful place. Selected elegists, while resisting the tyranny of the Yazidi regime, fulfilled their responsibility to find and heal the wounds of oppressed lives in the Pakistani context. These five eloquent poets nailed of the castle of injustice with the hammer of their pens and despite all social and political restrictions, made every effort to free their compatriots from the oppressive authoritarian system, arousing passion at the global level through Urdu elegy. In this way, not only did they promote elegiac literature in Pakistan, but also established their identity in world literature in terms of resistance elegies. The factors of resistance elegists in these ephemeral elegies can be understood as the real violation of the constitutional system, mismanagement, human degradation, inequality, selfishness, sectarianism, and hatred, All the characteristics of resistance elegists help to awaken revolutionary thinking and never accept submission to oppression. While translating the ideology of Hussain, it was urged to act on the Hussaini thoughts. It can be said that the elements of resistance in elegies, from beginning to present have impressed their mark on the pulse of time, and marked every tribulation

اظہارِ تشکر

بے پناہ حمد و ثناء اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جو بہت ہی مہربان ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے جس کی رحمت و برکت پوری دنیا پر محیط ہے۔ درود و سلام ہو رحمت العالمین حضرت محمد ﷺ اور آلؑ اطہار پر کہ جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ صد شکر اس کریم کی بے پناہ عنایات کا جس نے مجھے اس قابل بنایا کہ ڈاکٹریٹ کے مقالہ کو تکمیلی شکل دے سکوں بعد از خداوند رحیم میں اپنے والدین کی شکر گزار ہوں جن کی شفقت، محبت، دعائیں اور مالی تعاون ہر لمحہ ساتھ رہا جنہوں نے ہر مشکل موڑ میں میرا ساتھ دیا اور میری راہ میں در پیش مسائل کو انتہائی شفقت سے آسان بنا دیا میرے والد جو اس سفر علمی کی تکمیل سے قبل اپنے رب کے حضور رخصت فرما گئے اللہ تعالیٰ ان پر کروٹ کروٹ اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)۔

میری خوش قسمتی رہی کہ سابقہ صدر شعبہ اردو نے مرثیہ سے دلچسپی دیکھتے ہوئے موضوع کی منظوری دے کر مجھے اس موضوع پر تحقیق کے قابل سمجھا رب العزت کی بارگاہ میں دل سے دعا گو ہوں کہ پروفیسر ڈاکٹر عابد سیال کو ہمیشہ صحت و تندرستی عطا ہو۔ میں اپنے مقالے کی محترم و مکرم رہنما و نگران ڈاکٹر عنبرین تبسم کی نہایت ہی شکر گزار ہوں جن کی شفیق اور خوش مزاج طبعیت نے مقالے کی تکمیل کو انتہائی آسان بنا دیا اُن کی ملنسار اور ہنس مکّھ شخصیت کی بدولت میرے اندر حوصلہ پیدا ہوا انہوں نے اس تحقیقی سفر میں پیش آنے والی پہاڑ جیسی مشکلات کو ایک مسکراہٹ سے ریزہ ریزہ کرتے ہوئے ہر مقام پر خصوصی شفقت فرمائی اس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام اساتذہ کرام کی ممنون ہوں جنہوں نے کام کے متعلق اچھے مشوروں سے نوازا بالخصوص صدر شعبہ اردو پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں جن کی راہ نمائی ہر سکالر کے لیے مشعل راہ ٹھہرتی ہے جن کی زیر نگرانی ایم فل کا مقالہ دؔبیر کے مرثیوں میں نسوانی کرداروں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ تحریر کیا صدر شعبہ اردو پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی اُنسیت و اخلاقی حوصلہ افزائی کی بدولت ڈاکٹریٹ کا تحقیقی سفر پایہ تکمیل کو پہنچا علاوہ ازیں پروفیسر ڈاکٹر ہلال نقوی کی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اپنے نجی کتب خانے سے مواد کی فراہمی کو ممکن بنایا اور مفید مشورے بھی دیئے۔ جامعہ الصادق اسلام آباد

کے کتب خانے کے معاونین کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے تحقیقی مواد کی دستیابی کے لیے کھلے دل سے تعاون کیا۔

بہن بھائی اللہ پاک کی عطا کردہ سب سے عظیم نعمت ہیں جن کی بے لوث محبت اور دعائیں کامیابی کی منزل تک پہنچاتی ہیں اس تحقیقی سفر میں اپنے بھائیوں ڈاکٹر غلام صمدانی خان، ہارس رائڈر غلام جیلانی خان اور اپنی بھابھیوں عفت زارا، فائزہ بتول، بھتیجیوں زاہدہ بتول، مہر فاطمہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ جن کی بے لوث شفقت کی بدولت تحقیقی سفر مکمل ہوا۔ مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں اگر میری بہن فاطمتہ الکبرایٰ کی دعاؤں کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید میرا مقالہ مکمل نہ ہو سکتا افسوس صد افسوس وہ اس کو پائے تکمیل تک پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکیں دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ جنت میں سردار خاتون جنت بی بی زہراؑ کی کنیزی میں اُن کا شمار کرے (آمین)

مرید فاطمہ

سکالر پی ایچ۔ڈی

باب اول:

موضوع کا تعارف: بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

i۔ موضوع کا تعارف:

مزاحمت عربی نژاد لفظ ہے جو ''زحمتہ'' سے مشتق ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں اس کے معنی ممانعت، روک ٹوک اور لغوی اعتبار سے مزاحمت کے معنی میں محدودیت ہے کسی ناموافق صورت حال کو ناکارہ بنانے کو مزاحمت کہا جاتا ہے۔ مرثیہ اردو ادب کی ایک منفرد صنف ہے اردو مرثیہ پر آغاز سے مزاحمت کا رنگ نظر آتا ہے مرثیہ صرف واقعہ کربلا کا بیان نہیں بلکہ اپنے دور کے نشیب و فراز کا بیان بھی ہے۔ اردو مرثیہ کے تاریخی تسلسل میں مزاحمتی عناصر وسیع معنویت رکھتے ہیں۔ انکار بعیت فاسق، انکار ظلم، انکار آمریت، شیطانی قوت کو آگے نہ بڑھنے دینا، معاشرے میں پھیلی ہوئی جبریت، بے حسی، سفاکی اور مذہب کے نام پر کئے جانے والے ظلم واستحصال کے خلاف آواز اٹھانا۔ اردو مرثیہ نے اپنے آغاز کے ساتھ ہی استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف آواز اٹھائی اور انہیں فکری سطح پر رد کیا اردو مرثیہ نگاروں نے واقعہ کربلا کی کیفیات کو نظم کرنے کے ساتھ ساتھ یزید کے ظلم اور جبر کی مزاحمت کی ہے قلیؔ قطب شاہ، میرؔ ضمیر، دلگیرؔ، میر خلیق، دبیرؔ اور انیسؔ نے مرثیوں میں حسینیؑ قافلہ کے کرب و مظلومیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے جبری نظام کی مزاحمت کی ہے پاکستانی مرثیہ نگاروں میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے اہم نام جوش ؔملیح آبادی، قیصرؔ بارہوی، نسیمؔ امروہی، وؔحید الحسن ہاشمی، ہلاؔل نقوی کے ہیں جنہوں نے قلمی جہاد کیا اور مرثیت کی پیشکش کے ساتھ ساتھ مزاحمتی عناصر کو عمدگی سے پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں مزاحمتی عناصر کا مقام بلند ہے ان مرثیہ نگاروں نے مزاحمتی عناصر کو اپنے مرثیوں میں اس طرح منظم کر دیا ہے جس سے ان کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی ادبی اہمیت سامنے آجاتی ہے اور ان کے مرثیے ظلم اور جبر کے خلاف مکمل مزاحمتی انداز لئے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے عوام کو ظلم و جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تحریک دی اور مرثیوں میں اپنے دور کے سیاسی و سماجی مسائل، جبری برتاؤ، بے چینی، تخریب کاری، ظلم پسندی، لوٹ مار، دھوکہ دہی، طبقاتی کشمکش اور اقتدار کی ہوس جیسی منفی اقدار کی مزاحمت کی ہے ان مرثیوں

کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مجموعہ مراثی جوؔش ملیح آبادی

۲۔ مجموعہ مراثی نسیمؔ امروہی

۳۔ مجموعہ مراثی قیصؔر بارہوی

۴۔ مجموعہ مراثی وحیؔد الحسن ہاشمی

۵۔ مجموعہ مراثی ہلاؔل نقوی

زیر نظر تحقیقی کام اسی تناظر میں مزکورہ مرثیہ نگاروں کے مراثی کلام کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے۔

ii۔ بیان مسئلہ:

جوؔش ملیح آبادی، نسؔیم امروہی، قیصؔر بارہوی، وحیؔد الحسن ہاشمی اور ہلاؔل نقوی نے بہت کم وقت میں اپنے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے قابل توجہ کام کیا ہے اور مزاحمتی عناصر کے نمونے پیش کیے ہیں انہوں نے مرثیوں میں واقعہ کربلا کو استعارہ بناتے ہوئے اپنے دور کے فتنہ وفسادات، ہجرت کا دکھ، نئ مملکت سے وابستہ خوابوں کی شکست، سیاسی صورت حال کی ابتری، مذہبی فرقہ واریت، بے روزگاری سمیت اپنے دور کی تمام خرابیوں کی عکاسی کی ہے اور ارباب اقتدار کی کوتاہیوں اور عوام کے جبری استحصال پر صدا بلند کی ہے۔ ان مرثیہ نگاروں نے سماجی ناانصافیوں کو بیان کرنے کے ساتھ جمہوریت اور آمرانہ بادشاہت کے درمیان فرق کی عمدہ تصویر پیش کی ہے۔ اب تک مرثیہ کے حوالے سے جامعات میں جو مقالے لکھے جا چکے ہیں ان میں اس موضوع پر کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا اس لیے پاکستانی اردو مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے متعلق تحقیق کی اشد ضرورت ہے تا کہ واضح ہو کہ اس مقصد میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور ان کی قلمی جدوجہد سے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

iii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

پاکستان میں اردو مرثیے کے حوالے سے جامعاتی سطح پر ایم فل اور پی۔ ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے لکھے گئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مرزا دبیؔر سوانح اور کلام ۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مقالہ نگار مظفر حسین ملک، جامعہ

پنجاب،لاہور

۲۔اسلامی کلچر اردو مرثیے میں ۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،مقالہ نگار رضیہ سلطانہ،جامعہ پنجاب،لاہور

۳۔اردو مرثیے کاارتقاء۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مقالہ نگار پروین اختر،جامعہ پنجاب،لاہور

۴۔قیام پاکستان کے بعد بہاول پور میں اردو مرثیہ کی روایت۔ تحقیقی مقالہ برائے ایم فل،مقالہ نگار منیر احمد، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

۵۔میرؔ انیس کے مرثیوں میں نسائی کرداروں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مقالہ نگار پروین کاظمی، جامعہ کراچی

۶۔مراثی دؔبیر میں نعتیہ عناصر کا تحقیقی مطالعہ۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،مقالہ نگار حنا ریاض، جامعہ کراچی

۷۔مرثیہ گوئی گزشتہ پچیس برسوں میں ۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،مقالہ نگار ہلال رضا نقوی، جامعہ کراچی

۸۔اردو مرثیہ شناسی تحقیقی و تنقیدی جائزہ، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،مقالہ نگار مصباح رضوی، جامعہ جی سی، لاہور

پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے اس موضوع پر جامعات میں تاحال کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھا گیااور نہ اس موضوع پر اردو میں کوئی کتاب لکھی گئی ہے۔

iv۔ تحقیق کی اہمیت:

مزاحمت کسی قوم،ملک اور معاشرے کے خلاف ظلم اور ناانصافی کے نتیجے کے طور پر عمل میں آتی ہے۔بقول ڈاکٹر ابرار احمد ادب تخلیق کرنا بذات خود مزاحمتی عمل ہے۔اردو مرثیہ میں مزاحمت کی عکاسی تسلسل اور تواتر سے ہوئی ہے جؔوش، نسیؔم امروہی، قیصؔر بارہوی، وحؔید الحسن ہاشمی، ہلاؔل نقوی نے مرثیہ میں مزاحمتی عناصر کے فروغ میں اہم کردار ادا کیاہے اور اپنے عصر حاضر کی مزاحمتی تصویریں پیش کر کے رثائی ادب میں قابل ذکر شاعرانہ مقام حاصل کیا ہے انہوں نے مرثیوں میں اپنے دور کی برائیوں فرقہ واریت، مذہبی تعصب، سیاسی صورتحال کی ابتری اور قومی سطح پر بے سمتی کی نشان دہی کی ہے ان مرثیہ نگاروں نے اپنے دور کی طاقتور قوت کی طرف سے نافذ جبری نظام کو ماننے سے انکار کیاہے اور اس کو بدلنے کے

لیے آواز حق بلند کی ہے اس لیے ان کے مرثیوں کے مزاحمتی عناصر کا تجزیاتی مطالعہ نہ صرف ان کے مراثی کلام کی بین الاقوامی اہمیت کو اجاگر کرے گا بلکہ ان کے مزاحمتی مرثیوں کو سامنے لائے گا جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں سماجی، سیاسی اور فکری صورت حال کے زیر اثر کس نوع کے مزاحمتی عناصر پروان چڑھتے ہیں۔

v۔ تحدید:

یہ تحقیق پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے جس میں پاکستانی مرثیہ نگار جوشؔ ملیح آبادی، نسیمؔ امروہی، قیصرؔ بارہوی، وحیدؔ الحسن ہاشمی، ہلالؔ نقوی کے مطبوعہ مرثیوں کے مزاحمتی عناصر کے مطالعے اور تجزیے پر مشتمل ہے ان کے مطبوعہ مرثیوں کے علاوہ دیگر تحریریں اور ان کی ادبی خدمات اس تحقیق کی حدود سے باہر ہیں۔

vi۔ مقاصد تحقیق:

۱۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مجموعہ مراثی میں مزاحمتی عناصر کو زیر بحث لانا
۲۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی سماجی اور سیاسی جہات کا تجزیہ کرنا
۳۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی فکری جہات کا تجزیہ کرنا

vii۔ تحقیقی سوالات:

۱۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی پیشکش کے عوامل کونسے ہیں؟
۲۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی خصوصیت کیا ہیں؟
۳۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کی تکنیک اور اسلوب کی نوعیت کیا ہے؟

viii۔ نظری دائرہ کار:

مزکورہ تحقیق پاکستانی اردو مرثیہ: مزاحمتی عناصر کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے اس مقالے کا بنیادی محور مزاحمت ہے مزاحمت کا زاویہ ہمیشہ سے ادب میں نمایاں رہا ہے اور تخلیق کاروں نے مزاحمت کی مختلف شکلوں اور مختلف سطحوں کے حوالے سے اپنے افکار پیش کیے ہیں یہ مزاحمت بیرونی استعمار کے خلاف بھی رہی ہے اور داخلی طور پر ان قوتوں اور طبقوں کے خلاف بھی جو سماجی اور سیاسی ناانصافی کے ذمہ دار ہیں۔ مزاحمتی

ادیب، شاعر اور مرثیہ نگار کا اپنے معاشرے سے تعلق کیسا ہی کیوں نہ ہو بنیادی طور پر ان کا مقصد ہر قسم کے ظلم و ستم اور ناانصافی سے پاک معاشرے کا قیام ہے۔ کسی مرثیہ نگار کا مجموعہ مراثی کئی عناصر سے تشکیل پاتا ہے جس میں بعض عناصر اس صنف ادب کے تقاضے میں آتے ہیں جو مرثیہ نگار اختیار کرتا ہے اور بعض عناصر اس کی شخصیت اور انفرادیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اسی بناء پر ان عناصر میں فرق ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں یہ تحقیق پاکستانی اردو مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کو نمایاں کرتے ہوئے ان کے پس منظر میں موجود عوامل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ:

پس منظری مطالعے کے طور پر پاکستانی اردو مرثیہ نگار جوش ملیح آبادی، نسیم امروہی، قیصر بارہوی، وحید الحسن ہاشمی، ہلال نقوی کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے تنقیدی کتب کو پیش نظر رکھا ہے اور مرثیے میں مزاحمتی عناصر کے حوالے سے لکھے گئے تبصروں اور تجزیوں کو بھی شامل تحقیق کیا ہے ۔

x۔ تحقیقی طریقہ کار:

تحقیق کا موضوع جوش ملیح آبادی، نسیم امروہی، قیصر بارہوی، وحید الحسن ہاشمی، ہلال نقوی کے مطبوعہ مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے لہذا موضوع سے متعلق مطبوعات کی جمع آوری، ترتیب اور مطالعہ و تجزیہ کیا گیا اس میں تاریخی تحقیق اور تجزیاتی مطالعہ زیادہ معاون طریقہ کار رہے بنیادی ماخذات میں مذکورہ مرثیہ نگاروں کی تخلیقات و کلیات اور ثانوی ماخذات میں ان کے فکر و فن سے متعلق چھپنے والے مضامین، کتب اور رسائل کا مطالعہ کیا گیا جن تک رسائی کے لیے لائبریریوں سے رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ اور دیگر ماخذات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔

ب۔ : مزاحمتی ادب و شاعری: نظریات و تاریخ

i۔ سماجی نظریہ

مزاحمت ایک سماجی نظریہ ہے جو کسی بھی جمود، ظلم و جبر اور استحصال کے خلاف سینہ سپر ہونے اور نئی امید پیدا کرنے کا نام ہے۔ مزاحمت کا نظریہ بہت وسیع ہے یہ کسی بھی جبری فکر کے خلاف ہو سکتا ہے سماجی سطح پر پیدا شدہ جبری حالات کو روکنے کی ایک شعوری کوشش اور جدوجہد کا نام مزاحمت ہے بطور سماج مزاحمت کا تجزیہ کیا جائے تو تمام ادوار میں مزاحمت دکھائی دیتی ہے تمام ادوار میں انسان کے مفادات کا ٹکراؤ ہوا ظالم

آقاؤں اور شہنشاہوں کا دور آیا بعد ازاں جمہوریت اور آمریت کا دور آیا اور انسان جوں جوں مادی لحاظ سے تہذیب یافتہ ہوتا گیا ساتھ ہی مزاحمت کا نہ تھمنے والا سلسلہ بھی جاری رہا اور اب تک یہ سلسلہ اپنے پورے وجود کے ساتھ رواں دواں ہے جب بھی سماج میں سیاسی دباؤ کے تحت جو جبر کی فضاء قائم کی جاتی ہے اِس کے خلاف بند باندھنے اور ہر طرح کے جبری استحصال سے انکار کر کے آزاد سماجی رویوں کو بحال کرنا مزاحمت کا نظریہ اور ہدف ہے۔ مزاحمت کے سماجی نظریات کے ضمن میں ڈاکٹر شگفتہ حسین کا کہنا ہے

> ”دنیا کے تختے پر پہلے دو بھائی جب زندگی کی خوشی بانٹنے لگے تو لڑ پڑے کہ زندگی کی خوشی دونوں کے لیے برابر نہ تھی اور دونوں کی طاقت بھی کم زیادہ تھی۔ ظلم کی ابتدا اسی طرح سے ہوتی ہے اور ظلم کی مزاحمت بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ ہابیل و قابیل کا تصادم، فرعون و موسیٰ کے درمیان تضاد، نمرود و ابراہیم کے مابین کشاکش اور آگے حسینی و یزیدی قدروں کا تصادم ادیب و شاعر کے لیے رویے کی تحریک بنتا ہے کہ وہ کسی ایک طرف شامل ہو جائے لیکن ادب کبھی ظالم و جابر کا طرفدار ہو کر نہیں پنپتا۔“(۱)

جب سے انسان نے جنت اور پھر جنت سے دنیا میں قدم رکھا وہاں سے مزاحمت کا آغاز ہوا ابلیس مزاحمت کی علامت بنا اور آدم سے ترکِ اولیٰ کروایا تو دوسری جانب انسانی نفس بھی انسان سے ہر لمحہ مزاحم رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح انسان سے لڑ جھگڑ کر انسان کو منزل تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکے دوسری جانب ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کی مخالفت میں طاقتیں اٹھتی رہیں بالکل اسی طرح حق کا نقارہ بجانے والے حق اور سچائی کی آبیاری کے لیے سینہ سپر ہوتے رہے اس بارے میں ڈاکٹر شگفتہ حسین کا کہنا ہے

> ”مزاحمت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی جبر کی، انسانی تاریخ داستانوں سے بھری پڑی ہے جن میں سیاست کے نام پر تو کبھی مذہب کے نام پر فرد کا استحصال ہوتا ہے اور کبھی فرد بآواز بلند اور کبھی خاموش قلم سے سماج کے ان بلا دست قوتوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ ”جبر کے ماحول میں پرندے تک گھونسلوں میں مر جاتے ہیں“ ادیب تو اپنے معاشرے کا انتہائی حساس فرد ہوتا ہے اسی لیے وہ اس جبر کی گھٹن اور شدت کو جب اپنے اندر اترتی پاتا ہے تو قلم کو ہتھیار بنا لیتا ہے“۔(۲)

سماج میں مزاحمت کے کئی طریقے اپنائے جاتے ہیں جب سے انسان نے شعور کی نعمت پائی ہے تب سے سماج کا ڈھانچہ مرتب ہوا ہے۔ نظریہ، فکر اور فرسودہ خیالات سے مزاحمت کا چلن بھی ساتھ ساتھ رہا ہے کبھی یہ مسلح ہو کر طبقاتی اور شہنشاہی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں مزاحمت جمہوری طرز پر امن و امان کی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے بھی کی جاتی ہے۔ سماج میں جبری اور استحصالی رویے کا خاتمہ مزاحمت کا مقصد ہوتا ہے تاکہ فرسودہ نظام کا خاتمہ ہو، عادلانہ طرز حکومت قائم ہو، معاشرے میں ہر کوئی آزاد زندگی گزار سکے، ہر ایک کو برابر کے حقوق ملیں۔ مزاحمت ایک ٹھہرے ہوئے تالاب میں پتھر مارنے کے مترادف ہے جس سے پورا تالاب ہلنے لگ جاتا ہے بالکل اسی طرح جب ایک جامد سماج میں مزاحمت کی ہوا چلتی ہے تو یہ سارے سماج میں تبدیلی کا پیش خیمہ بنتی ہے ہر دور میں مزاحمت کا رویہ اور رجحان رہا ہے۔ شہنشاہیت کے خلاف، ملوکیت کے خلاف اور جاگیرداریت کے خلاف مزاحمتی تحریکیں چلتی رہی ہیں کیونکہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزادی سے جینا اور مرنا چاہتا ہے درحقیقت انسان کی فطرت ظلم کو برداشت کم کرتی ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مزاحمت کا چلن ہر سماج رہا ہے اس لحاظ سے ڈاکٹر مبارک علی کی رائے کے مطابق

> ''تاریخ کے ہر دور میں مزاحمتی تحریکیں ابھرتی رہی ہیں ان میں سے کچھ کامیاب ہوئی اور اکثر ناکام، مگر اس کے باوجود لوگوں میں مزاحمت کے جذبات کم نہیں ہوئے۔ اس لیے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آخر لوگ کیوں مزاحمت کرتے رہے ہیں اور ناکامیوں و شکستوں کے باوجود تحریکیں کیوں پیدا ہوتی رہی ہیں؟ اس کی وجہ ایک تو انسان کی فطرت ہے کہ وہ ظلم و استحصال کو ایک خاص حد تک برداشت کرتا ہے اور جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو وہ اس نظام، روایت اور قدروں سے بغاوت کرتا ہے جو کہ اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں''(۳)

یہ مزاحمت کی دین ہے کہ انسان ارتقاً کی طرف گامزن ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مزاحمت ایک سماجی عمل ہے تو ہر کوئی مزاحمت کر سکتا ہے؟ جواب یہی دیا جائے گا کہ مزاحمت ہر کوئی نہیں کر سکتا مزاحمت کے لیے یہ بات بہت ضروری ٹھہرتی ہے کہ مزاحمت کار کے پاس ایک نظریہ حیات ہو کیونکہ مزاحمت فرد سے زیادہ اجتماع کو اپیل کرتی ہے یعنی مزاحمت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی کوشش کا نام ہے جس کی بناء پر اجتماعی سطح پر ظلم و جبر سے انکار اور اظہار لاتعلقی کیا جاتا ہے لہذا مزاحمت کاروں کے پاس سماج اور زندگی

کو دیکھنے کے لیے واضح نظریہ ہو، یہ تب آ سکتا ہے جب انسان کے پاس زندگی کو دیکھنے کے لیے فلسفیانہ نگاہ ہو۔ ضروری نہیں کہ ہر کوئی افلاطون اور ارسطو ہو، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی اور ذات و سماج کے بارے میں سوجھ بوجھ رکھتا ہو تقلیدی ذہنیت کا حامل نہ ہو، تنقیدی رویہ رکھتا ہو اور مزاحمت کے حوالے سے کمال کا جذبہ رکھتا ہو تب جا کر مزاحمت کامیاب قرار پاتی ہے دوسرے لفظوں میں وضاحت کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب بھی سماج میں سیاسی اور عمرانی دباؤ کے تحت جو استحصال اور جبر کی فضا قائم کی جاتی ہے اس کے خلاف بند باندھنے اور ہر طرح کے جبری استحصال سے انکار کر کے آزاد سماجی و سیاسی رویوں کو بحال کرنا مزاحمت کا ہدف ہے اسی لیے شاعر اور ادیب اپنے سماج کے مظلام طبقہ سے گہری انسیت رکھتے ہیں وہ ایک ایسے سماج کی خواہش کرتے ہیں جہاں ایک ایسا معاشی اور سیاسی نظام قائم کیا جائے جس میں جبر و استحصال نہ ہو اور اہل وطن خوشحال، تعلیم اور صحت مندی سے بہرہ ور ہوں۔

ii۔ نفسیاتی نظریہ:

انسان ہی وہ تنہا مخلوق ہے جسے زندگی نے نہیں گزارنا ہوتا بلکہ اسے زندگی گزارنا ہوتی ہے اسے اپنے فیصلے خود کرنے ہوتے ہیں کائنات کی ابتداء سے انسان قدرتی آفات کے خلاف مزاحمت کرتا چلا آ رہا ہے۔ خون خوار حیوانات، ہیبت ناک درندے، دہشت ناک پرندوں کے خلاف، موسمی تغیرات کے منفی اثرات کے خلافِ اور کبھی مخالف طبع کے لوگوں کے خلاف، مخالف نظریہ، مذہبِ، نسل، رنگِ، علاقہ، ملک کے خلاف تو کبھی بھوک اور پیاس سے گھائل ہونے سے بچنے کے لیئے اور مخالف قبائل کے حملوں سے بچنے کے لیے انسان سرگرمِ عمل رہا ہے۔ مزاحمت انسان کی گھٹی میں پڑی ہے انسان اپنے جسم اور اپنے عضویاتی نظام کے اعتبار سے عالم حیوانات سے تعلق رکھتا ہے ایرک فرام انسان کی شناخت کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Man may be defined as the animal that can say "I", that can be aware of himself as a separate entity .The animal being within nature, and not transcending it .has no awareness of himself, has no need for a ense of identity .Man ,being torn away from nature being endowed will reason and imagination ,need to form a concept of himself ,needs to say and to feel "I am I". Because he is not lived.but lives ,has to make decisions, is aware of himself and of his neighbour

as different persons, he must be able to sense himself as the subject of his actions." (4)

انسان کائنات کی ابتداء سے اپنی فلاح کے لیے سر گرم عمل رہا ہے اس کرہ ارض پر موجود ہر چیز اپنی بقا کے لیے جس جذبے کی محتاج ہوتی ہے وہ مزاحمت کا جذبہ ہوتا ہے۔ کائنات میں پائی جانے والی اشیاء کا ہر گروہ اور ہر نوع اپنی بقا کے لیے اسی جذبے کا مرہون منت ہے اگر ہم نفسیاتی نظریہ ارتقاء کے حوالے سے کائنات کی جاندار اشیاء کی حالت کا ان کی سابقہ کیفیات سے موازنہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان کے ماضی کا ایک ایک لمحہ مزاحمت میں صرف ہوا ہے اور موجودہ حالت تک پہنچنے میں جس جذبے نے سب سے پہلے ان کی مدد کی وہ مزاحمت کا جذبہ تھا۔ نئے بین الاقوامی سیاسی اور معاشی دھارے میں کوئی بھی ترقی یافتہ ملک پسماندہ اور غریب عوام کو نشانہ استحصال بنانے سے گریز نہیں کرتا دکھائی دیتا دنیا بھر میں خیر و شر کا تعین انسان اور اس کے جذبوں کے حوالے سے نہیں ہوتا یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کو مادی اور روحانی فائدہ پہنچانے والی چیز اچھی ہو اور جو اس کے لیے نقصان دہ ہو وہ بری ہو بلکہ ایسے معاشروں میں اچھائی اور برائی کی کسوٹی پر ملکیت، اقتصادیت اور دیگر طبقاتی کش مکش پر کھے جاتے ہیں آج کی دنیا میں وہ چیز اچھی سمجھی جاتی ہے جو طاقت ور کو مزید طاقت ور اور امیر شخص کو مزید امارت بخشے اور اخلاقی، معاشی و مذہبی اصول صرف غریب اور کمزور طبقات کے لیے رہے جاتے ہیں۔ کارل مارکس کے الفاظ ہیں:

"Morality, religion, metaphysics, all the rest of ideology And their corresponding forms of consciousness, thus no Longer retain the semblance of independence. They Have no history, no development, good men developing Their material production and their material Intercourse, alter, along with this their real existence, Their thinking and the products of their thinking."(5)

مارکس کے پیش کردہ نظریہ کو ہم عملی زندگی میں مختلف طبقوں کے بارے میں لوگوں کے رد عمل کا مطالعہ کریں تو حسرت ہوتی ہے کیوں کہ ایک اعلیٰ عہدہ پر تعیات افسر کے لیے کروڑوں اور عربوں روپے کی رشوت تحفہ بن جاتی ہے اس کے مقابلہ میں ایک کلرک یا کلاس فور نچلے درجہ کے ملازم کے لیے تھوڑی رقم کی وصولی کو جرم عظیم قرار دیا جاتا ہے ان حالات میں کسی بھی سماج کے افراد کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں رہ جاتی کہ وہ کارخانوں میں مشقت کر کے زیادہ پیداوار لے یا کھیت میں مزدوری کر کے زمیندار کے کھاتوں میں دولت جمع کرے دوسرے لفظوں میں انسان کو ایک انسان کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کی افادیت کے حوالے

سے پہچانا جائے اور وہ ذریعہ پیداوار بن کر رہ جائے بصورت دیگر اگر کوئی شخص خود کو انسان منوانے کا عزم کرے تو اسے خام مال کی طرح دہکتی بھٹیوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ہر فرد کے بنیادی مفادات دوسرے افراد سے وابستہ ہوتے ہیں اس لیے ہر فرد ایک اکائی نہیں رہتا بلکہ ایک اکائی کا حصہ بن جاتا ہے اس لیے اس میں انفرادیت اور ذاتی تحفظ کا احساس ختم ہو جاتا ہے یعنی جب تک دوسروں کو اہمیت نہ دے اس وقت تک اپنے ذاتی تحفظ کا احساس نہیں ہوتا اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایرک فرام کا کہنا ہے۔

> " ہر انسان اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے لیکن انسان کاغذ کا کوئی کورا ٹکڑا نہیں ہے کہ کوئی بھی سماج اس پر جو چاہے لکھ ڈالے۔ ذاتی خوشی، محبت اور آزادی کی خواہشات اسے فطرت کی جانب سے ودیعت ہوتی ہیں۔ اگر فرد ذاتی خوشی، محبت اور آزادی کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عملی اقدامات نہ کرے تو وہ اپنی فطرت سے انحراف کرتا ہے اور فطرت سے انحراف کرنا فرد کے ابنارمل ہونے کی علامت ہے۔ "(٦)

ہر انسان اس سماج میں دوسرے انسان پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے زیادہ تر باہمی تعلقات کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کسی دوسرے انسان پر غلبہ حاصل کر کے زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کیا جا سکے یعنی انسان کی حیثیت اس بیل کی سی رہ جاتی ہے کہ جب تک طاقت ور اور کار آمد ہوتا ہے کسان اس کی خوراک کا خیال رکھتا ہے جب وہ بوڑھا اور کمزور ہو کر نا قابل استعمال ہو جاتا ہے تب کسان اسے فروخت کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے معاشرے میں وہی فرد ذہنی طور پر نارمل سمجھا جاتا ہے جو سدھائے ہوئے جانوروں اور حرکت کرتی ہوئی مشینوں کی طرح کام کرتا رہے واضح رہے کہ ادب و شاعری کی اصطلاح میں کسی بھی غیر انسانی رویے کے خلاف الفاظ کی جنگ مزاحمت کہلاتی ہے اور ادب تخلیق کرنے والا شاعر یا ادیب اپنے عہد اور ماحول کا قابل ذکر نباض اور عکاس ہوتا ہے۔ ہر دور اور ہر معاشرے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا غیر ادبی لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہوتا ایسے میں ایک ادیب یا شاعر سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس ما حول کے تقاضوں کو پورا کرے گا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اس ماحول کے تقاضوں کے مطابق مخصوص رد عمل کا اظہار کرتا ہے اور وہ اپنے قلم کی طاقت کو ان عوامل کے خلاف استعمال کرتا ہے اور انسانی فطرت کے خلاف ہونے والے ہر عمل کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔

ج: مزاحمتی ادب وشاعری کے مباحث

i۔مزاحمتی ادب وشاعری کی اصطلاح:

مزاحمت عربی زبان کا لفظ ہے انگریزی میں اس کا متبادل Resistance ہے۔مزاحمت کا لفظ اب ایک ادبی اصطلاح کے حیثیت اختیار کر چکا ہے۔عربی زبان میں اسے "ادب المقاومتہ" انگریزی میں اسے Literature of Resistance اور اردو میں اسے مزاحمتی ادب کہا جاتا ہے۔وارث ہندی اپنی کتاب 'قاموس مترادفات "میں مزاحمت کے معنی کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:"مزاحمت: ممانعت، مدافعت، خلل اندازی، رخنہ اندازی، تعرض، روگ، رکاوٹ"(۷) یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی دور کا ادب یا شاعری مزاحمت کے عنصر سے خالی نہیں رہا یہاں ہمارے ذہن میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ مزاہمتی ادب وشاعری کی اصطلاح سب سے پہلے کس ملک میں استعمال کی گئی دوم مزاحمتی ادب وشاعری سے کیا مراد ہے اس پر اظہار خیال کرنے والے محققین اور ناقدین ادب کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے ان میں سے ایک گروہ مزاحمتی ادب و شاعری کی اصطلاح کی جائے ولادت فرانس قرار دیتا ہے۔۱۹۶۰ء کی دہائی میں اس اصطلاح کو فرانس میں وضع کیا گیا ڈاکٹر صادق آئینہ وند اس کا اولین مسکن الجزائر بتاتے ہیں جہاں مزاحمتی ادب کی اصطلاح ۱۹۵۰ء کی دہائی میں پہلی بار استعمال کی گئی تھی بار بر ہار لو کی تحقیق بتاتی ہے کہ پہلی بار مزاحمتی ادب کی اصطلاح غسعان کعفانی نے فلسطین اسرائیل مخالف مزاحمتی تحریک کے دوران میں استعمال کی۔بار بر ہارلو لکھتی ہیں:

> "The term "Resistance" (muqawamah) was First applied in a description of Palestine literature in 1966 by the Palestinian wtiter and critic Ghassan Kanafani in his Study Literature of Restance in occupied Palestine : 1948-1966."(8)

مزاحمتی ادب وشاعری کی اِصطلاح کے حوالے سے زیر بحث تصورات سے یکسر مختلف تصور کارل مارکس کا ہے جو جرمنی کے مشہور و معروف شاعر ہائنے (Heine) کو بالواسطہ طور پر دور جدید کا پہلا مزاحمتی شاعر ثابت کرتا ہے اس لیے وہ ہائنے کے The weavers song کو اولین مزاحمتی نظم کہتا ہے کیونکہ اس میں طبقاتی کش مکش کی مزاحمت کی گئی ہے ہائنے نے اپنی نظموں میں جرمنی میں قومی سطح پر پائی جانے والی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے اگر کارل مارکس کے تصور کی بناء پر ہائنے کو دور جدید کا پہلا مزاحمتی شاعر اور نثر نگار مان لیا جائے تو میر جعفر زٹلی کی سیاسی و معاشی شاعری کو دائرہ مقاومت سے باہر کیسے رکھا جاسکتا ہے جسے ہائنے

کی پیدائش سے چوراسی سال پہلے ۱۷۱۳ء میں ایک بادشاہ (فرخ سیر) کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا۔ ہائنے تو اپنی عمر کے آخری حصہ میں حکومت کا حلیف بن گیا تھا جبکہ جعفر زٹلی مصلحت اور مفاہمت کے بجائے مقاومت کی راہ اختیار کرنے پر سزائے موت کا حق دار ٹھہرا تھا ان تمام نظریات کی روشنی میں ہم اس کا تجزیہ کریں تو عمومیت سے اختصاصیت کی طرف جانے والا راستہ مل جاتا ہے مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد زکریا کے نقطعہ نظر کے مطابق ''اگر مزاحمتی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو معاشرے کو جبر، ناانصافی، ظلم، تشدد وغیرہ سے نجات دلانے کے لیے ظالم سے آمادہ جنگ کرتا ہے تو ہر لکھنے والے کی کوئی نہ کوئی تحریر اِس ضمن میں شمار کی جاسکتی ہے''[۹] ڈاکٹر زکریا نے اگر کا لفظ استعمال کر کے اپنے موقف کی پر زور توثیق نہیں کی لیکن اس حقیقتِ کو بلا تامل ماننا پڑے گا کہ مزاحمتی ادب کی اصطلاح کا عمومی مفہوم یہی ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بیانِ کیا ہے ڈیوڈ ڈشیز (David Daiches) نے شاعر کا منصف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف سے بالکل مختلف عمومی انداز میں کہا تھا:

> "The philosopher teacheth, but he teacheth obscurely, So as the learned onely can vuderstande him, that is to Day, he teacheth them that are already taught, but the Poet is the foode for tenderest stomachs, the poet is Indeed the right popular philosopher". [10]

تاریخ عالم سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اہل فلسطین کو اپنی جدوجہد آزادی کے لیے ان گنت جانوں اور بے پناہ خزانوں سے ہت ہاتھ دھونا پڑے ہیں محمود درویش فلسطین کا مزاحمتی شاعر ہی نہیں بلکہ ہر انصاف پسند انسان کے ضمیر کی علامت بھی ہے درویش نے حق وصداقت کے پیغام کو عام کیا ۱۹۸۲ء میں ایک خاتونِ اخبار نویس کے ایک سوال کے جواب میں محمود درویش نے کہا تھا:

> ''مجھے آپ کی توجہ اپنی کتابوں، اپنے گیتوں اور اپنی نظموں کی طرف دلانی چاہیے
> میں اپنے قلم کے ساتھ جنگ کرتا ہوں۔ شاعری کی قوت کا احساس ہونے کے
> بعد میں نے اسے جدوجہد کے ہتھیار کے طور پر چنا''[۱۱]

محمود درویش کی طرح بریخت نے ۶۱-۱۹۶۰ء میں اپنے ایک مقالہ ادب اور حقیقت پسندی میں مزاحمتی ادب اور شاعری کے خالقوں پر زور دے کر کہا تھا:

> ''قلم کے ذریعہ جنگ کرو اور یہ ثابت کر دو کہ تم جنگ کر رہے ہو یہی حقیقت پسندی
> ہے اور حق تمھارا ساتھ دے گا تم کسی سے خوف نہ کھاؤ۔ عوام کی رائے، ضروریات

اور دشواریوں کا جائزہ لے کر ان کا حل تلاش کر و اور تم دیکھو گے کہ اس جنگ میں
تم تنہا نہیں ہو بلکہ تمہارے قارئین بھی شامل ہیں"(۱۲)

مزاحمتی ادب کی اصطلاح دور آمریت میں کثرتِ سے استعمال کی گئی اس کے ذریعے ادیبوں نے ظلم و جبر، سرمایہ داریت، جاگیر داریت اور قبضہ مافیا کے لیے اپنی آواز کو بلند کیا اس طرح یہ ادب عالم گیر سطح پر نو آبادیاتی شکنجے میں ڈوبی ہوئی قوم کی توانا آواز بن کر ابھرا چناچہ ویت نام، کشمیر، الجزائر اور فلسطین کی آزادی کے لیے لکھا گیا سارا ادب مزاحمتی ہے لہذا مزاحمتی ادب ہر ادب کا خاصہ رہا ہے لیکن. نو آبادیات ممالک میں یہ ادب نمایاں طور پر ادبی اصطلاح بن کر ابھرا ہے۔ مزاحمتی ادب ہر عہدِ کے تقاضوں کے مطابق چلتا آیا ہے۔

تعزیرات پاکستان دفعہ نمبر ۲۲۵ میں "مزاحمت" کی اِصطلاح کو اس طرح لکھا گیا ہے:

"Whoever intentionally offers any resistance or illegal obstruction to the lawful apprehension of any other person for an offence or rescues or attempts to rescue any others person from any custody in which that person is lawfully detained for an offence,shall be punished with impris onment of either description for a term which may extend to two years or with fine,or with both".(13)

مزاحمتی ادیب اور شاعر کا اپنے معاشرے سے تعلق کیسا ہی کیوں نہ ہو بنیادی طور پر ان کا مقصد ہر قسم کے ظلم و ستم اور ناانصافی سے پاک معاشرے کا قیام و دوام ہے۔ بنی نوع انسان کو ہر قسم کی پابندیوں سے چھٹکارا دلا کر ہی خوش حالی اور تسکین کا سامان بہم پہنچایا جا سکتا ہے مزاحمتی ادب و شاعری کا سفر جاری و ساری ہے انسان دوستی کو فروغ دینا مزاحمتی ادب و شاعری کا نعرہ ہے۔

ii۔ مزاحمتی ادب و شاعری کی روایت:

جب سے انسان نے شعور کی نعمت پائی ہے تب سے اس کے خیالات اور فکر سے مزاحمت کا چلن بھی ارتقاء کی طرف گامزن ہے مزاحمتی ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ سومیری قوم دنیا میں پہلی قوم تھی جس نے نہ صرف مہذب ہونے کا ثبوت دیا بلکہ کئی تحریریں یادگار کے طور پر اپنے تاریخی ورثے میں چھوڑیں ان سومیری ادبی تخلیقات میں رزمیہ کہانیاں بھی شامل ہیں جو ان کے بہادرانہ کارناموں پر لکھی ہوئی ہیں ان سومیریوں کی ادبی نگارشات عراقی رسم الخط کی ایجاد کے کوئی ایک ہزار سال اور ۲۵۰۰ ق۔م لکھی گئیں۔ ادب میں مزاحمت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم میں قوت مدافعت کو دوسرے لفظوں میں ادب کے ارتقاء کو

مزاحمت کے ارتقاء سے جدا نہیں کیا جا سکتا مزاحمتی ادب اور شاعری کے پس منظر کے حوالے سے یہ فرانس میں رونما ہونے والے واقعات سے روگردانی نہیں کر سکتے جب جرمنی نے سات سال تک اس پر تسلط جمائے رکھا اس حوالے سے کولن جونز، ڈبلیو۔ڈی، ہاورتھ، سارتر، آراگوں کی تحریروں نے مزاحمتی تحریک کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا اس دور میں فاتح جرمنی کے خلاف مزاحمتی تحریک میں اپنا کردار ادا کرنے میں فرانسیسی ادباء اور شعراء کو سخت اشواریوں کا سامنا کرنا پڑا دوسری طرف جرمنی میں ہٹلر کے سیاسی منظر نامے پر ظاہر ہوتے ہی ایک پوری نسل سیاسی شعور حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اس سے پہلے یہ نسل سیاست کو ایک گھناؤنا کھیل سمجھتی تھی۔ انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی کے لیے بہترین آئینہ ادب ہے ادب کی روشنی میں کسی بھی معاشرے کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے ادب معاشرے میں انقلاب اور تبدیلی لانے کے لیے محرک بن سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادب کے ذریعے جہاں رومانوی اظہار کیا جاتا ہے وہاں مارکسی نظریہ کو بھی خیر آباد کہتے نظر آتے ہیں سرمایہ داریت کے خلاف جہاں آواز اٹھائی وہاں پر وجودی افکار کو بھی اپنے اندر جذب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ادب کی یہی اعلیٰ ظرفی اور وسعت پسندی ہے جس کی وجہ سے ادب ہر دور میں زندہ و تابندہ رہا مزاحمتی ادب کے ابتدائی نقوش یونانی ادب میں نظر آتے ہیں اس سلسلہ میں ہومری ادب قابل مطالعہ ہے۔ ایلیڈ اور اوڈیسی عالمی کلاسک کی حیثیت رکھتی ہیں ان دونوں فن پاروں میں مزاحمتی اسالیب موجود ہیں اس ضمن میں نعیم بیگ کا کہنا ہے: ''ایلڈ اور اوڈیسی میں شکست خوردہ قوم کے مصائب کا تذکرہ اس آشوب انداز میں کیا گیا ہے جو مزاحمتی ادب کو روح عطا کرتا ہے''(۱۴) مزاحمتی ادب کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کی جا سکتی ہے کی ہر نیا ادب مزاحمت کا نتیجہ ہے یعنی شاعر اور ادیب عام ڈگر سے ہٹ کر سوچنا شروع کرتا ہے تو اسے موجود ادب سے تشفی نہیں ملتی تو وہ موجودہ ادب سے ایک طرح لاتعلقی اختیار کر کے ادب کی نئی دنیا کی تلاش میں نکلتا ہے آخر کار وہ ادب کے نئے زاویوں کو پانے میں کامیاب ہوتا ہے اس سے ایک نیا جذبہ وجود میں آتا ہے اور یہ جذبہ بالا آخر رجحان کی صورت اختیار کر جاتا ہے پروفیسر شمیم حنفی کا خیال ہے کہ: ''دنیا کی تمام بڑی شاعری مزاحمت کی پیداوار ہے اور اِس حوالے سے دنیا کا مزاحمتی ادب بھی یقیناً بڑا ادب ہے''(۱۵) نو آبادیات کے خلاف فلسطینی شعراء کی طرف سے صیہونیت کے خلاف کی گئی شاعری کو باقاعدہ طور پر مزاحمتی شاعری کہا گیا۔ نو آبادیات ممالک کے بہت شعراء اپنے وطن سے جلاوطن ہوئے اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ جب انھوں نے زندگی کے کچھ لمحات اپنے وطن میں گزارے تو بھی لاوطنی کی کیفیت لگی بندھی رہی ردعمل کے طور پر ان شاعروں اور ادیبوں کے ہاں

ادب کی ایک پر اثر آواز گونجی جسے دنیا مزاحمتی ادب کے طور پر جانتی ہے اس بارے میں عبدالرؤف ملک کا کہنا ہے:

> "مزاحمتی ادب و شعر کی تخلیق ان ملکوں کے ادیبوں اور شاعروں کا خاصا رہا ہے جو غیر ملکی استعماریت کا شکار رہے کیونکہ مغربی ممالک کو اس صورت حال کا سامنا نہیں تھا اس لیے وہاں کے ادب میں ہمیں ظلم و جبر اور استبداد کی وہ منظر کشی نہیں ملتی جیسی انفرو ایشیائی ملکوں کے ادب و شعر میں عام طور پر نظر آتی ہے"[۱۶]

جب بھی کہیں ظلم ہوتا ہے تو انسان فطری طور پر اسے ناپسند نگاہوں سے دیکھتا ہے انسانی عقل بھی ظلم کو برا سمجھتی ہے اسلام کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہی بات ملتی ہے کہ ظلم و برائی کو ہاتھوں سے روکو اگر ممکن نہ ہو تو زبان سے برا کہو اور اگر یہ بھی توفیق نہ ہو تو اسے دل سے برا جانو لہٰذا انسان کی کچھ مشترکہ اقدار ہیں جب ان اقدار کے مخالف نظریہ یا سوچ وجود میں آ جائے یا پھر ذاتی مفادات کی خاطر اجتماعی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر فردِ واحد کی من مانیاں اپنے عروج کو پہنچ جائیں تو مزاحمت وجود میں آتی ہے۔ مرتبہ اور مدارج کے اعتبار سے بھی مزاحمت کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ ظالم حکومت کی مخالفت میں ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ مشترکہ اقدار کے حصول کے لیے جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کرنا یہ مزاحمت کا ارفع مرتبہ ہے۔ دنیا کی بیشتر تحریکیں ایسی سامنے آئیں جن کی بنیادیں مزاحمت سے استوار ہوئی ہیں پدر سری نظام، سرمایہ داریت اور جاگیر داریت کے خلاف جو آوازیں اُٹھیں ان تمام کا سرچشمہ مزاحمت ہے۔ ادب بھی ان ناانصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا رہا ہے۔ اب تک یہ بات ہو گئی کہ ظلم اور ظالمانہ نظام کے خلاف آواز بلند کرنے، مظلوموں میں بیداری کی لہر پیدا کرنے اور دنیا تک مظلوموں کی آواز پہنچانے، جاگیر داریت کے مزموم عزائم کی قلعی کھولنے کے لیے مزاحمتی ادب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مزید بر آں آج کے گلوبل ولیج میں نو آبادیاتی نظام میں پستے مجبوروں، مقہوروں کی کیفیات کا اظہار مزاحمتی ادب نہایت سلیقہ مندی سے کر رہا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر روبینہ شہناز کا کہنا ہے کہ:

> "مزاحمت ایک جنگی اصطلاح ہے عام طور پر جن قوموں نے اپنی بقا کے لیے فاتحین اور خاص کر نو آبادیات کے خلاف مدافعت کی ان کا فاتحین اور استعماری عناصر سے پنجہ آزمائی کرنا اور اپنے حق کے دفاع کرنے کو مزاحمت کہا اب انہی کی جدوجہد کو جب اشعار کے قالب میں یا نثر کے قالب میں پرویا گیا تو مزاحمتی ادب کا منظر نامہ

معرض وجود میں آیا۔ جدید عہد میں ایسے ادب کو حکمرانوں کے خلاف لکھا جاتا ہے
اس طرح وطن کی محبت عوام دوستی اور فاتحین کے خلاف جذبات کا اظہار مزاحمتی
ادب کہلاتا ہے‘‘(۱۷)

مزاحمتی شاعری بھی صرف نعرے لگانے سے عبارت نہیں ہے بلکہ سماج میں پیدا صورت کو یکسر تبدیل کر کے عظمت رفتہ کے حصول کی کوشش کا نام ہے مزاحمت کا ارتقائی سفر ہر دور کی شاعری میں بلا تفریق زبان و ادب جاری رہا ہے مزاحمتی شاعر انسان دوست اور انصاف پسند ہونے کے ناطے کسی مخصوص علاقہ، قوم، نسل، ملک اور زبان کا شاعر نہیں ہوتا بلکہ پورے عالم انسانی کا نمائندہ ہوتا ہے ہر ملک کی تاریخ ادب میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں عالمی سطح پر ہر ادیب اور شاعر اپنے اپنے دور میں کسی نہ کسی طرح کی سماجی وابستگی ضرور رکھتا ہے جس کی جھلک ان کی تحریروں میں دیکھی اور پڑھی جا سکتی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ شاعر اور ادیب کو انسانی معاشرے کا ضمیر کہا جاتا ہے۔

قدم چلتے دکھائی دیتے ہیں ان کی شاعری میں جبر اور خوف کے خلاف مزاحمتی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے یہ جبر اور خوف ترقی یافتہ دنیا کے ایسے ہتھیار ہیں جن سے تیسری دنیا کے عوام کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔

د: اردو مزاحمتی شاعری کی روایت کا اجمالی جائزہ

برصغیر کی سرزمین پر اردو شاعری کا آغاز مشائخ کرام اور صوفی بھگتوں کے کلام سے ہوا انہوں نے انسان کو انسان کے قریب لانے کے لیے محبت کا درس دیا اور خدمت خلق کے ساتھ خدمت ادب بھی سر انجام دی اردو کے اولین ادبی دور میں سب سے نمایاں تحریک کی قیادت مسلمان بزرگان دین اور ہندو بھگتوں نے کی یہ سب لوگ سماج میں رہ کر اپنی زندگی گزارتے تھے ان کا ایک فکری لائحہ عمل تھا جس کو آج کی اصطلاح میں منشور کہا جاتا ہے تصوف کی راہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق کی گنجائش نہ تھی ان بزرگوں نے اپنی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے شاعری کا سہارا لیا انہوں نے جابر حکمرانوں کو چیلنج کیا اور ان کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اس کے عوض ان میں سے کئی ایک کو ہر طرح کی اذیتیں جھیلنا پڑیں اگر ہم متصوفانہ شاعری میں مزاحمت کی تحقیق کا آغاز کریں تو سب سے پہلے ہماری نظر بابا فرید کی طرف جاتی ہے جنہوں نے اپنے دور کے ناپسندیدہ رجحانات کے خلاف احتجاجی آواز بلند کی جب ملا اور فقہیہ حضرات کی پھیلائی ہوئی عداوت اور نفرت کی آگ میں مسلم اور غیر مسلم قوتیں جل رہی تھیں بلکہ خود مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ لڑائیاں طول کھینچ رہی تھیں مثال کے طور پر بابا فرید کے یہ اشعار دیکھیے:

فریدا خاک نہ نندے خاک جیڈنہ کو　　　　　جیوندیاں پیراں تلے مویاں اُپر ہو
فریدا اجے تیں عقل لطیف ہیں کالے لکھ نہ لیکھ اپڑیں گریبان میں سرنیواں کرا کے ویکھ
فریدا کوٹھے منڈپ ماڑیاں اسار دے بھی گئے　　　　　کوڑا سودا کر گئے گوریں جا پئے
رکھی سکھی کھاء کے ٹھنڈا پانی پی　　　　　فریدا ویکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائے جی (۱۸)

ان صوفیاء نے انسانی بھائی چارے کے پیغام کو عام کیا تو یہ پیغام اپنے آفاقی مشن اور اخلاقی پہلو کی بدولت ہندوستان میں بسنے والے مظلوم اور استحصال زدہ لوگوں کے لیے نئی زندگی کا پیغام ثابت ہوا گویا اسلام کا یہ پیغام صدیوں پرانے برہمنی نظام کے خلاف بھرپور احتجاج تھا ان کے کلام میں موجود رویے مزاحمتی رویے تھے کہ انہوں نے اپنے اقوال اور اشعار میں انسانی مساوات کا درس دیا چونکہ ان کی برصغیر میں آمد کے وقت سیاسی انتشار نے سارے براعظم میں ڈیرہ جما رکھا تھا جہالت اور تنگ نظری نے عالم انسانیت کی کمر جھکا دی تھی اس صورتِ حال میں اسلام ہی ایسا نظام حیات تھا جو معاشرے کے انتشار کو اتحاد میں بدل سکتا تھا ہندوستان کی پیاسی زمین منہ پھاڑے ایسے نظام فکر کی آرزومند تھی۔ آٹھویں صدی میں عربوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر کو بھی برصغیر میں داخلے کی راہ مل گئی برصغیر میں اس وقت کی صورت حال کے مطابق انسان رنگوں میں بٹا ہوا اور قوموں میں تقسیم تھا مذہبی عقائد کی دیواریں حائل تھیں، فرقہ وارانہ نفرتیں اور طبقاتی کشمکش کی تلواریں کھنچی ہوئیں تھیں بادشاہوں کے ایوانوں میں استحصالی پالیسیاں وضع کرنے والے مشیر مصروف عمل رہتے تھے یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہمارے صوفیائے کرام کی اکثریت بالعموم حکمرانوں اور درباروں سے دور رہی ہے پاک وہند کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں کا ادب ہر دور میں امراء کا خادم رہا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوفیاء کی شاعری میں شر کے خلاف مزاحمت اور احتجاج کے ستارے ٹمٹماتے نظر آتے ہیں اردو زبان کا پہلا شاعر امیر خسرو کو کہا جاتا ہے رام بابو سکسینہ کے الفاظ میں:

"The first poet of the Urdu language who stand out with any distiness is Amir Khusro "(19)

امیر خسرو بلا شبہ اردو شاعر تسلیم کیے جا چکے ہیں لیکن کیا ان کے کلام میں مزاحمت ملتی ہے اس کا سیدھا سادھا جواب نفی کے سوا کچھ نہیں البتہ ان کے فارسی کلام میں مزاحمتی رویوں کی عکاسی ملتی ہے اردو میں ان کا ایک بھی مزاحمتی شعر دستیاب نہیں ہوا البتہ ان کے غیر اردو کلام میں مزاحمت کا عنصر مل جاتا ہے آپ نے دوسرے صوفی شاعروں کی طرح شر کے خلاف خیر اور منفی اقدار کے خلاف مثبت اقدار کی حمایت میں

شعری جدوجہد کی امیر خسرو کے بعد بھگتی تحریک کا سب سے بڑا شاعر کبیر نمایاں دکھائی دیتا ہے انہوں نے اردو شاعری میں پہلا مزاحمتی دیپ جلایا اور انسان دوستی پر زور دیتے ہوئے کئی چراغ روشن کیے کبیر کے تصور مزاحمت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ اس دور کے صوفی ہر انسان کو یہی بشارت دیتے تھے کہ خدا محبت ہے اور محبت خدا ہے انسان کا عشق خدا کا عشق ہے طبقاتی نفرت کے بغیر حکمران حکومت نہیں کر سکتے تھے لیکن کبیر نے اس نفرت کے مقابلے میں انسانی محبت کا علم نصب کیا اور ظلم و استحصال کرنے والوں اور خون بہانے والوں سے احتراز برتنے پر زور دیا کبیر کے ہاں مزاحمتی رجحان کئی رنگوں میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے:

> ''اپنی تلوار ہاتھ میں لے اور جنگ میں شامل ہو جا اس تن کے میدان میں کام کرودھ لوبھ موہ اور اہنکار کے خلاف ایک بڑی جنگ جاری ہے''[۲۰]

خوش حال خان خٹک اور عبدالرحمان بابا بھی اسی زمانے کے شاعر ہیں انہوں نے پشتو زبان کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی شاعری کی ان دونوں نے شر کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور خدا کی وحدانیت کو اپنا موضوع بنایا۔ معاشرتی برائیوں پر ان کی تنقید میں بھی تیکھا پن رہا ہے رحمان بابا کو غربت، افلاس کا فرق نہیں بھاتا اس اعتبارِ سے آپ استدعا کرتے نظر آتے ہیں:

> ''اگر ایک آدمی کھانا کھا رہا ہے اور دوسرا بھوکی نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ کھانا نہیں کھا رہا بلکہ زہر کھا رہا ہے اسی طرح ان کا قول ہے کہ میرے گھر کی شکستہ چارپائی کسی خان کے رنگین تخت خواب سے کہیں بہتر ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے میں کامل عقیدہ کی دھونی رمائے بیٹھا ہوں لیکن شاہ جہاں اور اورنگ زیب سے کہیں زیادہ متمول ہوں''۔[۲۱]

صوفیاء نے ایک انسان پر دوسرے انسان کی بالہ دستی کو ختم کیا اور تبلیغی نقطعہ نظر سے جو چھوٹی بڑی نظمیں لکھی ہیں انھیں ہم آج کے لسانی معیار کے مطابق پورے طور سے اردو نہیں کہہ سکتے لیکن اس دور کی شاعری زبان، ی غیر ترقی یافتہ شکل میں کہیں کہیں مزاحمتی جھلک دکھا جاتی ہے مزاحمتی شاعری کا شجر ہر علاقے میں اور ہر ماحول میں نشو و نما نہیں پاتا یہ اس وقت اگایا جاتا ہے جب اس کے لیے موسم اور حالات موافق ہوں جب ظلم و ستم کا بازار گرم ہو، ناانصافی کی آندھیاں چل رہی ہوں، مظلوم لوگوں کی چیخ و پکار جاری ہو، استحصالی طبقے نے لوٹ کھسوٹ کا طوفان برپا کر رکھا ہو اور شاعر کے ضمیر کو جھنجھوڑا جا رہا ہو تب مزاحمتی

شاعری کی فصل کاشت کرنے کے لیے ماحول ساز گار ہوتا ہے سر زمین گولکنڈہ سے تعلق رکھنے والا پہلا صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کا کمال یہ ہے کہ اس نے کثرت سے ایسی نظمیں لکھیں جو عوامی شاعری سے تعلق رکھتی ہیں جن سے قطب شاہ کے جذبات کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے حالانکہ قلی قطب شاہ بادشاہ پہلے اور شاعر بعد میں تھا اس نے انسان دوستی، وطنیت و قومیت جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا یہ چیز اسے گفتار کا غازی ثابت کر سکتی ہے کردار کا نہیں جو شخص کئی معشوقوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا ہو عیاشی اور فحاشی جن کے محلوں کا عام معمول تھی اس سے مزاحمتی اشعار کی توقع رکھنا دن میں سپنے دیکھنے کے مترادف ہو گا اس نے گولکنڈہ کی سلطنت کو مستحکم بنادیا اور مخالفین کی تخریب کاریوں کو تباہ کیا اس بنیاد پر اسے مزاحمتی بادشاہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے مزاحمتی شاعر ہرگز نہیں مزاحمتی شاعری کی پگڈنڈی پر چل کر صوفی شاعروں نے آئندہ دور میں شاعری کرنے والوں کو ایک ایسی راہ فراہم کر دی جسے ایک سادہ و کشادہ سڑک بنانے میں ان شعراء نے قابلِ قدر کام کیا دیگر شاعروں نے اپنی شاعری کے تارکول سے اسے پختہ کرنے میں مدد دی جن میں سے سر فہرست نام ولی دکنی کا ہے ولی نے اپنے دور کے سیاسی حالات کی نبض کی رفتار دیکھ کر مزاحمتی شعر کہے اور زندگی کے ہر پہلو کی تصویریں کامیابی سے کھینچی ہیں شاعر اپنے زمانے کا نباض ہوتا ہے ولی کا دور ایک پر آشوب دور تھا جس میں جنگ کا بازار گرم تھا دکن کی تاریخ میں یہ دور سیاسی ابتری اور ٹوٹ پھوٹ کا دور تھا مغل فوج نے دکنی لشکروں کے بعد دکنی عوام کو کس طرح نشانہ ستم بنایا ولی نے ان تمام واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے غزل کہی ہے تاریخی اعتبار سے دکنی دور ۱۷۰۷ء کے قریب ختم ہو جاتا ہے اور شاعری کی مزاحمتی شاہراہ کی تعمیر کا کام شمالی ہند کے شاعروں کی ذمہ داری قرار پاتا ہے جہاں تک مزاحمتی شاعری کے معیار کا تعلق ہے ہر اعتبار سے دکن کے مقابلے میں شمالی ہند کا سرمایہ باعث افتخار ہے کہ یہاں کے تقریباً دربار اور سرکار کے بجائے کوچہ بازار سے وابستہ رہے ہیں انھوں نے منفی اقدار کی صورت حال کے خلاف مزاحمتی اشعار کہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو شاعری کو جب دہلی میں عروج ہوا تو وہ زمانہ سلطنت مغلیہ کے زوال کا تھا تاریخ ہند کے طالب علم کی نظر سے نادر شاہ کا حملہ، مرہٹوں کی لوٹ مار، مغلوں کی غفلت اور عیش پرستی کی تفصیل مخفی نہیں ان واقعات نے دہلی کی خوش حالی کو تباہ کر دیا اور دہلی کے باشندے پریشان حال ہو گئے ان دردناک واقعات نے لوگوں کو مایوس اور رنجیدہ کر دیا شعراء چونکہ عام لوگوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں اس لیے ان پہ مصائب کا زیادہ اثر ہوتا ہے ظاہر بات ہے کسی بھی ملک کی شاعری خلا میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ ملکی عوامل سے شاعری کا

ہیولا تیار ہوتا ہے اورنگ زیب کے انتقال اور اردو ادب کے فروغ کا زمانہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اس زمانے میں ہند میں اردو میں مزاحمتی شاعری اوج کمال کو چھو رہی تھی۔ڈاکٹر محمود الرحمٰن نے لکھا ہے:

> ”بر عظیم کی تاریخ میں یہ بڑے کرب کا دور تھا پورے ڈیڑھ سو سال کا یہ عرصہ نہایت روح فرسا اور جاں گسل تھا ہر شخص حیران و پریشان نظر آرہا تھا عقل کام نہیں کرتی تھی دماغ شل ہو کر رہ گئے تھے فکر و سوچ کے تمام سوتے خشک پڑے ہوئے تھے حال تاریک تھا اور مستقبل بے نام ونشان دکھائی دیتا تھا“(۲۲)

مغلیہ حکومت کے خاتمے کے بعد کے حالات میں بد نظمی، انتشار اور ہر چیز الٹی نظر آتی ہے اس وقت کی مزاحمتی شاعری دکن کی تنگ تاریک گلی سے نکل کر شمالی ہند کے کھیتوں کھلیانوں اور شاہی محلوں تک پھیل چکی تھی مزاحمت تو ویسے بھی اردو شاعری کے خمیر میں رچی بسی ہے، اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز جس دور میں ہوا وہ سیاسی انحطاط اور معاشرے کے تہذیبی زوال کا دور ہے اٹھارہویں صدی کے آغاز سے اس زوال کی ابتدا ہوئی اور یہ زوال بنیادی طور پر سیاسی انحطاط کا نتیجہ تھا۔ سیاسی زوال کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء ایک مرکزی نقطہ ہے یہ ایک ایسے تاریک باب کا آغاز ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف تو ساڑھے چھ سو سالہ مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا اور دوسری طرف غلامی کا ایک طویل دور شروع ہوا انگریزوں نے مختلف علاقوں میں اپنے پاؤں جمانے شروع کر دیئے برصغیر کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں زمین کو بچانے کے بجائے ذہن کو بچانے کی کوشش نظر آتی ہے کیوں کہ زوال تو اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اس تحلیلی عرصہ کے دوران مزاحمتی شاعری کا کینیوس نہایت وسیع، ہمہ گیر اور مسلسل پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے دہلی اور لکھنؤ دبستانِ شاعری مزاحمتی نقطعہ نظر سے مقامی سطح سے قومی اور بین الاقوامی سطح تک مزاحمتی شعر لکھے گئے اس دور کے باشعور شاعروں میں نمایاں ترین آواز جعفر زٹلی کی ہے مزاحمتی شعر کہنے والا جعفر زٹلی اپنے فن کا تیز طرار پہلا آدمی تھا اس کے فن کی داد سب نے دی ہے ٹلی نے استحصالی مزاجِ رکھنے والوں کی چاپلوسی نہیں کی بلکہ اپنے کلام میں ان کی خوب خبر لی ہے بقول شیرانی:

> ”مشہور تو زٹلی ہے مگر اپنے زمانے کا عجیب و غریب انسان تھا اور کاٹنے والی زبان کا مالک تھا“(۲۳)

میر عبدالحیٔ تاباں، سراج الدین علی خان آرزو، اشرف علی فغاں، شیخ ظہور الدین حاتم، مزامظہر جان جاناں نے مزاحمتی اشعار کم تعداد میں. لکھے صرف جعفر زٹلی نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر جابر حکمران کے

سامنے کلمہ حق ادا کیا اور سچ کی کڑوی گولی معاشرے کے حلق سے نیچے اتاری اس حوالے سے عابد علی عابد کے الفاظ ہیں: ''ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ آج کے باغی شاعر آنے والے کل کے کلاسیکی سخن سرا ہوتے ہیں''[۲۴] جعفر زٹلی کی شاعری اپنے دور میں زبان درازی، بے باکی اور شدید رد عمل کی مثال ہے جعفر زٹلی اردو شاعری کی سلطنت میں زلزلہ بن کر آیا اور اپنے دور کے کئی ارباب اختیار کے ایوانوں کی بنیادوں کو ہلا گیا بے شک جعفر نے شر اور برائی کے خلاف مزاحمتی جنگ جیتی لیکن اس کی قیمت چکانے میں وہ اپنی جان ہار بیٹھا۔ اس دور کے برصغیر کے سیاسی اور ادبی حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی مغل شہنشاہ جہانگیر سے حصول اقتدار کے لیے کہیں لالچ اور کہیں مکاری و تجارت کے بہانے اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھی اورنگ زیب بادشاہ کی وفات کے ساتھ ہی انگریز سامراج کو مختلف علاقوں میں اپنے پاؤں جمانے کے لیے سنہری موقع ہاتھ آ گیا اس وقت اردو زبان کی دو عظیم شعری طاقتیں ایک ہی ماحول میں شاعری کرتے ہوئے منفی انسانی اقدار اور واقعات کے خلاف مزاحمتی رویے کا اظہار کیا دونوں اساتذہ کا فنی اسلوب بلاشبہ مختلف ہے لیکن ایک ہی قسم کے پیش منظر کی وجہ سے ان کے کلام میں ایسا شعری آتش گیر مواد ملتا ہے جسے مزاحمتی شاعری کا بارود تیار کرنے میں استعمال کیا گیا ہے میر و سودا اپنے دور کے سیاسی ہوتے تو انسان مخالف قوتوں اور مسلمان دشمن عناصر کے خلاف جارحانہ کاروائیوں میں پیش ہوتے لیکن وہ شاعری کے میدان کے شہسوار تھے لہٰذا انہوں نے اپنے دور کے استحصالی جتھوں اور سامراجی گروہوں کے خلاف مدافعانہ طرزِ عمل بنایا اور جابروں اور غاصبوں کو مقاومتی قلم کی تلوار کے ذریعے ہدف بنایا اردو شاعری کی یہ دو ایٹمی طاقتیں اپنے وطن میں رونما ہونے والے سیاسی استحصال، معاشی لوٹ کھسوٹ، منفی سماجی احوال اور جبر کو کیسے برداشت کر سکتی تھیں ان دونوں نے شہر آشوب اور ہجویات اور ایسے درجنوں غزلیہ اشعار لکھے جو مزاحمتی شاعری کی ذیل میں آتے ہیں سچ بات یہ ہے کہ دونوں خاک وہند کے ایسے ہیرے ہیں جن سے اس تنزل کے دور کی شاعری زندہ ہے سودا کا یہ شعر اپنی جگہ اس پورے دور تنزلی کی ایک تاریخ ہے:

مچار کھی ہے سلاطینوں نے یہ توبہ دھاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آئے ہیں گریباں پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آوے دے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے جو ہم ایسے ہیں چھاپے، ہنگی پہاڑ
تو چاہیے کہ ہمیں سب کو زہر دیجئے گھول[۲۵]

ان دونوں شعراء نے دیکھا کہ اعلیٰ و ادنیٰ اس آشوب بلا کا شکار ہیں ظالم کا بے رحم کوڑا ہر ایک پر یکساں برس رہا ہے لیکن کسی کو بھی یہ احساس نہیں کہ متحد ہو کر اس ظلم کی روک تھام کریں امراء خود غرضی کا شکار تھے اور عام رعایا بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح ان درندوں کے درمیان تباہ حال تھے کوئی ان کی فریاد نہیں سنتا تھا ان حالات وواقعات کو قلم بند کرتے ہوئے میر نے یہ مزاحمتی شعر کہا:

کون پہنچے ہے بات کی تہ کو ایک مدت سے بک رہے ہیں ہم (۲۶)

میر کا یہ شعر کھل کر اس کی غیر سے نفرت کو ظاہر کر رہا ہے جس کے استعماری قدم اس کے ملک پر تسلط جمار ہے تھے اس شاہی ظلم واستحصال پر کڑی تنقید میر کے اس شعر میں مزاحمتی لہجہ اختیار کیے ہوئے ہے بقول میر:

غیر نے ہم کو ذبح کیا نے طاقت ہے نے یارا ہے
اس کتے نے کر کے دلیری جسد حرم کو پھاڑا ہے (۲۷)

اگر میر کی شاعری ان کے مزاحمتی جذبات کی بدلتی ہوئی تصویر ہے تو سودا کے کلام میں بھی مزاحمتی خیالات کی کمی نہیں کلیات سودا یا دیوان میر دونوں مزاحمتی اشعار کے خزانے ہیں ان دونوں کے دور میں سامراجی طاقتوں کے گدھ سلطنت دہلی پر بیٹھے اپنے پر پھڑ پھڑا رہے تھے اور کئی دشمن عناصر اپنے عزائم کی گھات لگائے بیٹھے تھے مزدور کی کٹیا سے منعم محلوں تک حالات کے زلزلے سے لرز رہے تھے ڈاکٹر سید عبد اللہ کا کہنا ہے:

> "میر کا زمانہ زراوسیع کرتے ہوئے اور اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے لے کر شاہ عالم ثانی کے عہد تک پھیلا ہوا ہے اس دور کے واقعات و حوادث سب کے سامنے ہیں رنگارنگ آشوب حوادث زمینی وآسمانی، جذبات انسانی کا بگاڑ، اخلاقی اقدار کی شکست وریخت، بے مہری، بے وفائی بدعہدی اور نفسانفسی کے طوفان امڈے نظر آتے ہیں خون انسانی بلکہ خون برادر کے چھینٹے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں"(۲۸)

جب سودا مرہٹہ سواروں کی قلعہ دہلی کی دیواروں کے نیچے قتل وغارت گری کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں تو اس کا جراتمندانہ انداز ہوریس سے مشابہ ہوتا ہے سودا اپنے دور کی اقتصادی بدحالی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عسکری قوت کے کھوکھلے پن کی کامیاب عکاسی کرتے ہیں اگر خون کے مضامین میر کی شاعری میں باندھے گئے ہیں تو سودا کے ہاں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں:

کیونکر نہ ملک داری میں باہم ہو کشت خون   ہاں زندگی و مرگ کا حاصل زمین ہے [۲۹]

میر وسودا مزاحمتی دنیائے سخن کی دو سپر ایٹمی طاقتیں ہیں ارباب اقتدار ہوں یا جاگیر دار، جابر حکمران ہوں یا کمزور طبقات کا استحصال کرنے والے طاقت ور انسان، میر و سودا نے ان سب کی مزاحمت میں اپنے شعروں کے تیر کمان سے خوب کام لیا ہے۔ جب باطل حق پر جھوٹ سچ پر، کم ظرف اعلیٰ ظرف پر اور جہالت عقل پر غالب آنے لگتی ہے تو ہر حساس انسان کی طرح شاعر کی طبعیت میں مزاحمتی ابال پیدا ہو جاتا ہے جو اشعار کی صورت میں لاوا بن کر ابل پڑتا ہے اس اعتبار سے اردو میں مزاحمتی شاعری کی لڑی میں میر درد کس طرح اپنے اشعار پروتے رہے یہ جاننے کے لیے درد کے مزاحمتی مزاج کا جائزہ لیتے ہیں تو درد صوفیاء کے سلسلہ سے تعلق رکھنے کے باوصف درد ہر قسم کی نفسانی اور حیوانی انسانی خواہش کے خلاف نفس کشی کرتے ہوئے مزاحمت کرتے رہے درد نے دہلی کے اجڑنے کا منظر بار بار دیکھا اس نقطہ نظر سے درد کی مزاحمتی شاعری میں اس دور کی اقتصادی بدحالی، بدامنی، لوٹ مار، بادشاہ وقت کی خوشامد اور مادیت پرستی کے حوالے سے احتجاجی اشعار ملتے ہیں ایسے حالات میں درد کا قلم پکار اٹھتا ہے درد حوس اور سستی شہرت سے نفرت کرتے ہیں جبر و استداد کے خلاف جدوجہد میں جان بھی چلی جائے تو یہ اس کے لیے گھاٹے کا سودا نہیں یہ سب اس کے مزاحمتی جزبات کو تقویت دینے کا باعث بنتا ہے:

جان پہ کھیلا ہوں میرا جگر دیکھنا   جی رہے نہ رہے مجھ کو ادھر دیکھنا[۳۰]

درد نے مذہب کے نام پر لوگوں کا استحصال کرنے والے ملاؤں اور واعظوں پر تیر سے نہیں شعر کے ہتھیار سے وار کیا ہے ان کے قلم سے ایک شعر نکلا ہے جس میں ان کا جزبہ شجاعت عروج پر دکھائی دیتا ہے ملا کی مزاحمت میں یہ شعر موزوں ہوا ہے:

ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
مزاج نازک دل سے اگر مکدر ہو
یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں
یہ تیرے شعر ہیں اے درد یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں [۳۱]

جہاں اس دور کی تاریخیں گونگی ہیں وہاں شاعروں کی آواز چیخ بن کر صورت حال کی طرف متوجہ کر رہی ہے البتہ غلام حسین ہدایت، قدرت اللہ قدرت، میر محمد سجاد کے کلام میں مزاحمتی اشعار آٹے میں نمک کے برابر ہیں مثنوی سحر البیان کے بانی میر حسن اپنے اشعار میں استحصالی طبقوں کو عقل کے ناخن لینے کی تلقین کرتے محسوس ہوتے ہیں میر حسن مفلسی کے مرض میں مبتلا رہے غیر یقینی حالات کے سائے پورے شہر پر پھیلے ہوئے تھے۔ امراء اور جاگیر داری کی تباہی ان طبقات سے وابستہ غریب لوگوں کی تباہی کے مترادف تھی کیونکہ بالا طبقات کی خوش حالی کے بغیر یہ پسے ہوئے لوگ معاشی اور اقتصادی لحاظ سے یتیم ہو جاتے تھے اس لئے میر حسن کا ذاتی تجربہ مزاحمتی فکر سے بہرہ مند ہو کر ان سے ایسے اشعار کہلواتا ہے:

کیا کریں گے یار اس دنیا میں آکر وہ غریب
صرف اپنے غم میں جو اوقات ساری کر گئے (۳۲)

انشاء خان انشاء شاعری کے کوچے میں اپنا رستہ سب سے جدا نکال کر داخل ہوئے ان کے دور میں اردو شاعری کو دربار سے وابستہ کر دیا گیا تھا شعراء کا کلام ایسا ہو جس سے امیر و رئیس خوش کیے جائیں اس ضمن میں انشاء آصف الدولہ کے دربار سے منسلک ہو گئے ان کے انتقال کے بعد نواب سعادت علی خاں کے دربار سے وابستہ ہوئے مگر نباہ نہ ہو سکا اس پس منظر میں ان کی شاعری میں مزاحمتی رویوں سے بھرپور اشعار ملتے ہیں نواب کے ظالمانہ رویے کے نتیجے میں انشاء کا قلم یہ رخ اختیار کرتا ہے:

دل ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا　　　ہمارے قبلے کو وہابیوں نے لوٹ لیا (۳۳)

عنایت خان ناطق، عرفان، باپو میاں فقہیہ، پیہم جند، غلام ہمدانی مصحفی، سید محمد خاں رند اور میر احسان علی نے اس زمانے کے انتشار، بدامنی، مصائب اور بادشاہ وقت پر بھوک کا ذکر اپنی شاعری میں کیا ہے اس زمانے میں سلطنت دہلی میں جنگل کا قانون رائج تھا بادشاہی انگریز مرہٹے کر رہے تھے تب نظیر اکبر آبادی نے عوامی شاعری کی ان کے شعری شجر کی ٹہنیوں پر مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور ہجو جیسے پھول اگ رہے تھے تب نظیر نے نظم گوئی کا بیج بو کر اسے تناور درخت کی شکل دے دی بلاشبہ نظیر عوامی طبقہ کا شاعر تھا لیکن انہوں نے منقبت میں مزاحمتی اشعار لکھے ہیں جن میں باطل قوتوں کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کی مزاحمتی فکر کا کلام میں بیان خود نظیر کی مزاحمتی سوچ کا غماز ہے آپ کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مخالفین اسلام کے خلاف کامیاب مزاحمت کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے:

کی فتح غرض شاہ نے خیبر کی لڑائی بدکشیوں کی بل مارتے میں کر دی صفائی
کفار میں اسلام کی نوبت کو بجائی خیبر میں پھری آن کے حیدر کی دہائی
سب اڑ گیا پھر آن کے کفار کا دھاڑا(۳۴)

معیشت کا مظبوط دور عوام کی فلاح کا ضامن ہو تا ہے نظیر کی شاعری میں اسی فکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ان کے مزاحمتی خیالات اس دور کے عام قلوب انسانی کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ تھے نظیر اپنے اندر ایک باغی روح رکھتے ہیں جس کو کسی بھی غیر انسانی قدر اور منفی رویے سے شدید نفرت تھی مختلف پیشہ وروں اور صنعت کاروں کی زبوں حالی کا ذکر کر کے نظیر نے اپنے دور کی صحیح تاریخ ہی پیش نہیں کی بلکہ ڈاکٹر ابو الیث صدیقی کے بقول:

"اردو شاعری میں پہلی مرتبہ نظام کی آسودہ حالی کا دارومدار بھی انہی پر رکھا ہے جن کی تباہی دراصل پورے نظام معیشت کی تباہی ہے"(۳۵)

اردو زبان شاعری کی خدمت کے حوالے سے امام بخش ناسخ اپنے دور میں لکھنؤ کا نمائندہ شاعر مانا جاتا ہے ناسخ کے لئے انگریزی اقتدار کے زیر تسلط ہندوستان میں زندگی عذاب تھی اس لیے ان کے قلم سے مزاحمتی شعر بر آمد ہوتے ہیں ناسخ کا آئین انسانیت اپنے اندر مزاحمت کے جملہ پہلو سمیٹے ہوئے ہے ان کے اشعار میں انگریزی لشکر کے غیر انسانی رویوں کے بارے میں مضامین بیان ہوئے ہیں اس شعر میں ناسخ کی مزاحمتی رمق موجود ہے:

زمانے کے ستم سے روز ناسخ نئی اک کربلا ہے اور میں ہوں(۳۶)

تاریخ ہندوستان کے مطالعہ سے معلوم ہو تا ہے کہ یہاں پہلے مقامی مسلمان حکمران اور بالائی طبقات عوام کا استحصال کرتے رہے اور اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیگر غیر مسلم حکمرانوں نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیے رکھا ایسی پر خطر فضا میں حیدر علی آتش کے ہاں ایسے اشعار تخلیق ہوئے ہیں جو مزاحمت کی کسوٹی پر پورا اُترتے ہیں آتش اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ایسا سخن ور ہو گزرا ہے جسے غالب شکن شاعر نے بھی سراہا ہے آتش نے اپنا رشتہ عوام سے جوڑا اور شاعری کی رگوں میں تازہ خون داخل کیا آتش نے کم سنی میں جب تیغ زنی میں مہارت حاصل کر لی تب ان کی سخت جانی اور مزاحمتی فکر اس شعر میں ملاحظہ کیجیے:

سخت جانی نے مری توڑے ہیں خنجر سینکڑوں
پھر گئے ہیں معرکوں میں مجھ سے تلواروں کے منہ(۳۷)

آتش کے کلام میں ناانصافی، جبر و استحصال، جذبہ آزادی اور احساس زوال کے جملہ پہلوؤں کے بارے میں مزاحمتی فکر ملتی ہے مسلمان مخالف اقوام کی شورشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اور باطل قوتوں کے خلاف جہاد کرنے والے مسلمان مجاہدین اردو شاعری کی تاریخ میں نمایاں مقام کے حامل ہیں ٹیپو سلطان اور احمد شاہ ابدالی نے مسلمانوں کے باغی لشکروں کو شکست دی لیکن مغل حکمران پھر بھی نہ سنبھل سکے اور ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے بالآخر مغل شہنشاہ محض شطرنج کی حیثیت کے حامل رہ گئے مومن خان مومن ان حالات میں فوجی سرحدوں کے بجائے ادبی محاذ پر ڈٹے ہونے دکھائی دیتے ہیں مومن کے شعری افق پر سب سے زیادہ تابناک مزاحمتی سیارہ ان کی مثنوی "جہادیہ" ہے۔بے حسی کے اس دور میں مومن کا جذبہ جوش انہیں انگریز سامراج کے خلاف مزاحمت پر اکساتا ہے جنھوں نے سیاسی اور معاشی اعتبار سے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا:

کوئی نہ رہا جو پونچھے آنسو
کیا روؤں میں اپنی بیکسی دیکھ کر (۳۸)

محمد ابراہیم ذوقِ اپنے دور کے حالات و واقعات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہیں انگریزوں کی مکاری سے متاثر ہونے والے مسلم حکمران اور ان کی بے گناہ رعایا کی حالت ان سے پوشیدہ نہ تھی عوام نے اپنی بے بسی کے باعث ان سامراجیوں کے خلاف عملی مزاحمت نہیں کی جس پر ذوق نے اپنا ردعمل ظاہر کیا ہے مزاحمتی شعر لکھتے وقت ذوق کے سامنے مرہٹوں کا ظلم و تشدد تھا وہ چاہتے تھے کہ استحصالی عوام ان جبری شکنجوں کو توڑ پھینکیں ان کے اشعار پڑھ کے بے اختیار ذوق کے مزاحمتی رویوں کو سراہنا پڑتا ہے بقول ذوق:

پھرتا ہے سیل حوادث سے کوئی مردوں کا مونہہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں (۳۹)

ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ اور زمین سب کچھ انگریزوں. کے قبضے میں گیا تب ذوق ان غاصبوں کی سازشوں کے لمبے عرصے کے لیے بنے گئے جال کا ذکر کرتے ہوئے اپنی غزل میں مزاحمتی انداز میں لکھتے ہیں:

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطیٰ بولتا ہے ان دنوں صیاد کا (۴۰)

بہادر شاہ ظفر کے کلام میں ظاہر داریت کے خلاف مزاحمتی شاعری دیکھی جاسکتی ہے سیاسی اعتبار سے ظفر کی ناکامی اپنی جگہ مگر شعری میدان میں اس کی کامیابیاں بے شمار ہیں ان کے کلام میں درجنوں اشعار

بکھرے ہوئے ہیں جنہیں رجائیت اور مزاحمتی عناصر کا حامل کہا جائے تو غلط نہ ہو گا ان کے کلام میں جا بجا اپنے سیاسی ماحول کی ترجمانی جھلکتی ہے مغلیہ سلطنت کا یہ چراغ رنگون کے قید خانے کی تاریکیوں میں دل بہلا تا رہا اور انگریز استعمار کی مزاحمت میں ان کا قلم خوب بولتا ہوا سنائی دیتا ہے:

یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہو ان پہ کیسی جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے
یہ ستم کسی نے بھی ہے سنا کہ دے پھانسی لاکھوں کو بے گناہ
ولے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے [۴۱]

بہادر شاہ ظفر کی بد نصیبی کا یہ عالم رہا کہ دفن کے لیے وطن عزیز میں دو گز زمین بھی نصیب نہ ہوئی غرض اس نفسا نفسی کے عالم میں غالب بھی زندگی کے ہاتھوں جیتے جی مر گیا لیکن اس کے اندر کا شاعر وقت کی ان بے رحم تھپیڑوں سے نہیں مرا اپنے دور میں انسانیت کی تزلیل اس کو خون کے آنسو رلا دیتی ہے غالب کے سامنے ایک تہذیب کی شکست و موت کا پورا نقشہ موجود تھا اور اس سے وابستہ ہر شے درد کے وجود سے متصل تب غالب نے ان کھٹن حالات میں یہ جواز پیش کیا:

"ارے بھائی! مرثیہ لکھیں تو ایک کا لکھیں، نوحہ کیجیے تو دو کا کیجئیے، جب تمام شہر برباد ہو کر بگڑ جائے تو کیا خاک بن آئے"[۴۲]

غالب نے جبر و استحصال کے خلاف اپنے قلم سے مزاحمتی شعر نکالے اور اپنے ضمیر کی عدالت میں کامیابی حاصل کی چونکہ غالب مغل تہذیب کی عظمت اور زوال دونوں کے عکاس ہیں انگریزوں کے جبر کا ریلا زور و شور سے اہل دلی کے خونیں زمین سے گزرا تب ان حالات کو غالب اپنے جذبات کے ابال کو مزاحمتی شعروں کی لڑی میں پروتا ہے ان کو ہر جگہ ویرانی نظر آئی اور دہلی کا نقشہ ہی مسخ ہو چکا تھا اس برباد چمنِ کے سارے منظر کو اس طرح پیش کیا:

بس کہ فعال ما یرید ہے آج ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انسان کا
چوک میں جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنہ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے آنہ سکے یاں تک آدمی واں نہ جا سکے یاں کا[۴۳]

داغ دہلوی کے کلام میں مزاحمت نت نئے رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے ان کا مزاحمتی زخیرہ شاعری میں ایسے انمول ہیرے اگلتا ہے جنہیں تراشنا کسی عام شاعر کا کام نہیں انگریزوں کی ظالمانہ کاروایئوں کے خلاف داغ نے مظلوم لوگوں کی حمایت میں طنز کے نشتر چلائے داغ نے زبان قلم سے وہ سب کچھ بے دھڑک کہہ دیا جو ان کے دل پر گزرتی تھی داغ کھلے لفظوں میں جبر اور زیادتی کے خلاف مزاحمت کا علم اٹھائے ہوئے ہیں انگریزوں نے امن و امان کی کوئی رمق نہ چھوڑی اور مسلمانوں کو سزا دینے کے عجیب و غریب قانون بنائے تب داغ نے فرنگیوں کے اس انصاف کے خلاف کہا:

کچھ ایسے فتنوں پہ فتنے اٹھے کہ شور محشر بھی چیخ اٹھا
اٹھی قیامت بھی ساتھ میرے بتو نکے کوچہ و تنگ ہو کر [۴۴]

داغ دہلوی نے لگا تار جان لیوا امتحان دیئے حالات کی آتش نمرود میں اس ابراہیم نے مزاحمتی شعر کہے ان کی مزاحمتی شاعری ادب عالیہ میں شمار ہوتی ہے واضح رہے سرور جہاں آبادی، امیر اللہ تسلیم، نادر کاکوروی، امجد علی، جلال لکھنوی کے کلام میں مزاحمت کی لو دھیمی دکھائی دیتی ہے وقت بدلنے سے فکر بھی بدل جاتی ہے اکبر نے ہندوستان میں انگریزوں کے پھیلائے انتشار میں دبی کچلی انسانیت کی ذہنی آزادی اور خود اعتمادی کی تخم ریزی کی اس وقت برصغیر نو آبادیات کار کی سیاسی پالیسی کے گھیرے میں آچکا تھا اپنی محکوم قوم کی بے بسی دیکھتے ہوئے اکبر نے انہیں مادیت زدگی کے خطرے سے آگاہ کیا انہوں نے مادیت زدگی کی سراسر مخالفت نہیں کی لیکن جوں ہی انسان اپنے اندر کی روشنی سے محروم ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اکبر نے اس کو خطرے کی علامت سمجھا اکبر نے طنز و ظرافت کے لب و لہجہ میں مشرقی اقدار کی نفی کرنے والوں کی پوری پوری خبر لی جو مغربیت کے دلدادہ تھے دراصل اکبر کا کمال یہ ہے کہ وہ کھلے لفظوں میں نو آباد کار کی مزاحمت کرتے ہیں بقول اکبر:

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا [۴۵]

انگریزوں نے یہاں کے اقدار کی قدر نہیں کی اکبر کے نشتر کا ہدف مذہب کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کا استحصال کرنے والے ملا و مولوی ہیں جو چند سکوں کے عوض اپنا ایمان بیچتے ہیں اکبر نے مذہبی اقدار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے   صرف تعویذ اور گنڈہ ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ میں   کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈہ ہے
سو وہ ڈنڈا ابھی اب ہے ضبطِ پولیس   زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے (۴۶)

انگریز برصغیر پر مسلط ہوئے تو یہاں کے شعر و ادب میں تبدیلیوں کے امکانات بھی روشن ہوئے چناچہ وہ اصناف شعر پس منظر میں چلی گئی جو اس ہند تمدن کی ترجمان سمجھی جاتی تھیں ۱۸۶۵ء میں انجمن پنجاب قائم ہوئی بقول ڈاکٹر آصفہ بانو:

"انجمن کے مشاعروں میں حب الوطنی، امن وانصاف، مروت قناعت تہزیب الاخلاق وغیرہ جیسے عنوانات پر نظمیں پڑھی گئیں جن سے عوام الناس کو انسان دوستی، رواداری وطن پرستی، عدل وانصاف اور مشترکہ قومیت کا درس دیا گیا" (۴۷)

حالی نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے مزاحمتی شاعری کا سہارا لیا نظم "نشاط امید" میں حالی نے اپنی پسماندہ اور محکوم قوم کو امید کی کرن دکھائی تاکہ وہ ناامیدی کے اندھیروں سے نکل کر اپنے سفر کو جاری رکھ سکیں ان کے کلام میں برٹش کی ناانصافیوں پر غصے کا اظہار ملتا ہے حالی کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ پرانا نظام مٹ چکا ہے اب ایک نئے گھر کی تعمیر کی ضرورت ہے حالی نے ظلم و استحصال کی مزاحمت میں بہت زیادہ شعر کہے اس سلسلے میں انگریز ہی ان کے قلم کے ہتھے نہیں چڑھے بلکہ شیخ، واعظ اور مولوی کی بھی خوب خبر لی ہے ان کے خلاف قلمی جہاد کرتے ہوئے حالی کا قلم اس قسم کے شعلے برساتا ہے:

واعظ دین کا خدا حافظ   انبیاء کے ہو تم وارث
قوم بے پر ہے دین بیکس ہے   گئے اسلام کے کدھر وارث
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف   جیسے مردہ کے مال پر وارث
امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقہیو! ممنون بہت تمہارا (۴۸)

حالی کی مزاحمتی راہ پر چلتے ہوئے شبلی نعمانی نے مظلوم قوم کی وکالت کی انہوں نے اپنے مذہبی بھائیوں کی آہوں کے دھوئیں میں اپنی آہوں کی چنگاریاں شامل کر دی ہیں انگریزوں نے برصغیر کو اپنی جاگیر سمجھتے ہوئے اپنے کالے قوانین لاگو کیے شبلی اس استحصال کے خلاف تھے اس استحصال کے نتیجہ میں مظلوم انسانوں پر کیا گزرتی ہے وہ زخموں کو گنتے گنتے حکومت برطانیہ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں:

گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا　　بلاد مغربی کے یہ نئے قانون بھی دیکھے ہیں
مسلمانوں کا قتل عام اور ترکوں کی بربادی　　نتائج ہائے امید گلیڈ اسٹون بھی دیکھے ہیں
لہو کی چادریں دیکھی ہیں رخسار شہید اں پر　　زمیں پر پارہ ہائے سینہ پر خوں بھی دیکھے ہیں (۴۹)

شاعر محض مجاہد ہی نہیں بلکہ قوم کا رہبر ہوتا ہے بیسویں صدی کا پاک وہند معاشرہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا ایسے حالات میں اس دور کا شاعر کس طرح اپنے آپ کو بے نیاز رکھ سکتا تھا انگریز. اعلیٰ وادنی کے مالک بنے ہوئے تھے اس جمود کو توڑنا آسان کام نہ تھا اس غلام وطن کے لوگوں کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے ان کی حمایت میں قلم اٹھایا انہوں نے اپنے کلام میں قوم کو مغرب سے نجات حاصل کرنے کی تلقین کی انہیں نفع ونقصان سے آگاہ کیا تاکہ وہ اپنی خودی بیدار کر کے اس ظلم وجبر کے خلاف صف آرا ہو کر ان تمام شر پسند عزائم کی بیخ کنی کر سکیں اقبال بلا جھجک مغربی تہذیب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اس دور میں کس طرح آزادی انسانیت کے نام پر مکر وفریب کیا جا رہا ہے آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> " اقبال کو مغربی تہذیب سے شکایت ہی یہی ہے کہ اس نے افرنگ کو مشینوں کے دھویں سے سیہ پوش کر دیا ہے اس نے روح کو خوابیدہ اور بدن کو بیدار کیا ہے اس نے انسان کو مشین کا محکوم بنا دیا اس نے تدبر کی فسوں کاری سے سرمایہ دارانہ تمدن کو مستحکم کیا ہے اس نے عقل کی پرستش کر کے اس عقلیت کو جنم دیا ہے جو روح کی پکار نہیں سنتی "(۵۰)

اقبال نے اپنے کلام میں مغربی جمہوریت سے تشکیل سرمایہ دارانہ نظام کی مزمت کی کیونکہ اس نظام کی اصل روح میں ناانصافی، بددیانتی، جھوٹ، عیاری جیسے شر پسند عناصر پوشیدہ ہیں جن کا مقصد مظلوموں کی کمائی پر عیاشی، طبقاتی فرق اور قتل وغارت گری پر مبنی ہے ان کیفیات میں انسانیت کی تذلیل بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی علامہ کی مزاحمتی شاعری اس انسانی تذلیل کی شدید مخالفت کرتی ہے بقول اقبال:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات (۵۱)

علامہ ایسی جمہوریت کی مزاحمت بانگ درا میں یوں کرتے ہیں:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے (۵۲)

علامہ اقبال کے علاوہ مولانا ظفر علی خان،حفیظ جالندھری،اختر شیرانی،منیر نیازی،احسان دانش،سیماب اکبر آبادی،ساغر نظامی،الطاف مشہدی اور حامد اللہ افسر میرٹھی نے اپنے کلام میں سامراجیت کے مکروہ چہرے کی عکاسی کی اور ان کی پھیلائی ہوئی بدامنی،غلامی،افراتفری،عصبیت ،فرقہ واریت کی مخالفت کی انہوں نے سرمایہ داری اور سامراجی ظلم و جبر میں جکڑی ہوئی عوام کو بیدار ہونے کی تلقین کی، ظلم کو ہر رنگ میں ناپسند کیا اور مظلوم کی حمایت میں پیش پیش رہے۔غلامانہ زندگی سے اکتائے ہوئے ہندوستانی افراد آزادی کے حصول کے لیے پوری شدت کے ساتھ سرگرم عمل تھے اور امید کی جوت جگائے خوش آئند لمحات کے منتظر تھے لیکن آزادی کے نام پر جو کچھ ہوا انتہائی ناقابل فراموش سانحہ ہے ملک تقسیم کر دیا گیا فسادات کی آگ نے تمام عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا عوام بربریت کا شکار ہوئی خون کی ہولی سے لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور آزادی کی خوشی نوحہ غم میں تبدیل ہوگئی ان ہنگاموں نے شاعری کے ذہنوں کو زخموں کی کائنات سے آشنا کیا شاعروں نے اپنی تخلیقات میں اس موضوع کی مختلف انداز میں مزاحمت کی ہے۔جاوید اختر کا کہنا ہے:

”۱۹۶۵ءسے ۱۹۷۵ءتک یہ شاعری ہر قدم پر اپنے معاشرے کے ہر دکھ،ہر شکوے اور ہر احتجاج کی آواز بنی ہے یہ شاعری گلستانوں،عشرت کدوں اور خواب گاہوں کی شاعری نہیں یہ شاعری ملوں اور فٹ پاتھوں کی شاعری ہے۔یہ شاعری کسان کے ہاتھوں سے لگی مٹی اور مزدور کے ماتھے کے پسینے کے بارے میں ہے۔یہ بااقتدار طبقے کے ظلم کے خلاف اعلان جنگ کی شاعری ہے یہ ڈھلتی ہوئی رات اور آنے والے سویرے کی شاعری ہے“(۵۳)

یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب ایک انسان کو آزادی اظہار حاصل نہ ہو اور بنیادی ضرورتیں روٹی، کپڑا اور مکان میسر نہ آئیں تو وہ زندگی میں بقا کی جنگ کے لیے مزاحمت کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور اس مزاحمت سے اس کا جینا آسان ہو جاتا ہے بلکل اسی طرح پاکستانی مزاحمتی شعراءنے اپنا شعری سفر جاری رکھا

اور اپنے سماج کو دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ اپنی عوام کے حقوق کی بر آوری کے لیے لا تعداد نظمیں، مرثیہ اور غزلیں لکھیں جن میں ان کا مزاحمتی احساس بہت نمایاں ہے انہوں نے اپنی شاعری کو مظلوم لوگوں کے نام منسوب کیا ان سخن گویوں کے کارواں میں ناصر کاظمی، منیر نیازی، شکیب جلالی، وزیر آغا، ابن انشاء، کشور ناہید، پروین شاکر، مظفر حنفی، جون ایلیا، جوش اور ندیم قاسمی کے نام مزاحمتی شاعری کے اعتبار سے خصوصیت کے حامل ہیں شومئی قسمت سیاست کی چنگیزیت نے انہیں بربریت کا نشانہ بنایا اور جس نے زبان کھولنے کی جرات کی اسے جیل کی راہ دکھائی بقول آغا ناصر:

> "جب بھی کوئی زبان کھولنا چاہتا ہے یا اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اس کو قید و بند جیسی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں جیسے فیض نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ الغرض ہمیں فیض کی آواز دنیا کے ہر اس گوشے، ہر اس نگر سے سنائی دے گی جہاں جہاں انسانوں کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال ہوتا رہا ہو گا یہی وہ وجوہات ہیں جن کے باعث فیض کو اپنی شاعری میں مزاحمتی انداز اختیار کرنا پڑا"[۵۴]

لاکھوں انسانوں کے قتل سے ان ممالک میں نہ کوئی انقلاب آیا نہ انسانیت کا بھلا ہوا آج تک دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان پہ ان لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون قرض ہے جو بغیر گناہ موت کے گھاٹ اتارے گئے مزاحمتی سخن وروں نے اپنے کلام میں ایسے خون آشام مناظر پیش کیے کہ جن کی چیخ و پکار سے آج بھی تاریخ شرمسار ہے اور قاری آبدیدہ ان کی نظروں نے مارشل لاء کے قیامتی دن بھی دیکھے جس کے جبر نے انسانیت کے چہرے کو داغ دار کیا اور یہ بات باور کرائی کہ جب بھی کبھی اس سماجی حیوان میں حیوانیت جاگ اٹھتی ہے تو بلا جھجک یہ کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو جاتا ہے اور اپنی ہوس رانیوں کی خاطر انسانیت کا چہرہ مکروہ کر ڈالتا ہے اس جبری فضا میں فیض یہ کہتے ہوئے نظر آئے:

ہم نے مانا جنگ کڑی ہے　　　سر پھوٹیں گے خون بہے گا
خون میں ہم بھی بہہ جائیں گے　　　ہم نہ رہیں، غم بھی نہ رہے گا[۵۵]

پاکستانی مزاحمتی شاعری کے پیچھے پاکستان کی سیاسی فضا اور عالمی استعماری کوششیں ہیں اس کربناک جبری صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لیے عوامی درد رکھنے والے شاعر اپنے ہم وطنوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ یہ مغائرت ہمیشہ کے لیے باقی نہیں رہے گی انشاءاللہ ایک نہ ایک دن حق کا سورج طلوع ہو گا۔

ہ۔ اردو مرثیہ کے مزاحمتی عناصر

i۔انکار بیعت فاسق:

عالمی ادب عالیہ کی طرح اردو مرثیہ کی ابتدا سے اب تک مزاحمت کئی صورتوں میں اپنے وجودِ کا احساس دلاتی رہی ہے یعنی ہر دور کے اردو مرثیہ نگار نے اپنے عہد اپنی ذات اور سماج کے تقاضوں کے عین مطابق مزاحمتی رویہ اپنائے رکھا ہے انہوں نے مرثیوں میں معرکہ کربلا کو اپنے عہد میں ضم کرتے ہوئے مزاحمت کے کئی دریچے وا کیے ہیں۔کائنات جب عدم سے وجود میں آئی اور انسان کی تخلیق ہوئی تب سے حق اور باطل میں تصادم ہوتا آرہا ہے کبھی حق غالب رہا کبھی باطل اپنی عارضی کامیابی پر مسرور ہوتا رہا۔آغاز انسانیت میں ہابیل اور قابیل مد مقابل ہوئے ابراہیم کے مقابلے میں شر کا حاکم نمرود آیا تو جناب موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون جیسے آمر نے سر اٹھایا حق و باطل کی تاریخی روداد ہمیں بتلا رہی ہے ہمارے ختمی مرتبت حضور اکرمؐ کے مقابلے میں کفار مکہ آئے اور حضرت علی علیہ السلام سے نبرد آزمائی کے لیے عرب کے نامور پہلوان پیش پیش رہے چونکہ یزید اپنے اقتدار کے لیے امام حسین علیہ السلام کو خطرہ سمجھتا تھا اس کی جانب سے آپ کو خطوط لکھے گئے کہ اہل کوفہ آپؑ کی بیعت کے منتظر ہیں اس یزیدی سازش کی مزمت اردو مرثیہ نگاروں نے اپنے مرثیوں میں مختلف انداز میں کی ہے قنبر عظیم آبادی نے اس سازش کو مرثیے کے اس بند میں اس طرح پیش کیا ہے:

رخصت ہوئے مدینہ سے شہ با دل حزیں
مکہ میں آئے کوفے کی سب عرضیاں پڑھیں
بیعت کے وعدے تھے کہیں، تاکید تھی کہیں
آئے سفیر بھی کئی پیش امام دیں(۵۶)

اردو مرثیہ نگاری میں کربلا کے پیغام کا آفاقی عنصر نمایاں ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے ظلم کے خلاف بولنا بڑا مشکل کام ہے اس کے لیے جرأت چاہیئے اور ساتھ ہمت بھی تب جا کر سلطان جابر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی جاسکتی ہے جب آمریت کے خلاف بولنا ہو تو پھر اپنی جان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کا کہنا ہے:

"امام حسین علیہ اسلام کا کارنامہ تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے حسین علیہ السلام کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں محض حق کی حمایت کے لیے وطن چھوڑ دیتے ہیں، اہل بیت اور ناصروں کو لے کر چلچلاتی دھوپ میں اور آگ برساتی ہوئی فضا میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کا سفر کرتے ہیں۔ کربلا میں ان کے مختصر سے قافلے کو گھیر لیا جاتا ہے۔ ۷۲ کے مقابلے میں ۳۰ ہزار کا لشکر صف آرا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ وقت کا مطالبہ ہے کہ حسین علیہ السلام میری بیعت کرو۔ حسین علیہ السلام اس پر اٹل ہیں کہ سر کٹتا ہے تو کٹ جائے لیکن دین بے دینی کی نور نار کی حق باطل کی حمایت نہیں کر سکتا یزید کا کہنا ہے کہ میں ظلم و تشدد کی ہر قوت میدان میں اتار دوں گا۔ حسین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ میں تلوار کا مقابلہ کردار سے کروں گا۔ یزید کو طنطنہ ہے کہ میرے پاس بادشاہت ہے دولت ہے حکومت ہے اقتدار ہے حسین علیہ السلام کو ناز ہے کہ میرے پاس ایمان ہے حق پرستی کا جذبہ ہے انسانیت کی امانت ہے، اخلاق کا سرمایہ ہے یزید کا کہنا ہے کہ بیعت لے کر رہوں گا حسین علیہ السلام کا فیصلہ ہے کہ جان دے دوں مگر ایمان پر آنچ نہ آنے دوں گا"۔(۵۷)

امام حسینؑ نے ایک فاسق و فاجر حکمران کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے اصولوں کی قربانی دینا قبول نہیں کیا بلکہ اپنے پورے خاندان اور اصحاب و اقرباء کو شہید ہوتے ہوئے دیکھنا منظور کر لیا امام حسینؑ خوں ریزی نہیں چاہتے تھے آپؑ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا گئے۔ ابن سعد نے آپؑ کو جسطرح تیغ ستم کا نشانہ بنایا اس اعتبار سے قنبر عظیم آبادی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

بولا یہ ابن سعد جفا پیشہ و لعیں
منبر نہیں رسولؐ کا مقتل کی ہے زمیں
عاجز کا عجز صبر کا ہمسفر ہوا نہیں
لطف دغا یہ ہے کہ کھنچے تیغ آتشیں
جینے کی آرزو ہے تو کیسے اماں ملے
بیعت کریں یزید کی طبل و نشاں ملے(۵۸)

ظلم کے خلاف جنگ طول تاریخ سے چلتی آرہی ہے یہ سلسلہ نہ رکا ہے اور نہ رکے گا تاریخ شاہد ہے کہ اگر امام حسینؑ چاہتے تو عباسؑ، علی اکبر اور اپنے اصحاب کو اذن دے کر یزیدی قلعہ کو مسمار کرا دیتے لیکن حسینؑ بخوبی جانتے تھے کہ یزید کو قتل کرنے سے باطل کا کارخانہ بند نہیں ہو گا بلکہ قوم کے اندر اس جذبے کو ابھارا جائے کہ باطل پرست خود باطل سے نفرت کریں جمیل مظہری بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

آپ نے ظلم کی بنیاد ہلا دی حضرت　　روح میں شورش احساس جگا دی حضرت
آپ نے فتح کے چہرے میں بھرا رنگ شکست　　عظمت انساں کی فرشتوں کو دکھا دی حضرت

تیر بچے کو لگا عزم میں لغزش نہ ہوئی
ہاتھ پر ذبح ہوا ہاتھ کو جنبش نہ ہوئی (۵۹)

ابن زہرا نے مذہب کے خول سے نکل کر انسانیت کے لیے سوچا اور وقت کے ظالم یزید لعین کو چیلنج کیا جو اپنے باپ کی چال بازیوں کی بدولت تخت حکومت سنبھالتے ہی بے پناہ ظلم کرنے لگا اس کے دور حکومت میں برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جمیل مظہری نے اس واقعہ کے پس منظر کو اپنے مرثیوں میں مزاحمتی انداز میں بیان کیا ہے اس ضمن میں محمد رضا کاظمی کا کہنا ہے:

"تجزیہ کی مسلسل تہہ داری اور مسلسل نزاکتیں وہ ذریعہ بنی ہیں جس سے جمیل مظہری نے انسانی غم کو کائناتی المیہ سے مربوط کیا ہے اور اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو ذاتی غم کا خلوص ضائع ہوا ہے اور نہ آفاقی غم کی جلالت میں کمی آئی ہے" (۶۰)

بڑے تجربے سے بڑا شعر کہنا کمال نہیں کمال تو یہ ہے کہ تجربہ چھوٹا ہو لیکن شعر بڑا ہو جمیل مظہری بفضل آئمۃ المعصومین یہ ہنر رکھتے تھے اور جب ان کے مرثیوں کی بات کی جائے تو انہوں نے الفاظ کو حق کے خمیر میں گوندھ کر مزاحمتی مرثیے تحریر کیے ہیں اس حوالے سے ان کے مرثیے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اک سیاست علویہ کہ جو تھی حق کی پکار　　اک حکومت امویہ جو شریعت کا فشار
ترجماں اس کے حسینؑ اس کا یزید مکار　　حق و باطل میں تو جاری ہے ازل سے پیکار

سن چکے حال تم اللہ کے دیوانوں کا
کربلا کیا ہے تتمہ انہی افسانوں کا (۶۱)

اسلام امن چاہتا ہے اور امن کا پرچار کرتا ہے لیکن یزید نے جو راہ اختیار کی وہ اسلام کی تعلیمات کے منافی تھی اس کا مشن تھا کہ امام حسینؑ کو اپنے تابع بنا کر جبر کی حکومت قائم کی جائے جمیل مظہری نے یزید کے منافقانہ رویے کا اپنے کلام مراثی میں اس طرح پرچار کیا ہے:

قول فیصل تھا کہ بیعت سے تخلّف ہے گناہ رخنہ انداز جماعت حسینؑ ذی جاہ
حق کا اعلان بغاوت تھا، عیاذا با اللہ کا ہلی دامن تاویل میں لیتی تھی پناہ
حامل سنت پیغمبر ذی شاں کیا تھے
چلتی پھرتی ہوئی قبریں تھیں مسلماں کیا تھے (۶۲)

اسلام ظلم کا ساتھ دینے والے کی سخت مذمت کرتا ہے یہاں تک کہ ظالم کی طرف مائل ہونے اور معمولی جھکاؤ سے بھی آیات قرآنی منع کرتی ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار اسی طرح امام علیؑ نے اپنے دونوں فرزندوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ناالظالم خصماً والمظلوم عوناً میرے بیٹو! تم دونوں ظالم کے خلاف اور مظلوم کے حمایتی بن کر رہنا، حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ سلطان جابر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا بھی عبادت ہے۔ یزید کو نہ اسلامی اصولوں کا پاس تھا نہ عالمی انسانی حقوق کا، شراب نوشی عام تھی باطل کو فروغ مل رہا تھا بالا آخر اس حاکم وقت کی اتنی جرأت بڑھ گئی کہ اپنی بات منوانے اور طاقت بڑھانے کے لیے سرکار حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کرنے لگا امام حسینؑ پوری قوت کے ساتھ باطل سے ٹکرانے کے لیے آمادہ ہو گئے بقول خورشید بلیاری:

سر خم نہ کیجیے کبھی باطل کے سامنے یہ درس مل رہا ہے حسینؑ شہید سے
ہر اک طرف سے آئی جو انکار کی صدا بیعت کے طوطے اڑ گئے دست یزید سے (۶۳)

وحید الحسن ہاشمی عصری، سیاسی اور سماجی شعور کے مالک انسان تھے انہوں نے آمریت، مذہبی اجارہ داری اور ظاہر داریت کے خلاف مزاحمتی مرثیے لکھے ان کے مزاحمتی مراثی کلام کو ساری دنیا مانتی ہے جسے انہوں نے آفاقیت بخشی ان کی یہ کاوش مرثیے کے افق پر درخشاں ستارے کی مانند چمکتی رہے گی۔ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر کے مسلمانوں کو غفلت کی گہری نیند سے بیدار کر دیا اور یزید کو للکارا کہ اگر حق کو بچانے کی خاطر میرا گھر لٹتا ہے تو لٹ جائے عباسؑ جیسے بھائی کے شانے کٹ جائیں شبیہ رسولؐ کے سینے میں برچھی کی انی پیوست ہو جائے۔ ننھا علی اصغر شہید کر دیا جائے عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں چھن

جائیں لیکن تیری بیعت ہر گز نہ کروں گا وحیؔد الحسن ہاشمی نے یزید فاسق کے اس منفی فعل کی بھرپور انداز میں مزاحمت کی ہے:

جواب بیعت فاسق اگر نہ دیتے امام تو پھر نہ ملتا کہیں سونگھنے کو بھی اسلام
جہاں کے لوگ بھی ہو جاتے سازشوں کے غلام عوام بکتے گزر گاہ شام میں بے دام
جو اخذ کرتے نہ معنی کو جاہلوں کی طرح
کتاب حق بھی پڑھی جاتی ناولوں کی طرح (۶۴)

وحیؔد الحسن ہاشمی نے انسانیت کی خاطر انسانوں کے حق میں مزاحمتی مرثیے لکھے ان کا ایمان تھا کہ انسانیت کی جیت ہو گی اور انسانیت دشمن طاقتیں اپنے انجام کو پہنچیں گی خانوادہ رسولؐ نے انسانیت کی بقا کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا اور یزید کے ظلم و ستم کا سامنا کیا آپؑ اور آپؑ کے رفقاء نے جو ظلم سہے اس پر آنکھیں روئیں دل زخمی ہوئے یہ اتنی بڑی مصیبت ہے کہ ہر درد دل انسان امام معصوم کی مصیبتوں کو دیکھ کر آنسو بہاتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق ہوناتو یہ چاہیئے تھا کہ یزید کی فتح ہوتی اور حسینیت کا چراغ گل ہو جاتا لیکن ہوا یہ کہ غم حسینؑ کی ناتوانی نے یزید کی توانائی کا گلا گھونٹ کے رکھ دیا اور اپنی مقتولیت کی ضرب سے قاتل کو موت کے گھاٹ اتار دیا وحیدؔ الحسن ہاشمی نے اس ضمن میں کہا کہ خودداری شبیرؑ سے کوئی بیعت نہیں لے سکتا:

خودداری شبیرؑ کرے ظلم کی بیعت ایماں کا شرف ہاتھ بڑھائے سوئے بدعت
شاھین خدا مان کے زاغوں کی حکومت قرآن بڑھے چومنے دامان نجاست
بیعت نہیں تشہیر یہ ارماں کی ہوئی ہے
چیونٹی کو ہوس تخت سلیماں کی ہوئی ہے (۶۵)

اسی باعث ان کا کلام بقول ڈاکٹر محمد سعید معز الدین ”نوجوان نسل کے لیے قابل تقلید نمونہ اور مشعل راہ ہے“(۶۶) نسیمؔ امروہی بیسویں صدی میں اردو کے مقبول ترین مرثیہ نگاروں میں سے ہیں اور ان کے مراثی کلام کو نہ صرف اردو میں بلکہ عالمی ادب میں بھی پزیرائی ملی ہے امروہی نے مرثیے کی نوک پلک سنوارنے میں پوری زندگی صرف کی انہوں نے مرثیے میں امام حسین علیہ السلام کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے جنہوں نے فاسق کی بیعت کرنے سے انکار کیا نسیمؔ ان کیفیات کے بارے میں یوں گویا ہوئے:

ہاں اے حسینؑ ظلمت باطل میں حق ہے تو　　　قرآن انقلاب کا پہلا ورق ہے تو
دل کی تڑپ پہ تجھ کو جو اختیار ہے　　　تو فطرت جدید کا پرور دگار ہے
یہ اصل ہے جہان میں تیرے اصول کی
سر دے دیا نہ بیعت فاسق قبول کی(۶۷)

نجم آفندی نے حسینیؑ مشن کو آگے بڑھایا اور یزیدی ظلم کی تصویر پیش کی جس کے نقش آج بھی دھرتی پر دیکھے جا رہے ہیں انہوں نے اقتدار کے حاکموں کے جبر کی کھل کر وضاحت کی ہے خاص کر امریکہ کے جبر کی مخالفت کی ہے خانوادہ رسولؐ کی عظیم قربانی سے یہ بند ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا ہے:

وہ شاندار موت وہ بنیاد انقلاب　　　بیعت کا وہ سوال وہ دندان شکن جواب
مجبوری حیات سے کونین کو حجاب　　　نیزے پہ سر حسینؑ کا مغرب میں آفتاب
صدقے ضیائے مہر و قمر آن بان پر
تارے درود پڑھتے ہوئے آسمان پر(۶۸)

امام حسین نے ظالم و جابر کی بیعت سے انکار کیا اور سخت ترین مصائب سے گزر کر اپنے ساتھیوں اور اہل و عیال کے ہمراہ اپنی جان کی قربانی پیش کی جس سے معلوم ہوا کہ انکار بیعت آخر تک قائم رہا اس موضوع کا کینوس بہت وسیع ہے اور مرثیہ نگاروں نے اپنے اپنے حساب سے مزاحمتی رنگ بھرے ہیں پھر بھی تصویر نا مکمل ہے اگر سوال کیا جائے کہ انکار بیعت فاسق کے بارے میں مرثیے کیوں لکھے جاتے ہیں تو جواب یہی دیا جائے گا کہ دنیا بھر کے مظلومین کے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم کے تدارک کے لئے اور حق کے بول بالا کے لئے یہ اشاریہ بن گیا ہے۔

ii۔ انکار ظلم:

ظلم سے نفرت انسانی جبلت میں شامل ہے انکار کا اطلاق اس وقت کیا جاتا ہے جہاں ایک بڑے مقصد کی بر آوری کے لیے سامنے مظاہر اور تمام چیزوں کی نفی کر دی جائے جب کسی وطن میں ظلم کے بادل چھا جائیں اور کسی کو اپنے وطن میں سانس لینے تک کی فرصت نہ دی جائے اس ساری منفی صورت حال کا تدارک کرنا اس دور کے شعراء اور ناقدین کا مشن اول ہوتا ہے اردو مرثیہ گویوں کا قلم بھی اس ظلم کے سد باب کے لیے بغاوت کی شکل اختیار کیے ہوئے نظر آرہا ہے حق گوئی کی نعمت انہیں اپنے دور سے بغاوت کے تحفے میں عطا

ہوئی ہے۔ ۶۱ھ میں رونما ہونے والے حق و باطل کے معرکے میں جس طرح امام حسینؑ نے ظلم کے خلاف استغاثہ حق بلند کیا اس لحاظ سے سید ارشاد حسین اظہر لکھتے ہیں: ”حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ وہ رہتی دنیا تک ہر معرکہ جبر و ظلم میں رہبر و رہنما ہیں“(۶۹) اردو مرثیوں میں معرکہ کربلا کے حوالے سے ایسے مزاحمتی عناصر موجود ہیں جس سے اردو ادب کو اس میں اپنے کام کی لاکھوں باتیں ملتی ہیں اور وہ ان کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے محسن انسانیت ظالم سے ٹکرا کر اپنا مقام کس طرح حاصل کرتے ہیں اس حوالے سے جمیؔل مظہری کے کلام میں جذبات کے ساتھ فکر کا حسین امتزاج ملتا ہے بقول مظہری:

سوچا حضرت نے کہ غافل ہے یہ قوم بدبخت　　مدعا آپ کی تحریک کا تھا تاج نہ تخت
چونک اٹھے جس کے طمانچے سے زمانہ یک لخت　　اب ضرورت ہے کہ واقعہ ہو ایسا سخت
چونک کر اپنا جہاں آپ ہی تعمیر کرے
عملاً میرے خیالات کی تفسیر کرے (۷۰)

جمیؔل مظہری کے مرثیوں کی یہ خوبی ہے کہ ان کے کلام میں معرکہ کربلا کے حوالے سے پوری سلیقہ مندی کے ساتھ خانوادہ رسولؐ کے ہر کرب کی جزئیات بیان کی گئی ہیں آج جس طرح ظلم کے ہتھکنڈوں کے پیچھے دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں کارفرما ہیں ظلم کرنے والے لوگوں کو غلام بناتے ہیں اور ان کے بنیادی حقوق سے انہیں محروم کر دیا جاتا ہے وہ مزاحمت کا درس دیتے ہیں انہوں نے مرثیہ کو مجاہدہ قرار دے کر مزاحمت کرنی شروع کی تاکہ استحصال زدہ عوام کا اثبات ہو سکے مظہری دور یزید کے حالات کی عکاسی ان الفاظ میں کر رہے ہیں:

دور یزید میں تھا یہی کچھ عرب کا حال　　جس طرح آج قسمت انساں کو ہے زوال
مردان حق پرست کی تھی زندگی وبال　　روحوں کو کر دیا تھا غلامی نے پائمال
ایماں فروش مست طرب انجمن میں تھے
اصحاب خیر، منزل دار ورسن میں تھے(۷۱)

کوئی بھی مرثیہ نگار کچھ لکھتا ہے تو وہ اپنے وطن کے لیے لکھتا ہے خاص کر مزاحمتی مرثیہ نگار معاشرے کی زیادہ توجہ چاہتے ہیں اور کربلا کو استعارہ بناتے ہوئے مزاحمت کی طرح ڈالتے ہیں ان کے دور میں سماجی شعور بیدار ہو رہا تھا اس بارے میں ان کے مرثیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے طاہر حسین کاظمی لکھتے ہیں:

''ترقی پسند تحریک کے اس رجحان کے پیش نظر جب ہم جمیؔل کی مرثیہ نگاری پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کے مراثی میں مومنین کو رلانے کے مقابلے جگانے کا جذبہ اور تصور، جدید طرز تحریر سے ان کا لگاؤ اور انہماک کا پتہ دیتا ہے۔ قوم کو جگانے کی مہم سر کرنے میں انہوں نے فلسفیانہ فکر، سیاسی بصیرت اور تاریخی شعور سے کام لیا ہے۔ جمیؔل مظہری کے یہاں تاریخ کربلا کے اسباب و عوامل کے عمیق مشاہدے اور گہرے مطالعہ کے ثبوت ملتے ہیں۔ وہ قوم یا عوام کی زندگی کو کربلا کے کرداروں کے عوامل اور انقلابی کارناموں کی روشنی میں سنوارنا چاہتے ہیں''[۷۲]

انہوں نے اپنے دور کی منظوم تاریخ مرثیے میں اس انداز سے رقم کی جو آج بھی اہمیت رکھتی ہے مرثیے میں ان کے قلم کی تیغ تیز سے جذباتی شعلے برستے دکھائی دے رہے ہیں اس حوالے سے ان کا جذباتی انداز بیان قابل تعریف ہے:

آج وہ سوز شرر بار کہاں ہے تم میں — تپش سینہ احرار کہاں ہے تم میں
سر تسلیم تو خم ہے کہ مسلمان ہو تم — شعلہ جرات انکار کہاں ہے تم میں [۷۳]

تاریخ میں کسی عظیم واقعہ کی اتنی اہمیت نہیں جو عظمت کربلا کی آج تک ہے اور ہمیشہ رہے گی حقیقت تو یہ ہے کہ شہیدوں کے خون کی تابندگی کبھی ماند نہیں پڑتی اور وہ شہادت کہ جس کا مقصد حق و صداقت کی حفاظت تھا وہ کبھی بھلائی ہی نہیں جاسکتی حق کی آواز کو دبانا مشکل ہوتا ہے خیر و شر کی جنگ میں انسان کو نئے مطالبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جب ظلم کا در کھلتا ہے تو انسان اس کی طرف متوجہ ہو کر نئی راہوں کا تعین کرتا ہے امام حسینؑ نے ایک ظالم کے ظلم کو ماننے سے انکار کیا اس مناسبت سے آل رضؔا کے مرثیوں کی بات کی جائے تو ان کے مرثیے مظلومیت اور بے بسی کی آواز ہیں لیکن اس آواز میں ظلم کے نئے امور سے مقابلے کا حوصلہ بھی موجود ہے انہوں نے یزیدی ظلم کو یوں بے نقاب کیا ہے:

دین پر کتنے ستم اہل ستم نے ڈھائے — صلح کو اتنا ستایا کہ دغا بن جائے
اب تو سب کھل گیا پردے بھی نہ رہنے پائے — کیا کیا جائے جو یہ رنگ زمانہ لائے

بات بگڑی ہوئی ایمان تک آ پہنچی تھی
چال تکذیب کی قرآن تک آ پہنچی تھی[۷۴]

ظالم کے ظلم کو نہ روکنے والا یا اس کے ظلم کے دوران غیر جانب دار رہنے والا ظلم میں شریک ہوتا ہے کربلا بذات خود انکار ظلم کا المیہ ہے اور حیات انسانی پر اس المیہ کے اثرات سے انکار نا ممکن ہے دراصل حق پرستی کی راہوں کا سفر شہیدوں کے خون سے طے ہوتا ہے انسانیت کی تاریخ میں کوئی قربانی اتنی عظیم نہیں جتنی حسینؑ ابن علؑی کی شہادت جو کارزار کرب وبلا میں ہوئی جب جب ظلم سر اٹھائے گا تو انسان کو ہر لمحہ امام حسینؑ کے انکار کا منظر یاد آئے گا اسی پس منظر میں آل رضا کہہ گئے:

شان انکار کی کہتی تھی حکومت کیا ہے ظلم کیا چیز ہے ظالم کی حکومت کیا ہے
خدمت خلق سے بڑھ کر کوئی خدمت کیا ہے موت عزت کی ملے مرنے میں ذلت کیا ہے

آئینہ پر جو غبار آیا ہے دھو جا ئیگا
فیصلہ ظالم و مظلوم کا ہو جائیگا (۷۵)

آل رضاؔ کے مرثیے کئی مقامات پر ظلم و جبر کی طاقتوں کے حصار کو توڑتے نظر آتے ہیں جوش ملیح آبادی آل رضاؔ کی مرثیہ گوئی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ تاج فخر قدرت نے سید آل رضاؔ کے واسطے عطا کر رکھا تھا وہ اس میدان میں آئے تو حسینی کردار کو اپنے سامنے لائے اور مومنین کو یہ تعلیم دی کہ عزت کے ساتھ ایک آن جینا بے عزتی کے ساتھ ہزار برس جینے سے بمراحل بلند ہوتا ہے اور سچ پوچھیے تو میرے دوست رضا صاحب کا یہ ایک عظیم کارنامہ اور قوم پر ایک عظیم احسان ہے جس کو فراموش کیا ہی نہیں جا سکے گا مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ آج سے ایک ہزار برس کے بعد بھی جب صحیح مرثیوں کا ذکر چھڑے گا تو لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر کہیں گے، دیکھو! آل رضاؔ کا وہ مینارہ تجلی ہے جس نے ہم کو راستہ دکھلایا۔ یہ ہماری ہادی، ہمارا پیشوا اور یہ ہمارا امیر کارواں ہے" (۷۶)

مرثیہ میں ان مرثیہ نگاروں نے اپنی قوم میں صرف جوش و عمل پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انہیں ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونے کی تلقین کی ہے انہوں نے اپنے کلام میں بادشاہی حکومت کے لا محدود اختیارات اور ان کے تکبر کے خلاف مزاحمتی رویہ اختیار کیا ہے بقول مظفؔر سلطان:

ایک ظالم کا خیال فتح اہل دین پر سن امیر شام یہ کوشش تری بیکار ہے
مار کر بیعت کو ٹھوکر کہہ دیا شبیرؑ نے کل بھی تھا انکار مجھ کو آج بھی انکار ہے (۷۷)

اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کے لیے نسیمؔ امروہی بھی اپنے ہم عصر مرثیہ نگاروں کے ہمراہ کربلا کو استعارہ بناتے ہوئے اپنے ہم وطنی بھائیوں کو درس حریت دیتے نظر آتے ہیں ان کے مرثیوں میں مزاحمت کی شدت انقلاب کا دائرہ سمیٹ کر عجب رنگ جمالیتی ہے مرثیوں کی حق گوئی دیگر مزاحمت لکھنے والوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ محمد رضا کاظمی کا کہنا ہے:

''جناب نسیمؔ کی شاعری انقلابی مضامین اور حکیمانہ افکار سے عبارت ہے مگر انہوں نے مرثیہ نگاری کے ایک بنیادی عنصر کی طرف توجہ دلائی ہے اور جدید مرثیہ کے سیلاب کو ایک واضح روح دینے میں کامیاب ہوئے ہیں''[۷۸]

انہوں نے اپنے کلام میں وطن میں چھائی ہوئی ظلم کی فضا پر خاموشی طاری نہیں کی بلکہ انہیں شہادت کی راہ دکھائی تاکہ کچھ لوگ ایسے منتخب کیے جائیں جو امام حسینؑ کی طرح ظلم کا خاتمہ کریں تاکہ آنے والی نسلیں اجتماعی عدالت کی فضا میں زندگی گزار سکیں اس اعتبار سے مرثیے کے یہ اشعار قابل غور ہیں:

ہم ہیں عرفان و حقیقت کے پرستاروں میں　　کلمہ ہم نے پڑھا تیغوں کی جھنکاروں میں
سر جھکایا نہ کبھی ظلم کے بازاروں میں　　انتہا یہ کہ چنے بھی گئے دیواروں میں

سبز یہ باغ ہوا، ذوق نمو سے اپنے
ہم نے اسلام کو سینچا ہے لہو سے اپنے[۷۹]

وحیدؔ الحسن ہاشمی کے مرثیے نے ملک کے برے حالات سے فرد کو لڑنے کا حوصلہ دیا انہوں نے اپنے مراثی کلام میں یزیدی شہنشاہیت اور ملوکیت کے خلاف آواز بلند کی ہے اپنے وطن کی صورتحال کو انہوں نے تازہ کربلا سے تعبیر کیا ہے ہاشمی نے معرکہ کربلا کو پیش کرتے ہوئے مقصدیت کی تکمیل پر زور دیا ہے ہاشمی اپنے نظام کو یزیدی حکومت سے جوڑتے ہیں۔ انہوں نے ظلم کا خاکہ پیش کرتے ہوئے باطل قوت سے ٹکرانے کے منظر کو اس طرح پیش کیا ہے:

خلاف شر جو ہوا کل وہ آج بھی ہو گا
جہاں ہے ظلم وہیں احتجاج بھی ہو گا[۸۰]

یزید باطل کا نمائندہ بن کر آیا اور کھلم کھلا انسانی حقوق کو پامال کیا اس کے دور حکومت میں اسلامی زندگی محفوظ نہ تھی ہر مرثیہ نگار نے اس کے منفی کردار کو اپنے مرثیوں میں پیش کیا ہے لیکن ہاشمی نے اس کے ظلم کرنے کے انداز کو اپنے مرثیوں میں بخوبی برتا ہے وحیدالحسن نے اس ظلم کو مدلل تفصیل سے پیش کیا ہے:

مگر ستم تو یہ ہے ظلم بھی ہے ایک عمل　　اسی شجر میں تو لگتے ہیں جورو جبر کے پھل
اسی سے بنتے ہیں نمرودیت کے تاج محل　　اسی کو کہتے ہیں فرعونیت کا دست اجل

عرب کے دشت میں یہ رہن تخت و تاج ہوا
پلک جھپکتے ہی سفانیت مزاج ہوا (۸۱)

اہل بیت اطہار نے راہ حق میں اپنا سب کچھ لٹا دیا مگر باطل قوت کو ماننے سے انکار کیا خانوادہ رسولؐ نے اپنے پورے خاندان کو شہید ہوتے دیکھا لیکن کسی موقع پر کمزور نہیں ہوئے بھلا کون اتنا صبر ایسی قربانی کا جذبہ رکھ سکتا ہے اسی بابت ہاشمی ان الفاظ میں گویا ہوئے ہیں:

امام نے یہ کیے احتجاج کے ساماں　　پسر کا سینہ ہو زخم حیات کا درماں
سنبھالے بازوئے عباس حق کا بار گراں　　گلوئے اصغر ناداں ہو فتح دیں کا نشاں

بچائے زینبؑ مضطر حرم کو الجھن سے
ستم کی آگ سکینہ بجھائے دامن سے (۸۲)

حق کے مقاصد کے لیے آپؑ کی ثابت قدمی اس راہ پر چلنے والوں کو حوصلہ دلاتی ہے۔ جب کسی قوم کی ہمت پست ہو گی تو یہ انکار انسان کے لیے ایسی لاجواب مثال بن گیا جو ہر قدم پہ راہ دکھاتا رہے گا اور بکھری ہوئی قوم کو امید اور حوصلہ اسی انکار سے حاصل ہو گا جہاں کہیں وفا کا ذکر آئے گا تو حضرت عباسؑ کا شمر کے آگے انکار بے مثل یاد آئے گا۔ ان کے مرثیے اکثر اشعار ہر دور اور ہر سطح اور ہر فرد کے لیے ایک سی حیثیت رکھتے ہیں وہ ہر جگہ مظلوم اور حق شناس کا ساتھ دیتے ہیں انہوں نے باطل کے مقابلے میں حق کی راہ میں شہید ہونے والوں کی جرات مندانہ کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے:

زندہ رہا وہ دین کی عظمت کے واسطے　　لڑتا رہا نجف کی حفاظت کے واسطے
تیار ہو گیا وہ شہادت کے واسطے　　لیکن جھکا نہ ظلم کی بیعت کے واسطے

سب کو غم حسینؑ کا ادراک دے گیا
صدام کو یزید کی پوشاک دے گیا (۸۳)

کربلا کا سانحہ ایک درد کا دریا ہے جو مسلسل بہتا رہتا ہے جس کے آب غم کی روانی کہیں تھمتی نہیں رثائی ادب کا سرمایہ اردو مزاحمتی مرثیوں سے بھرا ہوا ہے ان مرثیہ نگاروں نے انکار ظلم کی مثال زمانے کو یوں دی ہے کہ ظلم جب حد سے آگے گزر جائے اور ظالم لڑنے پر آمادہ ہوں اور حق پرستی کو کچلا جا رہا ہو انسانیت کی تذلیل کی جا رہی ہو تو حق کی راہ پہ چلتے ہوئے حالات کا سامنا کرنا چاہئے کیونکہ تمام دنیا نے دیکھا کہ باوجود حکومت، دولت کی کثرت کے یزید کسی کے دل پر قبضہ نہ کر سکا لیکن رہبر انسانیت حسینؑ نے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود سوتے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور دلوں کو فتح کر لیا زمانہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ حق کا علم بلند کرنے والے وقت کے یزید کے آگے جھکا نہیں کرتے۔

iii۔ انکار آمریت:

جب معاشرے کا منظر سیاہ ہو اور خوف کی تاریکی سارے ماحول پر چھا جائے حقوق جہاں سلب ہو رہے ہوں حکمرانوں کی خدائی مضبوط ہو اور سوچ کے مطابق جینے کی آزادی نہ ملے تو اس پر خطر فضا میں مرثیہ نگار چراغ جلانے کی بات کرتے ہیں اور تلف شدہ حقوق اور پامالی کے خلاف احتجاج کرتے ہیں چونکہ مرثیہ احتجاج کی ایک شکل ہے اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ ملوکیت کے خلاف احتجاج
۲۔ جبر و تعدی کے خلاف احتجاج
۳۔ نابرابری کے خلاف احتجاج

معرکہ حق و باطل میں شکست و فتح سے بے نیاز ہو کر لڑنے والے مجاہد شجاع ہوتے ہیں وہ کٹ تو سکتے ہیں لیکن صراط حق سے ہٹتے نہیں جو انسانیت کو اس کا حقیقی شرف عطاء کرتے ہیں گویا امام عالی مقام حسین علیہ السلام نے یزیدی آمریت کو ماننے سے انکار کیا اور باطل کے ہاتھ پر حق نے بیعت نہ کی بقول مولانا ابو الکلام آزاد:

> ”تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا اور ظالم کا صاحب شوکت، عظمت ہونا اس کے لیے کوئی الہیٰ سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت کر لی جائے“ (۸۴)

مرثیہ نگاروں نے اسی کو اپنا موضوع بنایا تاکہ کربلا کے پیچھے موجود عظیم مقصد کو اجاگر کیا جاسکے اور سامراجیت سے نجات حاصل کی جائے ایک آمر کے سامنے امام حسینؑ کس طرح سینہ سپر ہو کر بند باندھتے ہیں اس عنوان سے نسیمؔ امروہی نے یہ بند کہا ہے:

اٹھے غریب نہر سے ٹھہری سپاہ شام   جلتی زمیں پہ شاہ کے برپا ہوئے خیام
لائے شقی جو بیعت فاسق کا پھر پیغام   بولے شکوہ و شہ انام شوکت حق سے

امید جور فاطمہؑ کے نور عین سے
یہ تو کبھی ہوا ہے نہ ہو گا حسینؑ سے(۸۵)

آپؑ نے انسانیت کی بقا کے لیے ایک دن میں بہتر گلے کٹوائے لیکن باطل کے سامنے سر نہ جھکایا یہ واقعہ محض فرد واحد کا واقعہ نہیں بلکہ بہتر نفوس پر مشتمل ایک ایسی یک جہتی کا نقطعہ عروج ہے جس میں زندگی سے زیادہ قیمتی چیز آزادی رائے ہے۔ یزید کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے امام حسینؑ سے بیعت طلب کی اور انکار کی صورت میں ان کے پورے خاندان اور اصحاب کو قتل کروادیا ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے بقول:

> ”حق کا راستہ زندگی کا اعلیٰ ترین راستہ ہے خواہ اس میں کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ ہوں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایمان والے راہ حق کے مجاہد موت سے ہیں ڈرتے ان کے لیے تو موت ہی اصل زندگی ہے۔ یہی راہ شہادت کی ہے کہ شہید حق کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ مرثیہ میں پیش کردہ زندگی کی سطح بھی اعلیٰ ترین ہے اور اس کی موت بھی اشرف ترین ہے“(۸۶)

اردو مزاحمتی مرثیے کی بات کی جائے تو مزاحمتی مرثیہ گویوں میں ایک نام مرزا محمد ہادی رسواؔ کا بھی ہے جنھوں نے یزیدی جتھے کی مزاحمت کی اور اس کا جبروتی رویہ اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ یزید نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور ناجائز حربے اختیار کر کے رہبر انسانیت کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو رسواؔ نے ان کے خلاف بھرپور مزاحمتی شعر کہے ہیں:

ابھی کیا کیا نہ دکھائے گی مجھے یہ تقدیر   ظلم کوئی نہ اٹھا رکھے گی یہ قوم شریر
جس کو دو دن سے ملا ہے نہ تو پانی نہ تو شیر   شامی برسائیں گے اس پھول سے معصوم پہ تیر

حلق چھدتے ہی بدل جائے گا نقشہ اس کا
بھائی اس گود میں ڈھل جائے گا منکا اس کا(۸۷)

نجم آفندی نے اپنے دور کے کرب کو کربلا کی روشنی میں پیش کیا ہے ان کا دور ان کے لیے کسی کوفے سے کم نہیں ہے اپنے وطن میں ہر طرف ظلم کے علم لہراتے دیکھ کر انہیں وطن کا دکھ کربلا کے استعاروں کی طرف لے جاتا ہے انہیں وطن کے کرب نے کربلا کے صحرا میں پہنچا دیا ہے کہیں وہ کوفے کے آثار دیکھتے ہیں کہیں انہیں نینوا نظر آتی ہے نجم آپنی قوم کے دکھوں سے پوری طرح باخبر ہیں انہوں نے ایک طویل مرثیے میں ان سارے حالات کے پیش نظر درج ذیل اشعار کہے:

یہ جنگ انتظام شریعت کی جنگ تھی
باطل کی قوتوں سے حقیقت کی جنگ تھی
سرمایہ دار وصاحب محنت کی جنگ تھی
یہ حکمت بشر سے مشیت کی جنگ تھی
یہ جنگ آخری تھی ہدایت کی راہ میں
مہدی کا انتظار ہے اب رزم نگاہ میں (۸۸)

کارل مارکس کا انقلابی نظریہ پاک وہند میں تیزی سے پھیل رہا تھا ایسے وقت میں ان مرثیہ نگاروں نے ملوکیت اور شہنشاہیت کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا اور کربلا کو علامت کے طور پر استعمال کر کے ظلم وزیادتی اور قید فرنگ کے خلاف آواز بلند کی وقت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ کربلا کے پیچھے موجود عظیم قربانی کو عیاں کیا جائے اور سامراجیت سے نجات حاصل کی جاسکے۔ پروفیسر سید محمد عقیل کا کہنا ہے:

> ''اردو ادب کا سماجی ماحول نئ فکر و آگہی کے ساتھ عقلیت اور استدلال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ 'معراج فکر' میں نجم آفندی نے اس بات کی شعوری کوشش کی ہے بجائے غم انگیز بیانات پر زور دینے کے انھوں نے فلسفہ غم کی خیال انگیزی اور تاثیریت کو اپنے مرثیہ میں اہم سمجھا ہے جو نہ صرف ایک مخصوص حلقے کے ذہن ہی کو متاثر نہ کرے بلکہ عالم انسانیت کو متوجہ کر سکے اور حسینی پیغام ایک عظمت اور جلالت کا تصور پیدا کرے جو بظاہر شکست ہے مگر تعمیری صورتوں کے استحکام کے مضمرات کو واضح کر رہا ہے''(۸۹)

ہر طرف بڑھتی ترقی کے ساتھ مرثیے نے بھی اپنا رخ بدلا اور شعیت کی بجائے عالم انسانیت کے زمرے میں داخل ہونے لگا امام حسینؑ صرف کربلا کے کردار نہیں بلکہ پوری انسانیت اور پوری قوم کے لیے

حق کی آواز بلند کرنے کی علامت بن گئے ہر دور میں ان کی ضرورت کو محسوس کیا جانے لگا آغا سکندر مہدی نے مرثیے میں یزیدی شاہی طرز حکومت کے خلاف آواز بلند کی:

ہر سمت تھی چھائی ہوئی باطل کی سیاست بے دینوں کے ہاتھوں میں تھا آئینِ شریعت
یوں مسخ ہوا جاتا تھا پیغام نبوت اس وقت اسلام کو حضرت کی ضرورت
سا مان سفر شاہ زمن باندھ کے نکلے
مرنے کے لیے سر سے کفن باندھ کے نکلے(۹۰)

امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے بعد یزیدی فوج کا رویہ ظلم کی انتہا اور بے رحمی کے باوجود اہل حرم نے نہ تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا اور نہ ظالموں سے رحم کی اپیل مانگی بلکہ جو بھی حالات تبدیل ہوتے رہے بنت خاتون جنت نے طاغوتی طاقتوں کے انا کے بت کو اپنے خطبوں کے ذریعے توڑ کر ظالم کے چہرے سے نقاب اتارا انھوں نے بے سر و سامانی کے باوجود مثالی کردار ادا کیا آغا سکندر مہدی نے ان تمام حالات اور واقعات کو چیدہ چیدہ اس طرح پیش کیا ہے:

سر کو جھکائے خیموں سے نکلے حرم تمام ظلم وستم سے اعدا کے جھلسی ہوئی شام
باطل کو زعم تھا کہ لیا حق سے انتقام اور وقت دے رہا تھا زمانے کو یہ پیغام
حق کا وقار رکھ لیا بنت رسولؐ نے
باطل کا سر کچل دیا آل رسول نے(۹۱)

سکندر مہدی انا پرستی اور درندگی کے خلاف علم اٹھاتے نظر آتے ہیں انھوں نے سامراجی نظام اور ان کی ظالمانہ کارروائیوں کو اپنے کلام میں مختلف سطحوں پر پیش کیا ہے شہاب دہلوی کا کہنا ہے:

"ملت اسلامیہ کے بیشتر مفکرین کہتے ہیں کہ آغا کے مرثیوں میں ایک عظیم مقصدیت ہے ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مقصدیت ان کی غیر معمولی ذہانت اور موجدانہ صلاحیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے"(۹۲)

سکندر مہدی مزاحمتی مرثیہ کے اہم ستون ہیں اور جدید مرثیہ کے روشن چراغ ہیں اپنے وطن کے حالات قلمبند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں عالمی سیاست پر بھی مزاحمت نظر آتی ہے مہدی مرثیے

کے اس بند میں اپنے دور کے بد ترین حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے کربلا کی طرف بڑی خوبصورتی سے مڑ جاتے ہیں انہوں نے دور شمریت اور آج کے حالات کا تجزیہ کچھ اس طرح کیا ہے:

آپے میں اپنے وقت کا شمر لعیں نہیں آنکھیں ہیں شعلہ بار چڑھائے ہے آستیں
قبضے میں اقتدار کا ہے نیزہ حصیں ہے جس کی زد پر شہر شرافت کا ہر مکیں
جس نے بھی اس کے حکم سے انکار کر دیا
گھر بار اس کا لوٹ کے مسمار کر دیا (۹۳)

وحید آختر اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں حالات حاضرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو نظر آتا ہے کہ حق و باطل ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مخالف رہے ہیں اور ہر دور میں اہل حق ظالموں کے ہاتھوں پستے رہے ہیں وہ مسلمانوں کے اندر ترقی کی آرزو جگانا چاہتے ہیں انہوں نے جدید فکر کو مراثی کلام میں بخوبی برتنے کی کوشش کی ہے۔ وحید آختر جانتے ہیں کہ اصل قوت ایمان کی قوت ہے جو مسلمانوں کے اندر ختم ہوتی جارہی ہے وہ جدید لب و لہجے میں ظلم سے ٹکرانے کی باتیں کرتے ہیں اور حوصلہ حسینؑ ابن علی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کی شہادت باطل کے آگے گھٹنے نہ ٹیکنے کی وجہ سے فتح کی علامت بن کر انسانیت کو درس دیتی ہے۔ آج کے حالات کی عکاسی ان کے مرثیہ میں صاف نظر آتی ہے:

لازم ہے کہ اس دور کے فرعونوں سے ٹکرائیں
واجب ہے کہ نمرودوں کے دوزخ سے گزر جائیں
مل جائے جو شدّادوں کی جنت بھی تو ٹھکرائیں
تخریب کو تعمیر کے آداب بھی سکھلائیں
ہر رنگ میں موجود یزیدان زماں ہیں
دنیا متلاشی ہے شبیرؑ کہاں ہے (۹۴)

وحید آختر نے اپنی تخلیقی صلاحیت کا بھرپور استعمال مرثیوں میں کر کے دوسرے مرثیہ نگاروں سے خود کو منفرد کر دیا ہے مجموعی طور پر ان کے مراثی عہد جدید میں ایک نئی اور بالکل منفرد آواز ہیں خود لکھتے ہیں:

”خدا جانے کس طرح ہمارے معاشرے میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ سکوت عقل و خیر ہے اور نطق وجہ فساد۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی ایک نمایاں صفت کلام ہے اور اس کے سارے پیامبر نطق خدا ہی کے امین تھے۔ دراصل ہر ظالم سیاست و معاشرت

انسانوں کو خاموش رہنے کی تعلیم دیتا ہے کہ اس میں اس کی عافیت ہے ۔زبان کھولنا تنقید اور بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ نطق نور ہے، فکر ہے، آزادی ہے، جرأت ہے، فن ہے، تہذیب ہے،اس کے بر خلاف سکوت تیر گی ہے، سیاہی ہے، بزدلی و مصلحت ہے، ظلم ہے، ہوس ہے، غلامی ہے، قتل فن و تہذیب ہے۔اسی لیئے سارتر نے فرانس پر نازی جرمنی کے قبضے کو ''سکوت کی سلطنت'' کا نام دیا تھا''(۹۵)

دوسرے مرثیہ نگاروں کی طرح انہوں نے بھی اردو مرثیے کی شمع کی لو کو تیز کرنے کے لیے اپنا خون جگر صرف کیا ہے وحیدؔ جہاں جہاں مغرب کی سازش دیکھتے ہیں تو اپنے کلام میں ان پر تبصرہ کرنے اور ان ہتھیاروں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں:

صدیوں کا سفر کر کے بھی ظلم آج وہیں ہے　　پستی میں اسیر آج بھی نفرت و کیں ہے
جو موت کا تاجر ہے،تباہی سے قریں ہے　　پر اسلحہ مرگ سے بیزار زمیں ہے
ہتھیاروں کے گودام ہیں ناسور زمیں کا
آوازہ حق آج بھی ہے نور زمیں کا (۹۶)

اس انکار نے عالم انسانیت کو ذہنی و علمی ترقی کا اثاثہ فراہم کیا اسی کی بدولت جذبہ آزادی کو فروغ حاصل ہوا درا صل یہ انکار تاریخ انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے اس سے فکر و نظر کے جاوے روشن ہوئے انکار آمریت انسانیت کا روشن سنگ میل ہے جس نے تمام آزادی کی تحریکوں اور عدل و مساوات کے نظریات کے لیے راستے کھولے یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر قوم کے فرد کے بلکہ مختلف عقائد کے قومی رہنماؤں کے تاثرات واضح بیان ہوئے ہیں۔امام حسینؑ کا ایک آمر کی حاکمیت کو نہ ماننا ایک ایسی مثال بنا جس کا چرچا ہمیشہ ہوتا رہے گا اس ضمن میں گاندھی نے کہا:

''امام حسینؑ نے اپنی اولاد نیز پورے خاندان کے لیے پیاس اور موت کی تکالیف کو قبول کر لیا مگر ارباب حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا میرا عقیدہ ہے کہ اسلام کی ترقی اس کے ماننے والوں کی تلوار کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ اس کے فقراء کی قربانیوں کی بدولت ہوئی''(۹۷)

حسینؑ ابن علیؑ کے سارے رفقاء انکار آمریت کی علامت ہیں بی بی زینبؑ عالیہ آمر کے دربار میں خطبہ حق دیتے ہوئے اس کے نافذ باطلی دستور کو ماننے سے انکار کرتی دکھائی دیتی ہیں جوان علی اکبر باطل کی ہر

طاقت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے لیکن آمر کی بیعت کو قبول نہ کیا سید سجاد مظلومیت کے علمبر دار نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے بھی یزید کے آمرانہ اصول کو ماننے سے انکار کیا پس اس معرکہ حق و باطل کو اپنے مرثیوں کی زینت بناتے ہوئے اردو زبان کے مرثیہ نگاروں نے اپنے قارئین کو جبر و تشدد کے سامنے سینہ سپر ہونے کا پیغام دیا ہے انہوں نے ظلم کے خلاف مراثی میں صدائے احتجاج کو بلند کیا ہے اور اپنی قوم کو امید دلائی کہ اگر آج ظلم کی چکی میں پس رہے ہو تو ایک دن آئے گا انشاءاللہ آمریت کا خاتمہ ہو گا اور حق کا سورج طلوعِ ہو کے رہے گا۔

iv۔ شیطانی قوت کو آگے نہ بڑھنے دینا:

جبر کے دور میں شیطانی قوت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا جان جوکھوں کا کام ہے عالمی استعمار کے خلاف جہاں اردو زبان کے دیگر ناقدین، ادیب اور شعراء نے آواز اٹھائی وہاں اردو مرثیہ نگار خون دل میں انگلیاں ڈبو کر پرورش لوح و قلم میں مصروف عمل رہے ہیں انہوں نے استحصالی قوتوں اور طبقاتی نظام کے خلاف مزاحمتی مرثیے کہے ان کا ایمان تھا کہ انسانیت کی جیت ہو گی اور انسانیت دشمن طاقتیں اپنے انجام کو پہنچیں گی لہذا مرثیہ کے اِرتقاء کے لئے مرثیے کا ہر دوسرا قدم مزاحمتی مرثیہ ہے جو اپنے سے پہلے کے رویوں رجحانات اور تحریکوں کے خلاف مخالفت اور مزاحمت کا پیش خیمہ ہے۔ مزاحمتی مرثیہ حق کے لیے آواز بلند کرتے رہنے سے عبارت ہے جب تک حق اور اہل حق رہیں گے ظلم اور بربریت کے خلاف آواز بلند ہوتی رہے گی مرثیہ گویوں نے معرکہ کربلا کو موضوع سخن بنایا اور خانوادہ رسولؐ کے استغاثہ نصرت کو خوب خوب نظم کیا ہے وحیدؔ الحسن ہاشمی نے مزاحمتی مرثیہ تحریر کرنے کو اپنا اخلاقی فرض سمجھا اور اس فریضے کو خوب نبھا گئے انہوں نے اپنے کلام میں الفاظ کو نئے معانی کے لباس پہنائے اور انہیں اس طرح منظم کیا کہ الفاظ پرانے ہوتے ہوئے بھی نئے لگتے ہیں عراق کی سرزمین پر اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والا سانحہ بھلایا نہیں جا سکتا حسینؑ ابن علی نے قصد کیا کہ حریت بشر کے نفاذ کے لیے یزیدی ارادوں کو خاک میں ملایا جائے اور شیطانی قوت کا قلع قمع کیا جائے ان عزائم کے ساتھ آپؑ نے مدینہ چھوڑا وحیدؔ الحسن ہاشمی کے مراثی کے اس بند میں یہ منظر ملاحظہ ہو:

آ گیا وقت کہ شبیرؑ مدینے سے چلے مہر نے ظلمت شب کے لیے کچھ چاند چنے
بہر نصرت بنی ہاشم کے جوان ساتھ لیے ایک کمسن بھی ہے جو ظلم کا قد ناپ سکے

سایہ کرنے کے لیے چادر تطہیر بھی ہے
تیغ خطبہ لئے شبیرؑ کی ہمشیر بھی ہے(۹۸)

وحیدؔ الحسن اپنے دور کے جبر سے علیحدہ نہیں ہو سکے انہوں نے حسینیؑ عزم کے حوالے سے اپنی قوم کو دعوت انقلاب دی ہے اور آئمہ اطہار کی مثالیں دے کر حرکت و عمل کا پیغام دیا ہے وہ اپنے دور کے سارے مسائل اور ان کے حل کو اپنے مرثیوں میں پیش کرتے ہیں تا کہ ظلم کا خاتمہ ہو ڈاکٹر ضیاء الحسن کا کہنا ہے:

> ''وحیدؔ الحسن ہاشمی نے منطقی انداز میں حسینیت اور یزیدیت کے فرق کو خدا پرستی و خود پرستی، حق و باطل اور عرفان ذات و اسیری ذات کے تضاد سے واضح کیا ہے۔ ان کی منطق فکری اور انداز شاعرانہ ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی تطہیر کرتی ہے اور اس قلب میں سوز و گداز آگہی سے عرفان کی ایک نئی روشنی پیدا کرتی ہے۔ ہاشمی صاحب کی ریاضت فن ایک طویل دور پر پھیلی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ مرثیہ گو شعراء میں ان کا شمار نمائندہ ترین شعراء میں ہوتا ہے''(۹۹)

آغا سکندر مہدی بھی حق کے نظریے پر ڈٹے رہے ان کے مرثیوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے مرثیے میں غلامی سے نفرت، جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ موجود ہے۔ شیطانی مکر کو امام عالی مقام نے ہمیشہ کے لیے رسوا کیا:

بے شک حسینؑ ہی سے ہے پیغام مصطفیٰ جو کربلا میں باعث فتح مبیں ہوا
روشن ہے جس سے نور ہدایت کا سلسلہ حق کر رہا ہے فتنہ باطل کا سامنا

آوازہ گونجتا ہے پیام حسینؑ کا
سکہّ رواں ہے آج بھی نام حسینؑ کا(۱۰۰)

انہوں نے مرثیہ کو اپنی فکر اور نئی روح سے آشنا کیا اور پیغام حسینؑ سے اپنی قوم کو جگایا سکندؔر مہدی انقلابی ذہن کے مالک تھے اس اعتبار سے اپنے دور کے آمر کے خلاف سینہ سپر ہو کے مزاحمتی مرثیے کہے آغا نے اپنی قوم کو یہ ترغیب دلائی کہ خانوادہ رسولؐ نے کس طرح حق کی نمائندگی کی:

جبکہ اسلام کی تذلیل ہوئی بر سر عام اور ہونے لگا پامال شریعت کا نظام
مسخ ہونے لگے عالم میں اصول اسلام فسق نے کر دیا پیغام نبیؐ کو بد نام
دیکھ کے رنگ سیاست کو حسینؑ ابن علیؑ
اٹھ پڑے حق کی حفاظت کو حسینؑ ابن علیؑ(۱۰۱)

حسینیؑ پیغام کو پھیلانے میں مرثیہ گویوں کا بہت بڑا حصہ ہے حسینؑ ابن علی نے انسانیت کی لاج رکھی اس اعتبار سے مرثیہ نگاروں نے آپؑ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے ہر قوم اور ہر ملک میں ظالم اور مظلوم کی جنگ جاری ہے اس ضمن میں ساحر لکھنوی نے کہا:

ظلم کے طوفان میں عزم بشر کی ناؤ تھی
کربلا کردار سے کردار کا ٹکراؤ تھی (۱۰۲)

انہوں نے مرثیے میں دور حاضر کی صورت حال کو بیان کیا ہے اور یزیدیت کی آڑ میں چھپی مغربی بلاؤں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے عالمی دنیا میں ورلڈ آرڈر کا نظریہ دیا۔ساحرؔ لکھنوی نے افغانستان، صومالیہ، ہرزیگوینا، بوسنیا، افریقہ اور فلسطین میں برپا کربلا کی اپنے کلام میں مزمت کی ہے اور وہاں کے مظلوم عوام کو حریت کی تحریک ان الفاظ میں دی ہے:

اب آدمی کو ظلم کسی کا نہیں قبول
چکی میں جور وجبر کی پسنا نہیں قبول
بندوں کی بندگی کا تقاضا نہیں قبول
جابر کے آگے سر کو جھکانا نہیں قبول
سارے جہاں میں اب یہ صدائے عام ہے
ظالم سے احتجاج نہ کرنا حرام ہے (۱۰۳)

ساحرؔ لکھنوی بیسویں صدی کے مرثیہ نگار ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں اس جدید دور کے کرب کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ انسان آج کے پر ہجوم دور میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے جہاں کوئی بھی اس کا ساتھ دینے والا نہیں ہوتا تو لا محالہ اس کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ تخیلاتی دنیا کا مسافر بن جاتا ہے تا کہ زندگی کی جنگ جاری رکھ سکے اس اعتبار سے ساحرؔ لکھنوی کے کلام کے بارے میں پروفیسر ریاض صدیق کا کہنا ہے:

"پچھلے سال ان کا ایک مرثیہ "علم اور علماء" کتابی صورت میں شائع ہوا تھا اور اب دوسرے مرثیوں کا مجموعہ سامنے ہے جس میں ایک کا عنوان کربلا اور عصر جدید کی رہبری ہے۔ عنوان بجائے خود بول رہا ہے کہ شاعر کا موضوع کیا ہے"(۱۰۴)

ساحرؔ کے ہاں انقلاب برپا کرنے کا طریقہ کار وہ راستہ ہے جو اہل بیت اطہار نے اختیار کیا حسینؑ جانتے تھے کہ ان کی جدوجہد کا راستہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی چونکہ طاقت سے تعطل تو پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن اسے ختم نہیں کیا جا سکتا ساحرؔ لکھنوی کے مرثیے استعاروں سے معمور ہیں یہ استعارے تخلیقی تجربے کے کمال پر نظر آتے ہیں اس حوالے سے مرثیے کا یہ بند ملاحظہ کیجئیے:

ہے اثر ان کی رگوں میں فاطمہؑ کے شیر کا
کوئی جابر سر جھکا سکتا نہیں شبیرؑ کا
روک کے چھاتی سے اپنے ظلم کے طوفان کو
جو بچالایا لہو میں ڈوبتے قرآن کو(۱۰۵)

انسانیت کی تاریخ میں حق کی بالادستی کے لیے امام حسینؑ کی بے مثال قربانی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شیطانی طاقت کے مکروہ عزائم کا قلع قمع کرنے کے لیے کسی قسم کے مصائب کا سامنا کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے اس حوالے سے امام عالی مقام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر لطیف الزمان خان لکھتے ہیں:

"میں انتہائی احترام سے عرض کروں گا کہ حسینؑ دنیا میں پائے جانے والے ہر مسلمان کے ہیرو ہیں خواہ وہ قطب شمالی میں رہتا ہو یا چین اور روس میں، میں تو یہ کہوں گا کہ دنیا کا ہر انسان اس کا تعلق کسی مذہب و مسلک سے ہو وہ کافر ہے، خدا کے وجود سے بھی انکار کرتا ہو لیکن اگر وہ راہ حق کی تلاش میں ہے تو حسینؑ اس کے بھی ہیرو ہیں"(۱۰۶)

امام حسینؑ کا کفار اور فوج یزید کے مقابلے میں کھڑا ہونا اور غلط کاموں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا انقلاب کی علامت بن گیا ادبی سفر کا آغاز کرنے والے طیب کاظمی نے اپنے مراثی کے ذریعہ جبر کے خلاف انقلاب کی اہمیت کو تاریخی تلمیحات کے سہارے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے مسلمانوں کے اندر حرارت پیدا کرنے اور اصلاحی مقاصد کو اجاگر کرنے میں طیّب کاظمی کے مرثیوں کا بڑا رول رہا ہے ان کے ہاں احساس کی شدت اور اصلاحی رجحان نمایاں ہے ان کے مرثیے انقلابی شاعری میں شمار کیے جاتے ہیں انہوں نے

مرثیوں کے ذریعے موجودہ نظام جو رجعت پسندی کی طرف جارہا تھا اس کو ہدف بنایا عالمی سطح پر کھیلے جارہے سیاسی کھیل ان کی نگاہوں میں روشن تھے:

یہ سوچ کر حسینؑ نے قصد سفر کیا
قاتل چھپا سکے نہ مرا خون بے بہا
پردے میں رہنے پائے نہ چہرہ نفاق کا
مظلومیت سے ظلم کا کر کے مقابلہ
لاشوں سے اپنی دشت ستم پاٹ جاؤنگا
ہر دور کے یزید کا سر کاٹ جاؤنگا(۱۰۷)

امام حسینؑ اور ان کے رفقاء نے ظلم کے خلاف اور حق کی خاطر قربانی دی یہی مقصد جدید مرثیہ کا بنیادی تھیم ہے یہی وجہ ہے کہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر ان مرثیہ نگاروں نے مرثیے لکھے اور اپنے دور کی برائیوں کو ختم کرنے اور عوام میں اپنے حقوق کی بحالی کے لئیے تقریباً ہر مرثیہ نگار نے زور دیا ہے طیّب کاظمی نے ملک کے سنجیدہ موضوعات پر مزاحمتی مرثیے کہے ہیں:

لاکھ دشمن ہیں زیادہ پہ ہمیں خوف نہیں
شیر روباہیوں کی کثرت سے بھی ڈرتے ہیں کہیں
چاہیں تو پاٹ دیں لاشوں سے ابھی رن کی زمیں
تم نہیں اپنا ہدف ہے پسر سعد لعیں
طے کئے ہیں شجر ظلم کی جڑ کاٹیں گے
نیمچے بانی بیداد کا خوں چاٹیں گے(۱۰۸)

دنیا کی آئے دن عالمی سیاسی جبر سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے مگر اس پر رد عمل کا اظہار ادباء، ناقدین، شعراء اور مرثیہ نگاورں کی تخلیقات میں سامنے آتا ہے اس ضمن میں جدید مرثیہ گو عشرؔت رضوی نے اپنے مراثی میں کربلا کے بنیادی فلسفے کو مرکز خیال بنایا ان کے سیاسی مرثیوں نے ادب میں انقلاب کی فضا تیار کی انہوں نے اپنے ہم عصر اور نئی نسل کے مرثیہ گو کو خاص طور پر متاثر کیا جس کے سبب انہوں نے قدیم مرثیہ کی روایات کو چھوڑ کر نئے موضوعات کو طرز سخن بنایا امام عالی مقام نے انسانیت کو دوام بخشنے کے لیے سارا گھر لٹایا اور جام شہادت نوش کیا اس ضمن میں عشرؔت رضوی کا یہ بند ملاحظہ کیجیے:

یزید و شاہ میں لفظوں کی جنگ چلنے لگی
بڑھے حسینؑ تو انسانیت سنبھلنے لگی
ستم کے سینے کو بڑھ کر قضا کچلنے لگی
جو تھی مخالف حق وہ ہوا بدلنے لگی
کہا یزید نے ہم ہیں اٹل ارادے پر
حسینؑ بولے کہ ہم ہیں عمل کے جاوے پر (۱۰۹)

انہوں نے زیادہ زور استحصالی قوتوں کو بے نقاب کرنے پر دیا جو لوگوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہیں اور جو حق کی آواز بلند کرے اسے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیتے ہیں ان کے مرثیے عہد حاضر کے جبر کی عکاسی کرتے ہیں علی احمد فاطمی نے ان کی رثائی خدمات کو سراہا ہے اور عشرتؔ کی تخلیقی کاوشوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عشرت رضوی کا مرثیہ آج کے انسانی اور سماجی مسئلوں سے راست طور پر رشتہ رکھتے ہیں اور وہ بھی سادگی اور دردمندانہ انداز میں، یہ جدید مرثیہ کیا ہے اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کس طرح ہوئی یہ مسئلہ غور طلب ہے اور تحقیق طلب بھی، سماج بدل گیا اقدار بدل گئے استحصال کے طریقے بدل گئے، ظلم کی شکلیں بدل گئیں تو مرثیہ کی بھی شکلیں بدل گئیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ عشرتؔ رضوی کے مرثیوں میں واقعہ قدیم ہے لیکن مسئلہ جدید، ایک اچھے با مقصد شاعر کی یہی خوبی بھی ہوتی ہے کہ وہ قدیم سے قدیم موضوع اور صنف کو نئے تناظر میں پیش کرے تو اس سے دونوں کو یعنی صنف اور شاعر کو فیض پہونچتا ہے۔ عشرتؔ رضوی جدید مرثیہ نگاروں کی ایک معنی خیز اور فکر انگیز کڑی ہیں جنھوں نے مرثیہ کے خدو خال، ماضی و حال کے امتزاج کو فکرانہ اور اخلاقانہ انداز میں شیر و شکر کر دیا ہے رسولؐ اور آل رسولؐ کے ایک خادم اور مرثیے کے ایک قاری کی حیثیت سے میں عشرتؔ رضوی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں" (۱۱۰)

مغربی طاقت نے دوسری قوموں کو حقارت سے دیکھا اور انہیں محکوم بنانے اور غلامی کی زنجیر میں جکڑے رہنے کا عقد کیا انہوں نے مرثیے میں ظالم کے سامنے سر خم کرنے کے بجائے سینہ سپر ہونے کو ترجیح

دی ہے آج بھی ترقی کا راز امام حق کو ماننے اور حق کے طریقے کو اپنانے میں ہے اس کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

مغربی طاقت کی ہر کوشش کو بڑھ کر روک لو
سر اٹھانے کی اگر سوچے تو سانسیں چھین لو
سر فروشی کی تمنا ہے تو پھر آگے بڑھو
ہے حرارت خون میں تو برف بن کر کیوں رہیں (۱۱۱)

جان سب کو عزیز ہوتی ہے لیکن جب کوئی آمر انسانیت کے حق کو چھیننا چاہئے اس وقت اپنی جان کی بازی لگانا بہت معمولی بات بن جاتی ہے امام عالی مقام حسینؑ ابن علی نے جس طرح شیطانی قوت کے مکروہ عزائم کو کچلا اس کے پیش نظر اردو مرثیہ نگاروں نے مرثیوں کو وسیلہ بنایا انہوں نے اپنے دور آمریت کی سخت مزمت کی ہے۔ ان سخن وروں نے حق کی خاطر آواز اٹھانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ان کی قوت شامہ نے منفی طاقت کو للکارا اور بربریت کے حیوانی ریکارڈ کو توڑا ہے اپنے دور میں ہونے والے مظالم کے خلاف مرثیہ گویوں کا قلمی جہاد جاری ہے۔

v۔ معاشرتی بربریت کے خلاف آواز اٹھانا:

وقت کے ارباب اقتدار کے بے جا اقدامات اور رعایا پر ظلم کی یلغار عصری شعور رکھنے والے مرثیہ نگاروں کو بہت مایوس کرتی ہے جب یہ اپنے معاشرے میں بنیادی حقوق کی پامالی دیکھتے ہیں تو چپ سادھ لینے کی بجائے مزاحمت کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں معاشرتی بربریت کی کئی شکلیں ہیں:

۱۔ مذہبی کٹر پسندی
۲۔ اقدار کی بے قدری
۳۔ قتل وغارت
۴۔ فرد اور معاشرے کے درمیان رشتوں کی عدم اعتمادی

ان سخن وروں نے اپنے دور کے جبر کو دیکھتے ہوئے ایسے مزاحمتی مرثیے کہے جن سے اس دور کے ظلم کی شکم خوری کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے انہوں نے ادب اور شاعری کو برائے فن نہیں لیا بلکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے بہترین وسیلہ اظہار شاعری کی صنف مرثیہ کو بنایا انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدے کی بناء پر

فکری و مزاحمتی مرثیے کہے گو کہ عملی میدان میں اہل ظلم سے ٹکر لیتے رہے اور نہ گھبرائے بقول عبدالرؤف ملک:

''مزاحمتی ادب و شعر کی تخلیق ان ملکوں کے ادیبوں اور شاعروں کا خاصہ رہا ہے جو غیر ملکی استعماریت کا شکار رہے کیونکہ مغربی ممالک کو اس صورت حال کا سامنا نہ تھا اس لیے وہاں کے ادب میں ہمیں ظلم و جبر اور استبداد کی وہ منظر کشی نہیں ملتی جیسی افریقہ و ایشیا کے ملکوں کے ادب و شعر میں عام طور پر نظر آتی ہے''(۱۱۲)

اپنے دور میں انسانیت کی تذلیل ان کو خون کے آنسو رلاتی ہے کہ وہ انسان جو بلندیوں کا شناور تھا آج بے بس ولاچار نظر آرہا ہے چنانچہ انسان کو نئے جوش اور ولولے کے جام پلانے کی ضرورت ہے تاکہ ان میں مقابلہ کرنے کی سکت اور حوصلہ آجائے ان سخن وروں نے اپنے مرثیوں میں خانوادہ رسولؐ کی بے مثال قربانی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جنھوں نے انسانیت کی بقا کے لیے لاکھ مصائب برداشت کیے لیکن یزید کے ظالمانہ نظام کے خلاف آواز بلند کی۔ قیصرؔ بارہوی کی استعمار کے خلاف جدوجہد کی شاعری کو سمجھنے میں ان کی تخلیقات سے بہت مدد مل سکتی ہے ان کا موقف ہے کہ دنیا میں مفاد پرستی عام ہو گئی ہے اسی بات کو قیصرؔ بارہوی ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں:

اہل انصاف سے اب تک ہے قلم کی فریاد　　لاش غیرت پہ اٹھائی گئی دیوار فساد
نور و ظلمت کی طرح دین و سیاست میں تضاد　　کیوں چھپائی گئی معصوم لہو کی فریاد
لوگ قانون ادب توڑ گئے زر کے لیے
روح قرآں سے نظر پھیر لی ساغر کے لیے(۱۱۳)

قیصرؔ بارہوی ایک آفاقی ذہنیت کے حامل مرثیہ نگار ہیں ان کی نظریں صرف پاکستان کی آمریت تک نہیں رہی بلکہ ان کی تیز نگاہیں پورے عالم کی آمریت کو دیکھ رہی تھیں انہوں نے استعماریت کا کھل کر مقابلہ کیا اور اپنی بساط بھر مزاحمت جاری رکھی اسی خاطر قیصرؔ نے کلاسیکی استعاروں کا سہارا لیا لیکن ان میں گھسے پٹے معنی نہیں بلکہ عصری اور سماجی حالات و کیفیات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے:

اہل ہوس نے نور کو ظلمت سمجھ لیا   تہذیب کے لہو کو معیشت سمجھ لیا
مذہب کو داستان سیاست سمجھ لیا   یعنی حسینیتؑ کو تجارت سمجھ لیا
اکثر اسی خیال میں اہل ہنر ملے
نقد رضا ملے نہ ملے نقد زر ملے(۱۱۴)

ان کے مرثیوں میں استعمار کی مختلف جہتیں نظر آتی ہیں قیصرؔ بارہوی عالمی سامراج کی چیرہ دستیوں کو خوب خوب پہچانتے ہیں ان کا تصور استعمار محدود نہیں ہے ان کے مطابق سماج سے بین الاقوام تک ہر نوع کا استحصال، جبر اور ظلم قابل مذمت اور قابل گرفت ہے اس لیے عملی میدان میں اتر کر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اس لیے جب تک تمام افراد مل کر مقابلہ نہیں کریں گے کوئی کار آمد انقلاب نہیں آسکتا اسی وجہ سے مرثیے کے اس بند میں اپنی فکر کو پیش کیا ہے:

آنکھو ں دیکھے رخ حا لات سے اتنا تو ہوا   شدت ظلم و ستم دیکھنے والوں نے کہا
پیر و شمر و یزید آج بھی کرتے ہیں جفا   بے گناہوں کا لہو آج بھی دیتا ہے صدا
روح احساس فقط درد کا گلدستہ ہے
آدمی وہ ہے جو مظلوم سے وابستہ ہے(۱۱۵)

قیصرؔ بارہوی اردو کے بڑے اور معتبر مرثیہ نگار ہیں ان کے کلام میں استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف مزاحمتی رویہ ملتا ہے اپنے مراثی میں انہوں نے ظلم وجبر کی حکومت قائم کرنے والے لیڈروں پر کڑی تنقید کی ہے۔سید نقاش ہاشمی کا کہنا ہے:

> ''قیصرؔ بارہوی کے تمام مرثیوں کو پڑھ جایئے۔ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصرؔ صاحب ''ادب برائے مقصدیت'' کے قائل ہیں۔ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔یہ تحریک خیر کی تحریک ہے۔قیصرؔ صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیبر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصر حاضر میں اسے دوہرایا جائے''(۱۱۶)

عشرتؔ رضوی نے بامقصد مرثیے لکھے انہوں نے استحصالی قوتوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا ہے اس لیے وہ ہر اس راستے کے خلاف ہیں جس پر انسانیت کا خون بہایا جاتا ہو وہ عالمی حالات سے باخبر ہیں اس کے

اپنے وطن میں ظلم کی جڑیں مضبوط ہوتی جارہی ہیں حقوق کی پامالی کی جارہی ہے ان کیفیات میں اس کی حساس طبیعت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تو رضوی اور کچھ نہیں کرتا مزاحمتی مرثیہ لکھتا ہے:

جہاں ظلم کا اک یہ بھی فلسفہ ہے نیا
گلے لگائیے قاتل کو دیجئیے نہ سزا
اور اس پہ ضد کہ شہادت کا دیجیے درجہ
ستم گروں سے حمایت کی چل رہی ہے ہوا
یزید وقت کو اچھا سمجھ رہے ہیں لوگ
گناہ گار کو آقا سمجھ رہے ہیں لوگ (۱۱۷)

ایک مرثیہ گو کو جہاں دیدہ ہونا چاہیے اگر اس کی نظریں اپنے آس پاس تک محدود ہیں تو وہ بڑے وژن کے حامل مرثیہ نگار نہیں بن سکتے عصر حاضر سے آشنائی کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست سے آگاہ ہونا ضروری ہے تب ہی وہ ایک جہاں دیدہ سخن ور بن سکتا ہے رضوی بھی ان نمائندہ سخن وروں میں سے ہیں جن کی نظریں صرف اپنے وطن پر نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے استعمار کے ہاتھوں یرغمال تیسری دنیا کی نسلوں تک جا پہنچی ہیں انصاف سے دیکھا جائے تو تمام انسانیت کے اعتبار سے برابر ہیں ہر ایک کا حق ایک دوسرے پر یقیناً عائد ہوتا ہے:

گردش حالات کا مارا ہر اک انسان ہے
ہر طرف ظلم و ستم ہے ہر طرف طوفان ہے
خوف ہے، دہشت ہے بربادی کا سامان ہے
زندگی کا کس قدر بدلا ہوا عنوان ہے
روشنی افسردہ ہے اور تیرگی بشاش ہے
آدمی کا اب تصور چلتی پھرتی لاش ہے (۱۱۸)

مہدؔی نظمی اپنی منفرد آواز میں حق انسانیت ادا کرتے ہیں انہوں نے انقلابی لڑائی کی ضرورت پر زور دیا ہے ظلم کے بادل مٹانے کے لیے اپنے مرثیوں میں سلسلہ کلام حسینؑ ابن علیؑ سے جوڑتے ہوئے اپنے قارئین کو شہادت کی راہ دکھائی ہے معرکہ حق و باطل کے پس منظر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

نور نگاہ بنت پیمبرؐ حسینؑ ہے　　　چشم و چراغ فاتح خیبر حسینؑ ہے
آرام جان شافع محشر حسینؑ ہے　　　سلطان دو جہاں کا مقدر حسینؑ ہے
سر دے کے رن میں ظلم کی دنیا اجاڑ دی
جس نے امیر شام کی صورت بگاڑ دی (۱۱۹)

جس طرح الفاظ پیدا ہوتے ہیں جوان ہوتے ہیں پھر فرسودہ ہو کے مر جاتے ہیں ان الفاظ میں نئی روح پھونکنے کے لیے ان الفاظ کو استعارہ بنا کر اپنے عصر کی ترجمانی کے لیے استعمال میں لائے جائیں تو یہ الفاظ نئ توانائی کے ساتھ اپنا وجود ظاہر کرتے ہیں اسی طرح مہدؔی نظمی نے مرثیے میں نئے استعارات کے ساتھ نئے لفظیات کو لا کر اردو زبان کی صنف مرثیہ کو تقویت پہنچائی ہے اس ضمن میں ڈاکٹر ناشر نقوی لکھتے ہیں:

> ”مہدؔی نظمی محض ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ علم وادب کے اس بڑے کتب خانے کا نام ہے جس میں مختلف علوم وفنون کی دو سو سولہ کتابیں اپنے حسن کے ساتھ اس ترتیب سے رکھی گئی ہیں جو مذہب، ادب اور سماج تک پرواز فکر کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتی ہیں۔ دماغ یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ایک شخص کے فانوس ذہن وخیال میں علوم وفنون اور حکمت و دانش کی اتنی شمعیں فروزاں ہوئیں اور ہر شمع کا رنگ کیونکر مختلف ہوا“(۱۲۰)

مہدؔی نظمی کے مرثیوں میں عصری شعور بھی ملتا ہے پوری دنیا میں حریت کی پاسداری کے لیے امام عالی مقام کی جرات واستقامت کو انہوں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بیک وقت ماضی کی بات کرتے ہیں تو حال سے بے خبر نہیں رہتے تاریخیت کا شعور رکھتے ہوئے انہوں نے زمان ومکان کی بحثوں کو بھی اپنے کلام مراثی میں جگہ دی ہے وہ اپنے دور کے عوام کے ترجمان ہیں بہت ہی استحکام کے ساتھ ماضی میں رونما ہونے والا معرکہ کربلا کے بارے میں یوں گویا ہوئے:

رد کر چکا بیعت کو بن حیؔدر صفدر　　　ٹھکرا چکا شاہی کا بھرم سبط پیمبؐر
مردان و ولید ستم ایجاد جفا گر　　　خنجر کو تہہ آستیں بیٹھے ہیں چھپا کر
حالات کی صورت پہ نظر رکھتے ہیں مولا
دشمن کے ارادوں کی خبر رکھتے ہیں مولا(۱۲۱)

مہدی نظمی نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے مراثی میں مسلم امت کا قبلہ درست کرنے کی بات کی ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یزیدی جبر نے پوری انسانیت کے چہرے کو داغ دار کیا اور یہ بات بھی باور کرائی کہ وہ اپنی ہوس رانیوں کی خاطر انسانیت کا قتل کر ڈالتا ہے اس کی شاہی سیاست نے خاندان نبوتؐ کو بربریت کا نشانہ بنایا اور ایسے خون آشام مناظر پیش کیے جن کی پکار سے آج بھی تاریخ شر مساز ہے لیکن اس کی سفاکی و درندگی کے ظلم سہتے ہوئے اہل بیت نے حق کا آفاقی پیغام پہنچایا اور پیچھے نہ ہٹے ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مہدی نظمی ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

حق کو باطل کے تشدد سے بچانے کے لیے　　خیر اور شر کو الگ کر کے دکھانے کے لیے
شوکت دین پیمبر کو بڑھانے کے لیے　　کیا ہے اسلام زمانے کو بتانے کے لیے

عزآزار و گرفتار مصیبت ہونے
دشت میں آئی ہوں میں رخصت ہونے(۱۲۲)

مرثیہ ہر دور میں نیا پن کا متقاضی رہا ہے ہر نیا تجربہ ایک نئی تخلیق کا پیش خیمہ بنتی ہے پیامؔ اعظمی کا شمار اردو کے نمایاں مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے اعظمی تاریخ کو نظم کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے کربلا کی طرف رخ کرتے ہیں تاریخ انسانیت کے آئینے میں کارزار کرب کے صحرا میں جس طرح اہل بیت اطہار نے یزیدی بربریت کے ارادوں کو کچلا اور حق خود ارادیت اور آزادی انسانیت کے لیے ہر ستم کو سہا لیکن آمریت کا حصار توڑ دیا:

تیغ و تبر نے راستہ روکا فوجوں کی یلغار ہوئی
لعل و گہر نے دام لگائے سکوّں کی جھنکار ہوئی
لمبی قباؤں والے اٹھے فتوؤں کی بھرمار ہوئی
دیدہ عبرت تو ہی بتا یہ جیت ہوئی یا ہار ہوئی
سجدے میں سر کاٹ لیا تھا لیکن سجدہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے(۱۲۳)

دنیا میں جب کوئی نیا نظام فکر پروان چڑھنے لگتا ہے چاہیے وہ نظریے کی طاقت پر ہو یا طاقت کے نظریے کی بنیاد پر تو اس کی قدریں تغیر کی متقاضی ہو جاتی ہیں جس سے نہ صرف موجودہ نظام کے عقائد متاثر

ہو جاتے ہیں بلکہ غور وفکر کے زاویے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن کچھ ایسے افراد بھی روئے زمین پر آئے جنہوں نے اپنی روایت کی پاسداری کو اپنا ایمان سمجھا دراصل باطل اور حق کی کشمکش اور حق کے لیے قربان ہونے کا جذبہ ہی انسانیت کی عظیم ترین مثال ہے حسینؑ ابن علیؑ نے امر بالعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کی تعمیل ظلم کے خلاف جہاد بالسیف کیا ان کا ذکر انسانی تاریخ کے سینے میں آج بھی جاری ہے بقول سروجنی نائیڈ:

''شاید ہی کوئی واقعہ اتنا الم ناک اور دل دوز ہو جتنا کہ کربلا کا سانحہ ہے آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی یہ لاکھوں انسانوں کو خون کے آنسو رلانے کی صلاحیت رکھتا ہے تیرہ سو سال بعد بھی اس مقدس شہادت کی عظمت وشوکت ظلم اور باطل کے خلاف کش مکش کی اعلیٰ ترین نشانی ہے''(۱۲۴)

پیاؔم اعظمی نے کربلائی مرثیہ کے روایتی اجزائے ترکیبی کی پابندی کی ساتھ ہی جمہوریت اور بادشاہت کے درمیان موجودہ فرق کی وضاحت بھی کی اور زمانے کی بدحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے حاکم وقت کو للکارا انہوں نے فاشزم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور واقعہ کربلا کو بنیادی نقطہ بنا کر کسب فیض لیا:

پیاسوں کے انکار کا منظر مقتل میں تھا کتنا بڑا
لاکھوں فتنے اٹھے لیکن پھر سر بیعت اٹھ نہ سکا
اب بھی کسی کے دل میں تمنا بیعت کی اٹھتی ہے ذرا
کہتا ہے عباسؑ کا پرچم فکر یزیدی ہوش میں آ
جس نے تجھے مارا تھا طمانچہ دیکھ وہ پنجہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے(۱۲۵)

فیضؔ احمد فیض کی تخلیقات میں مرثیہ 'امام' شامل ہے جس میں انھوں نے استحصال زدہ لوگوں کی حمایت اور آمریت کی مزمت کی ہے فیضؔ اپنے کلام میں ان تمام ایوانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں جو انسانی زندگی میں اپنے کالے کرتوتوں کی وجہ سے ظلم کی صورتحال کو جنم دیتے ہیں اور مستقبل کے رگ وپے کے لیے خون کی نسوں کو جام کر دیتے ہیں جس سے انسانیت کے لیے امن کی زندگی کا فقدان رہتا ہے فیضؔ نے اپنی پوری فکر کا دائرہ محکوم انسانیت کی حمایت کی طرف پھیر دیا ہے جو صدیوں سے مغربی استحصالی نظام کے زیر

اثر مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں انہوں نے ظلم کے نظام پر لعنت کی ہے اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بات کی ہے:

تا حشر زمانہ تمھیں مکار کہے گا
تم عہد شکن ہو تمہیں غدار کہے گا
جو صاحب دل ہے ہمیں ابرار کہے گا
جو بندہ حر ہے ہمیں احرار کہے گا
نام اونچا زمانے میں ہر انداز رہے گا
نیزے پہ بھی سر اپنا سر فراز رہے گا(۱۲۶)

فیضؔ کو اپنے اہداف پر یقین تھا وہ اصول سے ہٹنے والے نہیں تھے یہی وجہ ہے وہ امید دلاتے رہے اور ظالموں کے خاتمہ کی پیش گوئی بھی کرتے رہے فیضؔ نے بین الاقوامی لینن امن انعام کی تقریب میں تقریر کے دوران کہا تھا:

"انسانیت کی ابتدا سے اب تک ہر عہد اور ہر دور میں متضاد عوامل اور قوتیں بر سر عمل اور بر سر پیکار رہی ہیں یہ قوتیں ہیں تخریب و تعمیر، ترقی وزوال، روشنی و تیرگی، انصاف دوستی اور انصاف دشمنی کی قوتیں۔ یہی صورت آج بھی ہے ایک طرف وہ سماجی قوتیں ہیں جن کے مفاد، جن کے اجارے جبر اور حسد کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے اور جنہیں ان اجاروں کے تحفظ کے لئے پوری انسانیت کی بھینٹ بھی قبول ہے دوسری طرف وہ طاقتیں ہیں جنہیں بنکو اور کمپنیوں کی نسبت انسانوں کی جان زیادہ عزیز ہے جنھیں دوسروں پر حکم چلانے کی بجائے آپس میں ہاتھ بٹانے اور ساتھ مل کر کام کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے"(۱۲۷)

ظالم کے ظلم کی ہر سطح پر تذلیل ہونی چاہیے فیض کسی مخصوص خطہ ارض کے انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں میں یہ جذبہ دیکھنے کا متمنی ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے لڑیں فیضؔ اپنے کلام میں مظلوم کی حمایت اور ظالم سے نفرت کا مرثیہ ان الفاظ میں پڑھ رہے ہیں:

طالب ہیں اگر ہم تو فقط حق کے طلب گار
باطل کے مقابل میں صداقت کے پرستار
انصاف کے، نیکی کے، مروّت کے طرفدار
ظالم کے مخالف ہیں تو بیکس کے مددگار
جو ظلم پہ لعنت نہ کرے آپ لعیں ہے
جو جبر کا منکر نہیں وہ منکرِ دیں ہے[۱۲۸]

یہ بات اظہر و من الشمس ہے کہ معاشی جبریت کے خلاف ہر دور میں استغاثہ حق بلند کیا گیا یہی وجہ ہے کہ یہ موضوع ان مرثیہ نگاروں کے ہاں اپنے معنی سے لبریز ہے اور ان کے کلام میں اس جبر کے خلاف مزاحمت نظر آتی ہے انہوں نے مرثیوں میں کربلا کے وقت پس پردہ عوامل اور محرکات سے بھی پردہ اٹھایا ہے جس طرح یزید کے نمائندے دور حاضر میں جینے کا حق چھین رہے ہیں اور تمام بنیادی انسانی حقوق سلب کیے ہوئے ہیں اس نافذ جبر وتی نظام کی پالیسی کو ان سب مرثیہ گویوں نے رد کیا ہے اپنی بقا کے رقص کے لیے جس طرح معاشرے میں اپنے خونخوار عزائم سے استحصالی قوتیں گھناؤنے کھیل میں مصروف ہیں اس کی مزمت تمام سخن دانوں نے اپنے کلام میں کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شگفتہ حسین،ڈاکٹر،مزاحمتی ادب اور ماہنامہ ادب لطیف،مشمولہ:ادب لطیف،شمارہ نمبر ۱۲،۱۱، لاہور، ص۷۸

۲۔ محولہ بالہ،ص۷۹

۳۔ www.urduweb.com ۱۹دسمبر ۲۰۱۹ء am ۱:۴۰

۴۔ Erich Fromm ,The Sane Society,Routledge & Kegan Paul Ltd,London ,1979, p22

۵۔ Walter Kaufman, From Shakespeare to Existentialism, Anchor Books, Doubleday & Co.N.Y.,1960,p329

۶۔ R.D Laing,Tha Politics of Experience, New York, Pantheon, 1967, p28.

۷۔وارث ہندی،"قاموس مترادفات" اردو سائنس بورڈ،لاہور،۱۹۸۶ء،ص۹۸۸

۸۔ Barbara Harlow, Resistance Literature, Methuen, New York, 1987,p3

۹۔ خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر ،اردو نظم کے پچاس سال،مرتبہ ڈاکٹر نوازش علی ،راولپنڈی، ۱۹۹۷ء ص،۸۴۔ ۸۳

۱۰۔ David Daiches, Critical Approaches to Literature, Longmans, Green & Co. Ltd, London , 1969, p63

۱۱۔ حبیب جالب، مرتب، پنجاب اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص۷۔۳

۱۲۔ محمد اسلم فرخی،ڈاکٹر،مترجم،جرمن ادب پارے،ص۳۴۷۔۳۴۶

۱۳۔ Haq, The Major Acts (As Amended-ul-Muhammad Waqar date),Law Times Publications,Lahore, 1996,p 1003-to-up

۱۴۔ www ۱۸Deedbanmagazine.com دسمبر ۲۰۱۸ء، 2:55pm

۱۵۔ www.Deedbanmagazine.com ۱اکتوبر ۲۰۱۹ء، 9:22am

۱۶۔ عبدالرؤف ملک ، فیض شناسی (فیضؔ کی ہمہ جہت شخصیت کے اوجھل پہلو) پاکستان سٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۶۳

۱۷۔ روبینہ شہناز ،ڈاکٹر ، اردو تنقید میں پاکستانی تصور قومیت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۷

۱۸۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، پاکستان پنجابی ادب بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۹۸

۱۹۔ Ram Babu Saksena.A history of urdu literature, Ram Narain Lal publisher & bookseller,Allahabad,1940,p10

۲۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۵۸۔۱۵۷

۲۱۔ مطیع اللہ ناشاد، ڈاکٹر، انٹرویو، مشمولہ: گفتگو، مرتبہ، مظہر جمیل، ص ۷۷۔۲۷۶

۲۲۔ محمود الرحمٰن، ڈاکٹر، جنگ آزادی کے اردو شعراء، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۴۱

۲۳۔ حافظ محمود شیرانی، مقالات شیرانی، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۴۸ء، ص ۱۰۴

۲۴۔ عابد علی عابد، اصول انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۸۲

۲۵۔ شارب ردولوی، ڈاکٹر، افکارِ سودا، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۶۱ء، ص ۱۳۵

۲۶۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر، میر تقی میر حیات و شاعری، دہلی، ۱۹۵۴ء، ص ۳۰۲

۲۷۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، انجمن پریس، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۶۲

۲۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، میر تقی میر شخصیت، زمانہ فلسفہ زندگی، مشمولہ: ماہ نو، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۳

۲۹۔ صفدر آہ، ڈاکٹر، میر کی غزلیات کی چالیس خصوصیات، مشمولہ: نقوش، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۴۰۶

۳۰۔ معین الدین عقیل، خواجہ میر درد، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، برطانیہ، ۲۰۰۸ء، ص ۷

۳۱۔ محولہ بالہ، ص ۲۹

۳۲۔ مظفر حنفی، پروفیسر، انتخاب کلام میر حسن، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۹

۳۳۔ منشی نول کشول، کلیات انشاء خان انشاء، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۸۷۶ء، ص ۹۰

۳۴۔ عبدالباری آسی، مرتب، کلیات نظیر اکبر آبادہ، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۳۹۴

۳۵۔ ابو الیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی اور ان کا عہد، اردو اکادمی، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ۹

۳۶۔ ناسخ، دیوانِ ناسخ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۱
۳۷۔ سید مرتضیٰ فاضل لکھنوی، مرتب، کلیات آتش جلد اول، مجلس ترقی ادب اردو، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۵۴۴
۳۸۔ محمود علی خاں، مرتب، مومن کے سو شعر، یونین پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۵۵ء، ص ۲۷
۳۹۔ Muhammed sadiq, A History of urdu Literature,p168
۴۰۔ مخمور سعیدی، شیخ محمد ابراہیم ذوق، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۸، ص ۳۴
۴۱۔ عبداللہ فاروقی، ظفر کا افسانہ غم، فاروقی بکڈپو، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۵۸
۴۲۔ شیخ محمد ریاض الدین امجد، سیر دہلی، مطبع حیدری، آگرہ، ۱۹۶۱ء، ص ۴۴
۴۳۔ غالب، مکتوب بنام علاؤ الدین خاں، مشمولہ: خطوط غالب، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۴۹۔۴۸
۴۴۔ مرزا داغ دہلوی، دیوان داغ، رام نرائن لال بک سیلر، آلہ آباد، اتر پردیش، ۱۹۸۴ء، ص ۳۴
۴۵۔ اصغر مہدی، ڈاکٹر، اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۲۳۰
۴۶۔ محولہ بالہ، ص ۱۹۵
۴۷۔ آصفہ بانو، ڈاکٹر، انجمن پنجاب، تاریخ خدمات، اردو بازار، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۲۲۵
۴۸۔ الطاف حسین حالی، کلیات حالی، جدید کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۰ء، ص ۶۵
۴۹۔ سلیمان ندوی، مرتبہ، حیات شبلی، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۱
۵۰۔ آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۸
۵۱۔ آل احمد سرور، مرتب، اقبال اور مغرب، اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر، کشمیر، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۲
۵۲۔ محولہ بالہ، ص ۱۷۲
۵۳۔ احمد پراچہ، مرتب، اردو ادب کی ترقی پسند تحریک، بک کارپوریشن، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۵۴
۵۴۔ منصور احمد قریشی، ڈاکٹر، فیض احمد فیض کی مزاحمتی شاعری، مشمولہ: ارتقاء، مطبوعات، کراچی، ۲۰۱۲، ص ۲۲۳۔۲۲۴
۵۵۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نقش فریادی، مکتبہ کارواں، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۵۸
۵۶۔ شہناز بیگم، ڈاکٹر، مرتب، مراثی قنبر، علمی مجلس بہار، پٹنہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۳

۵۷۔ ذاکر حسین فاروقی،ڈاکٹر،کاروان حیات، ممبئ پریس، ممبئ،۱۹۸۷ء ص ۶۱
۵۸۔ شہناز بیگم،ڈاکٹر،مرتب،مراثی قنبر، علمی مجلس بہار،پٹنہ،۲۰۱۲ء، ص ۴۷
۵۹۔ ہلال نقوی،ڈاکٹر، جمیل مظہری کے مرثیے،فیڈرل بلیو ایریا، کراچی،۱۹۸۸ء، ص ۱۹۹
۶۰۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مکتبہ ادب، کراچی،۱۹۸۱ء، ص ۹۹
۶۱۔ ہلال نقوی،ڈاکٹر، جمیل مظہری کے مرثیے،فیڈرل بلیو ایریا، کراچی،۱۹۸۸ء، ص ۱۴۳
۶۲۔ محولہ بالہ، ص ۴۴
۶۳۔ سید وارث حسن نقوی،ڈاکٹر،مشمولہ :الواعظ،ذبح عظیم ، رضا لائبریری،رام پور،لکھنؤ ، ۲۰۰۱ء، ص ۴۸
۶۴۔ شبیہ الحسن،ڈاکٹر،العطش،اظہار سنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص ۳۰۷
۶۵۔ محولہ بالہ، ص ۳۷۹
۶۶۔ محمد سعید معزالدین،ڈاکٹر،سید وحید الحسن ہاشمی،ایک درد مند شاعر،مشمولہ : ماہنامہ شام و سحر،لاہور،۲۰۰۲ء، ص ۱۳
۶۷۔ نسیم امروہی، مراثی نسیم جلد دوم،اظہار سنز،اردو بازار،لاہور،۱۹۸۵ء، ص ۱۴۸
۶۸۔ سید تقی عابدی،ڈاکٹر،روش انقلاب،علامہ نجم آفندی کے مرثیوں کا مجموعہ،افراح کمپیوٹر سنٹر، دہلی،۲۰۰۶ء، ص ۴۵
۶۹۔ نسیم آرا نکہت،ڈاکٹر،اردو شاعری میں واقعات کربلا، نظامی پریس، لکھنؤ،۲۰۱۳ء، ص ۵۰
۷۰۔ سید طاہر حسین کاظمی،ڈاکٹر،اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، مکتبہ جامعیہ، دہلی،۱۹۹۷ء، ص ۱۳۰
۷۱۔ محولہ بالہ، ص ۱۳۰
۷۲۔ محولہ بالہ، ص ۱۶۶
۷۳۔ ہلال نقوی،ڈاکٹر، جمیل مظہری کے مرثیے،فیڈرل بلیو ایریا، کراچی،۱۹۸۸ء، ص ۲۳۷
۷۴۔ سید آل رضا، مراثی رضا،سندھ آفسیٹ پریس، کراچی،۱۹۸۵ء، ص ۱۵۷
۷۵۔ محولہ بالہ، ص ۱۵۵
۷۶۔ وحید الحسن ہاشمی،ڈاکٹر، عظمت انساں، تعلیمی پریس،لاہور،۱۹۶۷ء، ص ۲۰۱
۷۷۔ سید محمد وارث حسن نقوی،ڈاکٹر، مشمولہ:الواعظ،ذبح عظیم،رضا لائبریری، لکھنؤ،۱۹۹۵ء، ص ۲۶

۷۸۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مکتبہ ادب، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۲۳۱

۷۹۔ نسیمؔ امروہی، مراثی نسیمؔ جلد دوم، اظہار سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۹

۸۰۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۰

۸۱۔ محولہ بالا، ص ۳۹۸

۸۲۔ محولہ بالا، ص ۱۳۰

۸۳۔ محولہ بالا، ص ۴۱۵

۸۴۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، قرآن فاونڈیشن، حیدرآباد، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۸

۸۵۔ نسیمؔ امروہی، مراثی نسیمؔ جلد سوم، اظہار سنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۲

۸۶۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، کچھ اردو مرثیہ کے بارے میں، مشمولہ: ماہ نو، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۲۷

۸۷۔ سید ضمیرؔ اختر نقوی، ڈاکٹر، مصحف کربلا، مرکز علوم اسلامیہ، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۶۰

۸۸۔ نجم آفندی، معراج فکر، قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۰ء، ص ۴۵

۸۹۔ سید محمد عقیل، پروفیسر، مرثیے کی سماجیات، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۰

۹۰۔ سید عاشور کاظمی، مرثیہ نظم کی اصناف میں، جدید مرثیہ اور آغا سکندرؔ مہدی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۰

۹۱۔ محولہ بالا، ص ۳۲۰

۹۲۔ محولہ بالا، ص ۸۹

۹۳۔ محولہ بالا، ص ۲۷۲

۹۴۔ وحید اختر، ڈاکٹر، کربلا تا کربلا، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، ۱۹۹۰ء، ص ۸۹

۹۵۔ سید قمر عابدی، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد جدید اردو مرثیے کا تہذیبی و تاریخی مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵۰

۹۶۔ وحید اختر، ڈاکٹر، کربلا تا کربلا، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۴

۹۷۔ سید محمد وارث حسن نقوی، ڈاکٹر، مشمولہ: الواعظ، رضا لائبریری، رام پور، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ص ۸۹

۹۸۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۷۸

۹۹۔ سید شبیہ الحسن،ڈاکٹر،مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی،الحسن پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۰۵ء،ص ۱۰۰

۱۰۰۔ سید عاشور کاظمی،مرثیہ نظم کی اصناف میں،جدید مرثیہ اور آغا سکندر مہدی،ایجوکیشنل ہاؤس،دہلی،۱۹۹۶ء،ص ۱۵۵

۱۰۱۔ محولہ بالا،ص ۱۲۳

۱۰۲۔ سید قائم مہدی ساحر لکھنوی،آیات درد،احمد برادرس پرنٹرز،کراچی،۱۹۹۴ء،ص ۲۲۶

۱۰۳۔ محولہ بالا،ص ۲۹۹

۱۰۴۔ محولہ بالا،ص ۲۷۴

۱۰۵۔ محولہ بالا،ص ۲۴۳

۱۰۶۔ ساحر لکھنوی،مرثیے پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ،آغاز وافکار اکادمی،کراچی،۲۰۱۹ء،ص ۶۶

۱۰۷۔ طیب کاظمی،منظر منظر خون،مثال پبلی کیشنز،مراد آباد،۲۰۰۸ء،ص ۳۹

۱۰۸۔ محولا بالا،ص ۱۸۷

۱۰۹۔ عشرت رضوی،اشکوں کی زباں،مثال پبلی کیشنز،مرادآباد،۲۰۰۸ء،ص ۲۳۶

۱۱۰۔ عشرت رضوی،فرات غم،ادارہ لوح و قلم،لکھنؤ،۲۰۱۲ء،ص ۳۰۵

۱۱۱۔ محولہ بالا،ص ۹۷

۱۱۲۔ عبدالرؤف ملک،فیض ایک سازشی شاعر،مشمولہ:فیض شناسی،پاکستان اسٹڈی سنٹر،جامعہ کراچی،۲۰۱۱ء،ص ۶۴

۱۱۳۔ شبیہ الحسن،ڈاکٹر،قیصر بارہوی کے مرثیے،اظہار سنز،لاہور،۲۰۰۷ء،ص ۶۲۷

۱۱۴۔ محولا بالا،ص ۶۴۵

۱۱۵۔ محولا بالا،ص ۵۲۰

۱۱۶۔ نقاش ہاشمی،منفرد مرثیے ایک مطالعہ،ماہنامہ،شام و سحر،لاہور،۱۹۹۰ء،ص ۱۰۲

۱۱۷۔ عشرت رضوی،اشکوں کی زباں،مثال پبلیکیشنز،مرادآباد،۲۰۰۸ء،ص ۱۰۱

۱۱۸۔ محولا بالا،ص ۱۷۷

۱۱۹۔ ناشر نقوی،مرتب،مہدی نظمی کے مرثیے،میموریل سوسائٹی،دہلی،۲۰۰۳ء،ص ۱۲۶

۱۲۰۔ ناشر نقوی، ڈاکٹر، مہدی نظمی کا فن اور اصناف سخن، ایس پر نٹرز، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص۳

۱۲۱۔ ناشر نقوی، مرتب، مہدی نظمی کے مرثیے، میموریل سوسائٹی، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص۸

۱۲۲۔ محولا بالا، ص۱۵۷

۱۲۳۔ پیامؔ اعظمی، ڈاکٹر، والقلم، تنظیم المکاتب، لکھنؤ، ۱۹۹۴ء، ص۷۸

۱۲۴۔ سروجنی نائیڈ، الواعظ، تقریر یادگار حسینیؑ، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ص۸۶

۱۲۵۔ پیامؔ اعظمی، ڈاکٹر، والقلم، تنظیم المکاتب، لکھنؤ، ۱۹۹۴ء، ص۷۸

۱۲۶۔ فیضؔ احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۶ء، ص۹۰

۱۲۷۔ فیضؔ احمد فیض، دست تہ سنگ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص۶۔۷۔۸

۱۲۸۔ محولہ بالہ، ص۹۰

باب دوم:

پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: سماجی جہات تجزیاتی مطالعہ

اردو رثائی ادب کے علمبرداروں نے اپنے سماج کے تمام شعبوں میں پائی جانے والی قابل مزمت صورت حال کے خلاف سخت رد عمل ظاہر کیا یہی سبب ہے کہ اردو مرثیہ کی ابتدا ہی سے مزاحمت کے رویوں کی کار فرمائی رہی ہے اپنے زمانے میں منتخب مرثیہ نگاروں نے سماجی بندشوں کو توڑ کر کلبلاتی انسانیت کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے مزاحمتی مرثیے کہے جوش، قیصر بارہوی، نسیم امروہی، وحید الحسن ہاشمی اور ہلال نقوی نے سماج کے پیدا کردہ جبر کے خلاف نہ صرف رثائی ادب کو فروغ دیا بلکہ سماج کے انسانیت کش حالات کو جانچا اور خلق خدا کی تباہی کی ہولناک صورت حال کی مرثیوں میں مزمت کی ان کی تخلیقات کے مطالعہ سے ظلم و بربریت کی فضا کو دیکھنے کا رویہ ملتا ہے ظلم کے خلاف مزاحمت کے عناصر کی کار فرمائی مختلف رنگوں اور جداگانہ انداز میں کی گئی ہے سماجی حالات کے جبر کے تحت پاکستانی مرثیہ نگاروں نے نامساعد صورت حال کے خلاف بیزاری کا مظاہرہ کیا اور ہم وطنوں کو سماجی آزادی سے آشنا کرنے کی بھرپور کوشش کی تاکہ ظلم، ناانصافی، عدم مساوات، زوال انسانی جیسی منفی اقدار کا خاتمہ ہو سکے اس لیے ان کے مرثیوں کی گونج اپنے عصر سے ماورا ہو کر آج بھی سنائی دے رہی ہے۔

الف۔ زوال انسانیت بحوالہ مرثیہ جوش:

دنیائے ادب کا سب سے بڑا موضوع انسان ہے۔ انسان قدرت کی ایک شاہکار تخلیق ہے کائنات کی تمام رنگینی اسی کے دم سے ہے انسان جسے اشرف المخلوقات بنا کر خلق کیا گیا جس کی عظمت پر فرشتے بھی رشک کرتے تھے جسے زمین کا نائب بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن افسوس صد افسوس! کہ انسان اپنا عظیم مشن بھول گیا جس کے لیے اسے منتخب کیا گیا تھا ہاں یہ سچ ہے کہ انسان نے اتنی ترقی ضرور کی کہ ستاروں سے گھوم آیا، سورج کی کرنوں کو بھی گرفتار کیا، مصنوعی بارشیں بھی برسائیں، مہلک ہتھیار بھی ایجاد کیے، سمندروں کو بھی چھان مارا اور موسمی تبدیلیوں کا بھی ادراک حاصل ہوا اس سائنسی ترقی نے انسانوں کو حیرت کا مجسمہ بنا دیا لیکن انسان انسانیت کی عظمت بھول گیا انسان جو درد انسانیت کے نور سے منور تھا مغربی فکر کے زیر نگیں آ کر اس سے دور ہوتا چلا گیا کوپر نیکس کے بقول:

"اگر تمہارے دل میں بنی نوع انسان کا درد ہے، تمہارے جذبات کا رباب ان کے دکھ سکھ کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے، اگر ایک حساس انسان کی طرح تم زندگی کے پیغام کو سن سکتے ہو، تو تم ہر قسم کے ظلم کے مخالف ہو جاؤ گے۔ جب تم کروڑوں آدمیوں کی فاقہ کشی پر غور کرو گے۔ جب تم میدان جنگ میں لاکھوں بے گناہوں کے لاشے تڑپتے دیکھو گے، جب تمہارے بھائی بند، قیدوبند اور داررورسن کے مصائب جھیلتے ظر آئیں گے اور جب تمہاری آنکھوں کے آگے دلیری کے مقابلے میں بزدلی اور نیکی کے مقابلے میں بدی فتح یاب ہو گی تو ادیبو! اور شاعرو! اگر تم انسان ہو تو ضرور آگے آؤ گے۔ تم ہرگز خاموش نہیں رہ سکتے۔ تم مظلوموں کی طرف داری کرو گے، کیوں کہ حق وصداقت کی حمایت ہر انسان کا فرض ہے"۔(۱)

اسلامی تاریخ کے تناظر میں جؔوش نے تخلیقی مرثیوں میں خصوصاً انسانیت کے پیغام کو فروغ دیا ہے ان کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلامی کے دنوں میں جن مظالم سے عام آدمی پریشان تھا آزادی کے بعد بھی ملک کے حاکموں کا وہی سلوک اہل وطن کے ساتھ برقرار ہے اور جبر کے ہاتھوں انہیں پستی کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔

i۔ وحدت انسانی:

جؔوش ملیح آبادی کا مرثیہ " وحدت انسانی" سماج سے متعلق ہے۔ جؔوش کے سماج میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک طرف مظلوم، غریب و نادار لوگ آباد ہیں دوسری طرف ظالم وجابر قسم کے لوگ ہیں ان کا مرثیہ دونوں کے لیے ہے ان میں جؔوش کے مرثیے ظالمین کی مزاحمت کرتے ہیں اور مظلوم کے حق کا دفاع کرتے ہیں مرثیہ "وحدت انسانی" اس زوال زدہ انسان کی استعاراتی انداز میں سرگزشت ہے جو ظلم کے تھپیڑوں کی زد میں ہے جس پر چاروں طرف سے جبر کے پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ جؔوش نے کربلا کو اپنے رثائی احساس میں سمو کر جذب کر دیا ہے ان کے مراثی انسانی زوال کا نوحہ سنانے کے ساتھ ساتھ درد غم کی تصویر نظر آتے ہیں یہ اثر آفرینی معرکہ کربلا کا ہی تصدق ہے وہ انسانی عظمت کے لیے ایسی قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے قائل ہیں جو امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے پیش کی یہی بات ان کے لہجہ میں حقوق انسانیت کے مطالبے کی صورت اختیار کر لیتی ہے انہیں زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے اور انہیں مزاحمتی لہجہ اسی تاریخی حوالے کی وجہ سے ملا ہے اس کا ثبوت ان کے مرثیے میں موجود ہے مرثیے کے ان اشعار میں جؔوش

انسانی زوال کی حالت پر دل فگار ہیں کربلا کے استعارے ان کے لہجے میں بولتے دکھائی دیتے ہیں اس تاریخی حوالے کے استعارے ملاحظہ کیجئے:

ہاں جوؔش اب پکار کے اے میر کربلا
اس بیسویں صدی کی طرف بھی نظر اٹھا
ہاں دیکھ یہ خروش یہ ہلچل یہ زلزلہ
اب سینکڑوں یزید ہیں کل ایک یزید تھا
طاقت ہی حق ہے شور ہے گاؤں گاؤں میں
زنجیر پڑ رہی ہے پھر انسان کے پاؤں میں (۲)

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جوؔش نے بلند تخیلات اور قوت ارادی سے مرثیہ نگاری میں ایک نئی راہ قائم کی جس سے ایک نیا رحجان پیدا ہوا انہوں نے گرد و پیش کے حالات کا بخوبی کھلی آنکھوں جائزہ لیا جس کی وجہ سے رثائی کلام کے عنوانات میں اضافہ ہوتا چلا گیا جوؔش نفرت کی دیوار کو گرانے میں لگے رہے سماج میں برپا انسانی ظلم کے خلاف بھرپور لڑائی لڑی اور صداقت بیانی سے قوم و سماج کو نفرت سے گریز کرنے کی تلقین کی انسان کی زندگی میں پیش آنے والے روز مرہ کے واقعات اور سماجی حالات کو جوؔش نے گہرے تفکرات کے ساتھ واضح کیا ہے۔ جور و ظلم، فریب، گم راہ، خدا گواہ، جبر، نفرت، شریعت جیسی کیفیات اس بند میں شامل ہیں انسانی زوال کا ذکر اشعار کی شکل میں اس طرح پیش کیا کہ دوران مطالعہ زندگی میں وقوع پزیر ہونے والے تمام تر حالات ہماری آنکھوں کے سامنے رقص کناں نظر آتے ہیں جوؔش اردو مرثیہ کے مصلح بن کر اٹھے ان کے مراثی کا مزاج یکسر مزاحمتی اور انقلابی ہے خود ان کا مرثیہ ''وحدت انسانی'' اس بات کا بین ثبوت ہے انہوں نے اس مرثیے میں جو آواز بلند کی ہے اس میں صداقت اور حقیقت ہے ان کی آواز انسان سے مخاطب ہے اس بند میں اپنے دور کی انسانی نفرت پر طنز کرتے ہوئے ان کا مزاحمتی لہجہ کس قدر سوالیہ انداز اختیار کر گیا ہے:

انسان کے خمیر میں ہے عنصر گناہ
علت کے جور و ظلم سے معلول ہے تباہ
گم راہ، کوئی شخص نہیں ہے خدا گواہ
صید فریب جادہ ہیں گم کردگان راہ

ہر فرد جبر ہائے علل کا غلام ہے
نفرت، شریعت بشری میں حرام ہے (۳)

جوؔش کی نزدیک مرثیہ روایت میں موجود امکانات کی یافت کا عمل ہے اپنے عوام، قوم، وطن اور تمام دنیا سے ایک فکر کرنے والے کے ناطے ان کا تخلیقی رشتہ قائم ہے مرثیہ "وحدت انسانی" ان کے جذباتی سماجی احساسات کا عکس ہے وہ بیسویں صدی کی دکھتی رگ پکڑنے میں ماہر ہیں اس مرثیے میں جوؔش کے سماجی احساس فکر کی چنگاریاں سلگتی دکھائی دیتی ہیں انسانیت کی فلاح وبقا کس طرح تراشنے کی کوشش کرتے ہیں بقول جوؔش:

آفاق کا نچوڑ ہے سلمائے زندگی
تجھ کو ہر ایک روپ میں رہنا ہے آدمی
دور اپنی اصل سے کوئی ہوتا نہیں کبھی
یہ دین و نسل و رنگ کی باتیں ہیں بعد کی
تو سب سے بیشتر فقط انسان ہے نہ بھول
انسان کے بعد گبر و مسلمان ہے نہ بھول (۴)

اپنی قوم کی دگروں حالت کو جوؔش جب دیکھا کرتے تو انہیں احساس ہوتا ہے اور وہ کرداروں کا ذکر کرنے کے بجائے سماجی کیفیت کو کردار میں ڈھال دیتے ہیں جوؔش نے ظلم کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے مرثیہ کے دائرے میں بندھ کر اپنی قوم کی تفرقہ بازی کا جبری منظر نامہ پیش کیا ہے وہ اپنی قوم کی آلودگیوں کی گھٹن کا احساس کرتے ہیں جہاں تفرقہ بازی ہی تفرقہ بازی ہے ذہنی سکون کا فقدان ہے ایسے خوف کے حصار میں جہاں انسانی رشتوں کو کاٹنے کی تلواریں سب تھامے نظر آتے ہیں ان کے نزدیک انسانی زندگی کی آزادی اہم ہے لہذا وہ ملک، مذہب اور قوم کی حد بندیوں کو تسلیم نہیں کرتے ان کے کلام کے چند اشعار پیش ہیں:

قوموں کے درمیاں جو ہیں یہ بحر و کوہسار
یہ بعد ہائے تفرقہ انگیز و رشتہ خوار
یہ اختلاف لہجہ و نیرنگی و شعار
یہ رنگ و نسل و قوم و عقائد کی گیر و دار
ان سب کا سیل جوئے اخوت کو باٹ کر
اترا رہا ہے خون کے رشتوں کو کاٹ کر (۵)

انسان اپنے حالات سے فوراً متاثر ہوتا ہے انسان نے حیاتیاتی ارتقاء کا سفر حالات کو قابو پا کر ہی طے کیا ہے مرثیہ ''وحدت انسانی'' میں ایک ارتقاء کی کیفیت نظر آتی ہے انہوں نے اپنے زمانے کے سماجی حالات سے گہرا شعور حاصل کیا اور ایک سماجی شناس کی طرح سماج کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مزاحمتی مرثیے تحریر کیے انہوں نے سماج میں انسانی جنون کی جھلکیاں دیکھیں بے رحم حالات کے تھپیڑے انسان کے باطن کو کھوکھلا کر رہے اسی لیے ان کے اندر گھٹن اور بے چینی کا احساس پیدا ہو کر ایک انتشار کی شکل اختیار کر چکا اس عناد و انتشار کے سرطان کے عادی انسان کے خلاف جوش مزاحمت کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ انسان میں جو عدم استحکام کی کیفیت ہے وہ اپنے حالات سے متاثر ہو کر اپنے سماج کی بے ترتیبی اور بے چینی کا آئینہ دار ہے اس کو ذرا بھی سکون حاصل نہیں وہ اپنے فیصلے پر قائم نہیں اسے خواہشات گھیرے رہتے ہیں وحدت انسانی میں ان کا کہنا ہے:

اے دوست سعی امن سے ہو شاد و بامراد
انسان کے دماغ کا سرطان ہے عناد
روح بشر کی موت ہے خونخواری و فساد
اپنے غضب سے جنگ ہے سب سے بڑا جہاد
لاکھوں میں بے نظیر کروڑوں میں فرد ہے
اور جو مسکرائے طیش میں بے شک وہ مرد ہے (۶)

اس مرثیہ میں غور کیا جائے تو سماجی ابتر صورتحال پر طنز کے نشتر بھی ہیں اور بحیثیت انسان جوش کی تخلیقی قوت اور انسانیت کی تعمیر نو کا احساس بھی چھلکتا ہے دراصل ہمارا تعلق دنیا کے منفی رویوں اور قدروں سے بلا ارادہ جڑ گیا ہے اور اس تعلق کے نتائج بھگتنے پر ہم مجبور ہیں جو آج کے انسان کا بھی کرب ہے اور جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اس سلسلے میں علی سردار جعفری کی رائے دیکھیے:

''انسانوں کے بارے میں جب کبھی آزادی اور حقیقی آزادی کا خیال آتا ہے انتشار، نفاق اور اندھی تقلید کی قوتوں سے نبرد آزمائی ضروری ہو جاتی ہے ادب عرفان و آگہی کا وسیلہ ہے اور مختلف منطقوں کے ادب کا سرسری جائزہ جس نکتہ کی جانب ہماری توجہ مبذول کراتا ہے وہ انسان کے ہاتھوں انسانیت کے استحصال اور اس استحصال کے گلو خلاصی کی کہانی ہے ہر علاقہ کی کہانی کے کردار جدا ہیں لیکن

محرکات یکساں ہیں۔ انسانی مسائل کی یکسانیت کا احساس بذات خود ایک ضروری تجربہ ہے"(۷)

جوش نے جن موضوعات کو بھی بنیاد بنایا انہیں اکثر انتہائی سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے ان کے مراثی کلام میں ٹھہراؤ اور توازن ہے جو مقصدی شاعری کے لیے لازم ہے ان کے رثائی کلام کا مواد اور موضوعات ان کے جذبہ کی دردمندی، نگاہ کی وسعت اور اظہار کی صلاحیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں مرثیہ وحدت انسانی کے پہلے بند میں جوش نے انسانی ہمدردی کی تبلیغ کے لیے مزاحمتی طرز اختیار کی ہے:

اے دوست دل میں گرد کدورت نہ چاہیے
اچھے تو کیا بروں سے بھی نفرت نہ چاہیے
کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہئے
کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو سبزہ زار کا
پالا ہوا ہے وہ بھی نسیم بہار کا(۸)

مرثیہ گوئی کے میدان میں جوش نے نئے سلسلے قائم کیے ہیں ان کی خدمات اردو ادب کا روشن باب بن چکی ہیں ان کے باغی لہجہ میں اپنے دور کے تمام درد کا اظہار موجود ہے اپنے ارد گرد کی سماجی زندگی کی تصویر کشی کے لئے جوش اپنے فن میں مقبول ہیں ان کے سماجی مشاہدے نے اردو مرثیہ کو ایک راہ دکھائی نت نئے تجربات و خیالات، جذبات و احساس سے آشنا کیا انھوں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ بھی دیکھا جس درد و کرب میں گھیرے رہے، اضطرابیوں میں الجھے رہے تب ہی زندگی کے ان پر پیچ مراحل سے گزرتے ہوئے ان تمام احساسات کو اپنی فنی خوبیوں سے رثائی کلام کے ذریعہ مرثیہ کے پیکر میں اس طرح تراش کر ڈھال دیا کہ قاری جب ان کے مرثیوں کا بغور مطالعہ کرتا ہے تو انہیں اس آئینے میں حالات زندگی اور گرد و پیش کے ماحول کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے جوش جمہوری طرز حکومت کے شیدائی ہیں لیکن خود غرضی کا لبادہ اوڑھے حکمران جس طرح عوامی استحصال کر کے جبراً کام چلا کے قیامت برپا کر رہے ہیں انہیں دیکھ کے جوش نے مزاحمتی رویہ اپنائے رکھا:

جہال کی زبان پہ ہوں لن ترانیاں
اشرار خود غرض کو ملیں حکمرانیاں
برسیں حقیقتوں کی زمین پر کہانیاں
کھانے لگیں عوام کا گوداگرانیاں
سفلوں سے بھیک اہل سخا مانگنے لگیں
مرنے کی اہل علم دعا مانگنے لگیں(۹)

جوؔش کے رثائی کلام کا کینوس بہت وسیع ہے ان کے مزاحمتی مرثیے میں تحریک آزادی ملک کے درپیش مسائل نظر آتے ہیں تصویر کشی میں ان کا کوئی ہم عصر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔زبان و بیان کے لحاظ سے ان کے رثائی کلام کا رتبہ اور بھی بلند ہے اور زبان پر ان کو حاکمانہ قدرت حاصل ہے بے پناہ الفاظ کا ذخیرہ اس طرح ان کے سامنے ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں کام میں لاتے ہیں تشبیہ،استعاروں کا انہوں نے بخوبی استعمال کیا ہے جس سے ان کے رثائی کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے یہی جوؔش کا ہنر ہے بیسویں صدی کا ربع اول عالمی سطح پر سیاسی اتھل پتھل کا زمانہ ہے۔بے سکونی،انتشار کا عالم،ترکی پر آلام و مصائب،عالم اسلام کی زبوں حالی اور عالمی جنگ کے تمام حالات کا گہرا ادراک انہیں حاصل تھا جوؔش نے انہیں موضوع بنایا پروفیسر گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے:"یہ حقیقت ہے کہ جوؔش سے پہلے کسی مرثیہ نگار نے براہ راست یہ بات نہیں کہی تھی لیکن یہ خطیبانہ انداز ہے پرانے مرثیہ نگاروں نے بالواسطہ اور شاعرانہ زبان میں مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے درحقیقت ہر عہد کی زبان اور تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں"(۱۰) مرثیہ "وحدت انسانی" میں فنی حسن پیدا کرنے کے لیے جوؔش نے طنزیہ طریقہ کار کا استعمال بھی کیا ہے۔طنز کے معنی دراصل ذو معنی بات کے ہیں یعنی طنزیہ کلام وہ ہے جس میں حقیقی معنی کے بجائے اس کلام میں پوشیدہ دوسرے معنی مراد ہوں جوؔش نے ہنگامی موضوعات،سانحات،انسان کشی اور قدروں کی پامالی کو دیکھتے ہوئے انہیں بیان کرنے میں طنزیہ اظہار اختیار کیا ہے اس بند میں طنز کی شدت ان کے رد عمل کو پیش کرتی ہے:

انساں اگر ہے شیوہ شرک دوئی کو چھوڑ
انساں کشی کی آڑ میں ہاں خود کشی کو چھوڑ
توہین ارتباط خفی و جلی کو چھوڑ
ناداں اہانت گہر زندگی کو چھوڑ

بالین آرزو پہ نہ گرم خروش ہو

اے باغی مصالح قدرت خموش ہو(۱۱)

ii۔ عظمت انسان

جوش ملیح آبادی انسانی عظمت کا اصل منبع خدا کی ذات مبارکہ سے جوڑ کر انسانی آزادی کو نصب العین بناتے ہیں اپنے دور میں انسانیت کی تزلیل ان کو خون کے آنسو رلا دیتی ہے کہ وہ انسان جو بلندیوں کا شناور تھا جس کی عظمت کی نغمہ سرائی فرشتے کرتے تھے آج بے بس ولاچار نظر آرہا ہے اس کی اہمیت گٹر کے کیڑے سے زیادہ نہیں اس لیے مرثیہ ''عظمت انسان'' میں انسان کو اپنا موضوع بنایا تا کہ انسانیت کی فلاح کا کوئی راستہ ہموار ہو سکے۔ جوش سماج میں انسانی عظمت کے خواہاں ہیں انہوں نے حق بولنے کو اپنا فریضہ سمجھا اور نہایت شائستہ انداز میں قوم کو پیغام دیا کہ انسان ہونے کے ناطے بیدار ہو تا کہ جمہوری حقوق کی بحالی ہو سکے اس رثائی کلام میں آزادی کے بعد کی صورت حال پر جوش نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اپنے وطن کی سماجی زبوں حالی ان سے دیکھی نہیں جاتی، مذہبی تعصب پسندی میں اضافہ دیکھ کر جوش مفاد پرست عالم دین کو قصوروار ٹھہراتے ہیں انہوں نے عالم دین کی اسلام دشمنی پالیسی پر طنز کیا ہے گو کہ جوش انقلابی ذہن کے مالک تھے انہوں نے قوم کو پیغام دیا کہ امام حسینؑ کی ذات گرامی سے کسب فیض کر کے میدان عمل میں حق کے منشور کا بول بالا کریں جوش کا پیغام یہ ہے کہ ہم حسینؑ کی عملی تقلید کریں:

جہلا جب کلمہ علم کو ٹھکراتے ہیں

علماء دین کو جب بیچ کے کھاجاتے ہیں

سفہا دولت فانی پہ جب اتراتے ہیں

جو حسینیؑ ہیں وہ میداں میں نکل آتے ہیں

دھجیاں دامن دولت کی اڑا دیتے ہیں

باد صرصر چراغوں پہ نچا دیتے ہیں(۱۲)

مرثیہ ''عظمت انسانی'' میں قوم کو بیدار کرنے، جھنجھوڑنے اور ان میں کربلا کا سانحہ یا حسینیؑ کرداروں کے ذریعہ نہ صرف زندگی میں بلکہ قوم اور وطن میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش ملتی ہے انہوں نے رثائی کلام کو اجتہائی شعور سے آشنا کیا کیوں کہ سماجی صورت حال کا یہی تقاضا تھا۔ سید عاشور کاظمی کے بقول ''جوش کو ہم جدید مرثیے کا موجد تو نہیں کہہ سکتے اور اوج کے کمالات پر نظر ڈالنے کے بعد معاصر شعراء میں اولیت کی یہ

بحث بے معنی ہو جاتی ہے لیکن وہ (جوش) پہلے شاعر تھے جنہوں نے مرثیہ میں انقلاب اور قومی آزادی کے تصور کو رواج دیا"۔(۱۳)

آ جوش انسانیت کے پرستار ہیں ان کے مزاحمتی مرثیوں میں انگریز حکومت کے خلاف شدید صدائے احتجاج سنائی دیتی ہے وطن کی محبت تو خداداد صلاحیت ہوتی ہے انہیں اپنے وطن سے والہانہ لگاؤ تھا اور وہ ہندوستان میں آزادی کے زبردست خواہاں تھے اس لیے انہوں نے مرثیے میں قوم کو بیدار کرنے کا کام کیا مرثیہ "عظمت انسان" کے اس بند میں ایثار حق کی خاطر جان دینے کی تڑپ، باطل کے آگے نہ جھکنا اور جذبہ جہاد سے سرشار ایک مجاہد اسلام کے وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو انسانیت کو اس کا حقیقی شرف عطا کرتے ہیں گویا باطل کے خلاف اہل حق کے دل میں جذبہ مقاومت ابھارنے کا فرض آ جوش نے قلم کے ذریعہ خوب ادا کیا ہے:

سورما فتنہ باطل کو دبا دیتے ہیں
خون دہکے ہوئے ذروں کو پلا دیتے ہیں
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں
اپنے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں
مثل شبیر جو پیغام عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں (۱۴)

حق و باطل میں فرق واضح کرنے کے لیے آ جوش نے باطل، حق، بیعت، آتش، دل، جان، جگر کی مناسبت سے ان کو متضاد الفاظ یا شخصیات اور اشیاء کا ذکر کر کے دوسرے لفظوں میں اپنے رثائی کلام کو صنعت لف و نشر کا زیور پہنا کر مرثیہ "عظمت انسان" کے اس بند کو بطور مزاحمتی صنف سخن پیش کیا ہے آ جوش نے خانوادہ رسولؐ کے مجاہدین کے جذبوں کو رثائی صورت دیتے ہوئے کہا ہے:

مرد وہ ہیں پر باطل جو کتر دیتے ہیں
حق جو مانگے تو دل و جان و جگر دیتے ہیں
شیر سا بھائی تو یوسف سا پسر دیتے ہیں
بات بیعت کو بڑھاتے نہیں سر دیتے ہیں
آتش مرگ میں بے خوف و خطر جاتے ہیں
آنچ آتی ہے جو عزت پہ تو مر جاتے ہیں (۱۵)

کلامِ جوش سے بیسویں صدی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کو ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بیسویں صدی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہے جس کو انہوں نے مرثیے کا موضوع نہ بنایا ہو اور وہ کسی موضوع پر جبراً کہنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس مسئلے کو موضوع سخن بناتے ہیں اس میں جان ڈال دیتے ہیں سید حامد حسین جوش کے کلام کو اس تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں: "جوش فکر بلاخیز اور اظہار قیامت شاعر ہے ان کی طاقت کا سرچشمہ لفظوں کا تواتر اور تراکیب کا تسلسل ہے جو بے پناہ تیزی کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک، ایک کے اوپر ایک وارد ہو کر ایک صوتی سرعت پیدا کرتی ہے"[۱۶] جوش نے مرثیوں کو محض رونے رلانے کے لیے نہیں لکھا بلکہ اس میں بہت سے دوسرے پہلوؤں کو بھی مد نظر رکھا ہے بقا انسانیت کے لیے زندگی کا اعلیٰ نصب العین ہونا چاہیے جوش کے خیال میں واقعہ کربلا محض ایک فرد کا واقعہ نہیں بلکہ بہتر نفوس پر مشتمل ایک یک جہتی کا ایک نقطہ عروج ہے، جبر کے خلاف ایک زندہ جاوید احتجاج ہے واضح رہے کہ جو انسان خانوادہ رسولؐ کی قدر و قیمت کا تعین نہیں کر سکتا وہ خود کو حسینی نہیں کہلوا سکتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیرت امام نے جوش کی روح کو جھنجھوڑ ڈالا اس اعتبار سے جوش پیکر انسانیت کے شہسوار کی مثال دیکر بڑی جرأت کے ساتھ کہہ گئے:

زندگی شعلہ جوالا ہے گلزار نہیں
موت کا گھاٹ ہے یہ مصر کا بازار نہیں
اپنے آقا کی تاسی پہ جو تیار نہیں
زندہ رہنے کا وہ سزاوار نہیں
جو حسینیؑ بھی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں وہ توہین حسینؑ ابن علیؑ کرتا ہے[۱۷]

جوش قوم پرستی، ہندو مسلم اتحاد، جمہوریت، امن، آزادی اور حب وطن کے پجاری ہیں چونکہ جوش ہندو مسلمان ایکتا کے پیامبر تھے جب ان کا مزاحمتی جذبہ بڑھا تب انہوں نے رثائی کلام کے ذریعے استعماریت کا کھل کر مقابلہ کیا اور اپنی بساط بھر مزاحمت جاری رکھی، اس بارے میں ڈاکٹر عقیل رضوی کا کہنا ہے:

"مرثیے کو بھی اسی لیے وہ مقامی اور صرف کمیونٹی کی چیز بنا کر رکھ دینے کے خلاف تھے اور اس میں ایک آفاقی کیفیت اپنے جملہ صفات کے ساتھ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ واقعہ کربلا صرف اسلام کا المیہ واقعہ نہیں بلکہ یہ عالم انسانیت کا المیہ ہے۔ شاید

جوش کے شعور میں یہ بات اسی طرح ابھری ہو جس طرح اس وقت ہندوستان کو
غلامی سے نجات دلانے کے لیے مسئلہ ہندوستان کو اقوام عالم کے سامنے پیش کیا
جارہا تھا"(۱۸)

جوش کے مرثیہ میں زندگی کی علامتی توضیح یوں دکھائی دیتی ہے کہ ساری زندگی ایک جہاد ہے جس میں حق کی قوتیں باطل کی قوتوں سے ٹکرا کر بظاہر شکست بھی کھا جائیں تو بھی فتح مند ہوتی ہیں واضح رہے کہ شجاعت ایسا وصف ہے جو انسان کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے اسی کی بل بوتے پر صراط حق پر چلنے والوں کے قدم نہیں ڈگمگاتے اس لیے جوش حق کا بول بولتے اور اپنے قارئین کو انصاف کے ترازو میں تولنے کی تلقین کرتے دکھائی دیتے مرثیہ "عظمت انسان" کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

میں یہ پوچھوں جو خفا ہوں نہ رفیقان کرام
کہ لرزتے تو نہیں آپ حضور حکام
آپ سرکار میں جھکتے تو نہیں بہر سلام
آنکھ شاہوں سے ملاتے ہیں بہ انداز امام
رائے بکتی تو نہیں آپ کی بازاروں میں
آپ کا رنگ تو اڑتا نہیں درباروں میں (۱۹)

جوش نے عصری اور سماجی حالات و کیفیات کی بھرپور عکاسی کی ہے جوش سرمایہ دارانہ نظام کو معاشرے کی تمام اقتصادی، اخلاقی اور سماجی برائیوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر فضل امام کا کہنا ہے:

"جوش کے مراثی میں سب سے زیادہ سماجی اور سیاسی شعور کی کارفرمائی نظر آتی ہے وہ عہد حاضر کے ذہنی رویے، عصر حاضر کی تہذیب نو کی گرفتاریوں اور موجودہ نسل کے انداز فکر و نظر، نت نئے بدلتے ہوئے معاشرتی اور سیاسی میلانات اور مطالبات اور ان سے پیدا شدہ مسائل پر بڑی عمیق نظر رکھتے ہیں ان کے مراثی کی ابتداء انہیں سب موضوعات سے ہوتی ہے وہ حق و صداقت کے نقیب ہیں ان کے مرثیوں کے موضوعات بھی آواز حق، حسین اور انقلاب، موجد و فکر، وحدت انسانی، طلوع فکر، عظمت انسان، موت و حیات اور جدوجہد حیات وغیرہ ہیں۔ جوش اجتہاد فکر و

نظر میں یقین کامل رکھتے ہیں اس لیے ان کے مرثیوں میں نیا جذبہ و عمل، جدید اسلوب بیان، سائنٹفک مثالیں اور عالم گیر انسانیت کے موثر عنوانات ملتے ہیں وہ ان پہلوؤں کو نظم کرتے ہیں جن سے مرثیے کی جاذبیت، وسعت، مقبولیت اور ہمہ گیریت میں اضافہ ہو جاتا ہے"[۲۰]

جوش کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک واقعہ کو دیکھتے ہیں تو اس واقعہ کو اپنے اندر جذب کر کے جزئی بات کیے بغیر ایک کلی بات کر جاتے ہیں یعنی ایک عام واقعہ سے بڑے نتائج نکالنے کا ہنر جوش جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا رثائی کلام ہنگامی نہیں بلکہ عالمگیر ہونے کے ساتھ ساتھ آفاقی بھی ہے آج بھی جہاں کہیں ظلم ہو تو جوش کے رثائی کلام کو بیان کر سکتے ہیں اسکا مطلب یہ ہوا کہ جوش کے مرثیے انسان اور انسانیت کا کلام ہے۔

ب۔ معاشرتی ناانصافی بحوالہ قیصر بارہوی:

i۔ آشوب عصر:

مرثیے کو نیا لہجہ اور آہنگ عطا کرنے میں قیصر بارہوی کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے ان کے مرثیوں میں ان کی سماجی تہذیب ہر جگہ جلوہ گر ہے انہوں نے اپنے دور کے سماجی حالات کی نئ توسیع اپنی تخیل فکر کے ذریعہ پیش کی ان کا مرثیہ "آشوب عصر" اپنے عنوان سے بہت کچھ کہہ دیتا ہے اس مرثیہ میں وقت اور معاشرتی ناانصافی کا گہرا شعور اور اس پر مزاحمتی انداز میں تبصرہ موجود ہے۔ اخلاقی گراوٹ نے لوگوں کے سینوں میں گھر کر لیا ہے محبت، ہمدردی، وفاداری، انسان نوازی جیسی اقدار کا فقدان ہر طرف دکھائی دیتا ہے ہر شے میں بناوٹ کے کیڑے صاف نظر آ رہے جب کوئی معاشرہ اس طرح کی صورت حال سے نبرد آزما ہو تو اس میں رہنے والے انسان اخلاقی، تہذیبی و معاشرتی اقدار سے کوئی سرو کار نہیں رکھتے بلکہ خود فریبی اور بے خودی کی حالت میں بسر اوقات کرنے لگتے یہی سبب ہے کہ قیصر بارہوی کا بناوٹی معاشرہ سیاسی افرا تفری، بدنظمی اور خوف کا محرک ثابت ہوا۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں انسانی خون دھویں کی طرح اگلا جا رہا ہے مرثیہ "آشوب عصر" میں ماحول کے اس کرب و بلا میں آئے روز کے کشت و خون کی نہایت سچی اور دلکش تصویر اس بند میں پیش کی گئی ہے:

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے   بجلیاں رنگ بدلتی ہیں خدا خیر کرے
گردشیں اور مچلتی ہیں خدا خیر کرے   بستیاں آگ اگلتی ہیں خدا خیر کرے

محو حیرت ہوں کہاں بول رہی ہے دنیا
خون انساں سے دھواں تول رہی ہے دنیا(۲۱)

قیصر بارہوی کے مرثیے دور جبریت کی گود سے پیدا ہوئے اس لیے ان کا دور معاشرتی ناانصافی سے دوچار تھا ان کا رثائی کلام ایک زخمی دل کی صدا ہے جو انفرادی خلش کو بھی اجتماعی کرب کے اعتبار سے سمجھنا جانتے ہیں وہ ایسے معاشرے میں جی رہے ہیں جہاں ان کے سماج کی زندگی ایک زنداں میں تبدیل ہو چکی جہاں سے رہائی کے امکانات بہت کم دکھائی دیتے ہیں مذکورہ مرثیہ اس بات کا گواہ ہے کہ قیصر بارہوی مرثیہ کے فن اور اس کے لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے نظریے کی تشہیر کے لیے وہ تلخ حقائق خون آشام منظر دکھاتے ہیں جہاں انسان کی کوئی وقعت نہیں اس معاشرتی ناانصافی کا برملا اظہار ان کے مرثیے میں یوں ہوا ہے:

عقل شعلوں میں مسلسل ہے خدا خیر کرے   ہر قدم خوف کی دلدل ہے خدا خیر کرے
کہیں زنداں کہیں مقتل ہے خدا خیر کرے   صبح میں شام کی ہلچل ہے خدا خیر کرے

مرگ مخلوق تماشا ہے تماشائی ہیں
خون سورج کا پییئں اب وہ سودائی ہیں(۲۲)

قیصر بارہوی کے ہاں مزاحمتی عناصر دریا کے دو کناروں کی مانند ساتھ ساتھ چلتے ہیں انہوں نے صرف مسلمان ہونے کے ناطے استحصالی طبقوں کی مخالفت نہیں کی بلکہ بقائے انسانیت کی خاطر انہوں نے اپنے سماج میں رائج انسان دشمن پالیسی کی مخالفت کی انہوں نے مذہبی حد بندیوں کے ماورا انسانیت کو اپنا مذہب قرار دیا ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

> " قیصر بارہوی کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ آج کے انسانوں کے آلام و مصائب، شکست وریخت، کرب و ابتلا کا حل اپنے مرثیوں میں پیش کرتے ہیں وہ عصر حاضر کے ایک ایک آشوب کو کریدتے ہیں۔ایک ایک دکھ کی نشان دہی کرتے ہیں عہد نو کی گمراہی، کج روی، منطقی اقدار سے وابستگی، دین اخلاق سے بیگانہ، وشی کو

پوست کندہ کرتے ہیں اور اس دور کے انسان کے امراض کی چارہ جوئی کرتے ہیں۔وہ آج کے پراگندہ اور برگشتہ ذہن کو اس روشنی کی جھلک دکھانا چاہتے ہیں جو چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود خاک کربلا سے آج بھی ضوریز ہے۔قیصر صاحب اخلاقی کج روی کے اس عہد بلا میں سعادت وہدایت کے ان چراغوں کی طرف عنان نظر موڑ دینا چاہتے ہیں جو اپنی روشنی کے لمحہ اولیں سے لے کر صر صر ایام کی تندی کے باوجود آج تک فروزاں ہیں"[۲۳]

قیصر بارہوی کا موقف ہے کہ عصر حاضر میں ہر شخص کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے اخبارات، جرائد اور فلاحی تنظیمیں اپنے اپنے مفادات کی اسیر ہو چکی ہیں ذاتی مفادات کے لیے ہر چیز کو جائز قرار دینا عصر حاضر میں ہر ملک اور ادارے کا حق ہو چکا ہے۔

سرخیاں چہرہ اخبار سے دیتی ہیں خبر کھیل ہے آتش و بارود کا اب شام و سحر
چشم احساس ہے اور وقت کا خونی منظر پھول بکھرے ہیں کہ ٹکڑے ہوا آدم کا جگر

کوئی دیکھے ستم و جور کے نظاروں میں
ننھی لاشیں بھی نظر آتی ہیں انگاروں میں[۲۴]

قیصر بارہوی کے رثائی کلام میں عوام الناس کی صرف اصلاح نہیں کی گئی بلکہ معاشرے میں رستے ہوئے انسانی خون کی المناک صورت حال پر افسردہ ہو کے بارہوی خود بھی چلا اٹھتے ہیں اور ظلم کرنے والی قوتوں کے چہرے سے نقاب الٹ دیتے ہیں مرثیہ ''آشوب عصر'' کو کس طرح شہر آشوب میں اور شہر آشوب کو کس طرح آشوب عصر میں تبدیل کر دیا ہے:

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پر سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دختر

پاس مذہب نہیں غیرت نہیں ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں[۲۵]

قیصر بارہوی کے تمام مرثیے ان کی احساسی فکر کے آئینہ دار ہیں ان کے خیال میں ظلم و تشدد سے امیدوں اور حوصلوں میں تازگی پیدا ہوتی ہے انہیں یہ یقین ہے کہ کبھی تو معاشرتی ناانصافیوں کا خاتمہ ہو گا

قیصر بارہوی کسی بھی محاذ پر شکست قبول کرنے کو تیار نہیں سماجی ناانصافیاں ان کے حوصلوں کو اور بڑھاتی ہیں اس ضمن میں پروفیسر عبدالکریم خالد کا کہنا ہے:

"قیصر بارہوی کی کتاب "عظیم مرثیے" میں شامل مراثی کا مطالعہ قیصر بارہوی کی اس شعری کائنات کو منکشف کرتا ہے جس کی تخلیق انسانی شریانوں کے اندر دوڑنے پھرنے والے اس لہو سے ہوتی ہے جو لفظوں کی صورت میں آنکھ کے کناروں سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جس چیز سے مس ہوتا ہے اسے خون کر دیتا ہے۔ یہ مرثیے جس خوبصورت انداز میں انسانی جذبوں، انسانی رشتوں اور مختلف کیفیتوں کی تجسیم کر کے اسے نگاہوں کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں وہ صاحب نظر کو مبتلائے حیرت کرنے کے لیے کافی ہے"۔(۲۶)

قیصر بارہوی کے مرثیوں میں جگہ جگہ قومی اور ملی طرز احساس اجاگر نظر آتا ہے انہوں نے اپنی فکری اسالیب سے صنف مرثیہ کو نئے رنگ عطا کیے بارہوی نے اپنے سماج کے الجھے ہوئے معاملات کی طرف توجہ دلائی، انسان بے یارو مددگار کب تک ظلم کے سہارے جی سکتا ہے کہنے کا مطلب ہے کہ کب تک قوم جبر کی فضا میں بے بسی اور لاچاری کی زندگی بسر کرے گی نیز مرثیہ نگار کو اس بات کا بڑا قلق ہے کہ کتنے انسان بکھر گئے کتنے گھر اجڑ گئے ان کے معاشرے میں جنگی تباہیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا صرف موت کا در کھلا دکھائی دیتا ہے۔ معاشرتی رشتے بکھر چکے کتنے انسان فنا ہو چکے۔ مرثیہ "آشوب عصر" ان کی ذاتی فکر سے نکل کر معاشرتی ناانصافی کا ترجمان بن گیا فکری لحاظ سے اگرچہ قیصر بارہوی ترقی پسند واقع ہوئے لیکن مزاج کے اعتبار سے وہ کلاسیکی رہے جن کا بین ثبوت ان کے باغیانہ خیالات کا اظہار ہے مرثیے کا یہ بند پورے انسانی سماج کی معاشرتی ناانصافی کا احاطہ کئے ہوئے دکھائی دیتا ہے چنانچہ قیصر بارہوی مزاحمتی انداز میں سوال کرتے ہیں:

فکر کے تیز قدم عین ستائش ہیں مگر — کس لئے خون تمدن سے بھری راہگزر
جنگ اور اسلحہ سازی پہ تو ہر وقت نظر — کوئی سنتا نہیں کیا کہتے ہیں اجڑے ہوئے گھر
شہر کیوں ہو گئے صحرا کبھی سوچا ہی نہیں
کتنی لاشوں سے گزر آئے یہ دیکھا ہی نہیں(۲۷)

وقت بدلنے سے فکر بھی بدل جاتی ہے قیصر بارہوی مرثیے میں مقصدیت کے قائل نظر آتے ہیں وہ سیاست کو سماجی انصاف کا ذریعہ سمجھتے ہیں انہوں نے مرثیے میں براہ راست مغرب کی چال سازیوں پر چوٹ کی

بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مرثیے کو عقلیت کے خلاف بشر مرکزیت بنا دیا ان کے دور میں حیات انسانی ہر لحاظ سے اور ہر سطح پر معاشرتی ناانصافی اور بے انصافی کی شکار تھی اس سامراجی یلغار کے خلاف قیصرؔ بارہوی اپنا آوازہ بلند کر کے استعماری طاقت کو چیلنج کرتے ہیں ان سامراجی ہاتھوں سے انسان کی بربادی کا نظارہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے بلکہ مغرب کی اس منافقانہ چال پہ چلا اٹھتے ہیں:

اک طرف حرمت انساں پہ ہزاروں مضموں　　اک طرف زہر سیاست سے ہر انسان کا خون
لب خنداں سے شرافت کا لہو چاٹتے ہیں　　کیا ادائیں ہیں گلے مل کے گلا کاٹتے ہیں[۲۸]

حقیقت میں دیکھا جائے دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہوتا ہے تو اس کے پیچھے عالمی استعماری طاقتوں کی پشت پناہی کار فرما نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنے ہمنوا مرثیہ نگاروں کے ہمراہ قیصرؔ بارہوی بھی اپنی قوم کو استعماری چنگل سے آزادی دلانے کے لیے میدان مرثیہ میں اترے اور مزاحمتی مرثیے تخلیق کیے ان کے رثائی کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے نقاش ہاشمی لکھتے ہیں:

> ”قیصر صاحب کے تمام مرثیوں کو پڑھ جایئے ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصرؔ صاحب ”ادب برائے مقصدیت“ کے قائل ہیں ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔ یہ تحریک خیر کی تحریک ہے قیصرؔ صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصر حاضر میں اس کو دہرایا جائے۔ بعض جگہ وہ مایوس بھی نظر آتے ہیں مگر پھر ایک نئی امید لے کر خیر کی تحریک کے استاد بن جاتے ہیں۔ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے قیصر بارہوی نے پر شکوہ الفاظ کو چنا ہے مگر یہ پر شکوہ الفاظ صدا بصحر نہیں بلکہ ایک فکری رویے سے منسلک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنا اثر ہوا میں تحلیل نہیں ہونے دیتے۔ قیصرؔ صاحب نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ انہوں نے اس راہ میں جس کو روڑا سمجھا ہے اس کو ہٹانے کی کوشش کی ہے“۔[۲۹]

قیصرؔ بارہوی کو امن و امان کی کوئی رمق دکھائی نہیں دیتی ان کا کہنا ہے سامراجی طاقتوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دنیا کو استحصال کی منڈی بنا دیا ہے تب ہی ان کے مرثیوں میں انسانی رشتوں کی کشمکش کا تذکرہ

ایک خاص قسم کا کرب، سوز اور تڑپ لئے ہوئے ہے اس لیے عالمی دنیا میں رائج پنپتی منفی اقدار دیکھ کر مغموم اور افسردہ ہیں بارہوی نے سماجی ناانصافی پہ جو آوازہ کشی کی وہ طنز سے بھرپور ہے:

کیا کہوں عالم احساس کی رسوائی پر　　جھوٹ کا رنگ چڑھایا گیا سچائی پر
کیوں نہ حیرت ہو اس انداز مسیحائی پر　　جان دیتے ہیں اندھیروں کی توانائی پر
شوق ایجاد ہے انساں کی ہلاکت کے لئے
دولت علم لٹاتے ہیں جہالت کے لئے(۳۰)

مرثیہ ''آشوب عصر'' میں قیصؔر بارہوی اپنے ملک و قوم کی معاشرتی بدحالی کے سارے منظر دکھا کر ان فتنہ پرور لیڈروں کو للکارتے ہیں جن کی کارستانیوں کی زد میں ساری انسانیت آچکی فتنہ جو قسم کے عناصر کو خطاب کرتے ہوئے ان منفی طاقتوں کو بھرپور طنز سے ہدف ملامت بناتے سارے کشت و خون کی تصویر کشی کی ساتھ ہی قصابی روح رواں رکھنے والے طبقہ کی جعل سازیوں کو نشانہ بنایا جنہوں نے جعل سازی سے کام لیتے ہوئے ان مسلم ممالک کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ قیصؔر بارہوی نے مرثیے میں اپنے خیالات کو ایک فلسفی کی طرح اشعار میں پرویا انہیں اس لوٹ کھسوٹ کا بڑا دکھ ہے ان کے معاشرے کی بگڑی صورت حال کے درد کا منظر ملاحظہ کیجئے:

اب کہاں جلتے ہیں انصاف و عدالت کے چراغ　　اب تو فاسد کی حمایت میں ہے دنیا کا دماغ
دیکھ لیں اہل نظر چہرہ ماحول کے داغ　　کس طرح جلتا ہے تقدیس خیالات کا باغ
فکر کو تابع ایماں نہیں رہنے دیتے
لوگ ظالم کو بھی ظالم نہیں کہنے دیتے(۳۱)

جناب قیصؔر بارہوی کا یہ بہت بڑا وصف ہے کہ وہ مرثیہ کے رسمی لوازم کو نظر میں رکھتے ہوئے داخلی طور پر مزاحمتی عناصر کو جگہ دیتے ہیں انہوں نے اپنی منطقی سوچ اس مرثیہ میں پیش کی ہے اس کی جھلک مرثیہ کے بند کے اشعار میں دکھائی دیتی ہے مرثیہ ''آشوب عصر'' کے بعض مقامات پر قیصؔر بارہوی اپنے ترقی پسند معاصرین کے بہت قریب آجاتے ہیں ان کی مبصرانہ تکنیک دیکھیے:

وہ مسلماں جو بھلاتے ہیں خدا کا مقام　　ایک دن آئے گا دیکھیں گے وہ اپنا انجام
سوچ لیں دشمن اسلام کی طاقت کے غلام　　کچھ بھی ہو جائے نتیجے میں ہے فتح اسلام

عدل پھیلے گا دھواں ظلم پنا ہی ہو گی
کچھ نہ ہاتھ آئے گا جب خاک میں شاہی ہو گی(۳۲)

قیصرؔ بارہوی کے مرثیے تخیلی دنیا نہیں ہے، ان کے مرثیوں میں عصری انسان کی جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہے وہ اپنے زمانے کے عوام کے ترجمان ہیں ان کا آیئن انسانیت اپنے اندر مزاحمت کے جملہ پہلو سمیٹے ہوئے ہے مرثیہ میں انسانی دکھوں کا بیان اس قدر پر تاثیر اور انسانی جذبوں کی سچی عکاسی تمہیدی انداز میں کی گئی ہے اس بارے میں پروفیسر حق نواز کا کہنا ہے:

"قیصر بارہوی کے مرثیوں کی بڑی خوبی ان کی تمہیدیں ہیں۔ وہ جس فنی مہارت سے مرثیہ کی تمہید کو مرثیہ کے ممدوح کے ساتھ پیوست کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہے۔ ان کی یہ تمہید ان کے احساس جمال کی ترجمان ہیں وہ ان تمہیدوں سے آج کے قاری کو اس دور میں لے جاتے ہیں جہاں پہنچنے کی ہر کوئی خواہش کرتا ہے اور وہ دور ہے جب آدمؑ کا حسن رکھتی ہے شبّیر کی جبیں"(۳۳)

مرثیہ "آشوب عصر" میں قیصرؔ بارہوی کی معاشرتی ناانصافی پر تنقید کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا ہے اور زبان کی سلاست حقائق کی دھار کو کُند نہ کر سکی انہوں نے فرنگ حکومت کی ریاکاری، تصنع کو بے نقاب کیا اور مرثیہ کے ذریعے انگریز غلامی سے عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی زیر نظر بند میں ان کی مزاحمتی حس زیادہ بیدار معلوم ہوتی ہے وہ جس معاشرے سے مخاطب تھے وہی ان کی مزاحمت کا ہدف تھا اس لیے وہ یہ کہہ گئے:

کس جفا جو کی یہ ترغیب ہے کچھ تو غور کریں　　کیوں قیامت سی یہ ترتیب ہے کچھ تو غور کریں
ہاتھ کس کا پس تخریب ہے کچھ تو غور کریں　　کون غارت گر تہذیب ہے کچھ تو غور کریں

جو بھی دنیا میں نمائندہ ظلمت ہو گا
ہر زمانے کے لیے قابل نفرت ہو گا(۳۴)

ii۔ آیات آمنہ:

قیصؔر بارہوی اردو مرثیہ کا وہ ستون ہیں جن کا مرثیہ ''آیات آمنہ'' میں مزاحمتی عناصر خالصتاً عصری رنگ میں دکھائی دے رہے ہیں قیصرؔ بارہوی نے آزاد معاشرے کا خاکہ تیار کرنا چاہا اس معاشرے کے قیام کے لیے انہوں نے سیرت امام حسینؑ کو نمایاں کیا اور واقعہ کربلا سے کسب فیض لے کر اپنے معاشرے میں پھیلی منفی اقدار کی تردید کی بارہوی مرثیے کو مقصد کی طرف لے گئے اپنے دور کی معاشرتی ناانصافی کو قیصرؔ کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے اور ان کو احساس تھا کہ یہ فرنگی تہذیب انہیں برباد کر دے گی انہوں نے آنے والی ہر منفی تبدیلی کو روکنے کی کوشش کی بلکہ یوں کہیں کہ دیوار کی طرح بیچ میں کھڑے ہو گئے اور اس کے خلاف مزاحمت کچھ یوں کی:

کہنا پڑے گا چھوڑ دی ہم نے رہ وفا　　زندہ تھی جس سے قوم وہ کردار مٹ گیا
کہنا پڑے گا ہم ہیں اندھیروں کی انتہا　　قرآں کے دشمنوں کو سمجھتے ہیں ناخدا
توڑے عمل کے شیشے تعیش کے سنگ نے
لوٹا تمام باغ ہوائے فرنگ نے(۳۵)

قیصرؔ بارہوی نے نصف صدی تک مرثیے کی آبیاری کی اور مختلف موضوعات پر مرثیے تخلیق کیے مرثیہ ''آیات آمنہ'' فنی اور سماجی لحاظ سے قیصرؔ بارہوی کے منشور کا بے مثال نمونہ ہے۔ مظہر نیازی کا کہنا ہے:

> ''آیات آمنہ کی علمی و ادبی منزلت خواہ کچھ بھی ہو اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ حضرت قیصر بارہوی نے نہایت خوش عقیدتی سے اپنے خون جگر میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر یہ کارنامہ سرانجام دے کر اہل حق و انصاف طبقہ سے بے پناہ داد تحسین سمیٹنے کا اہتمام کیا ہے اور نہایت عجز و انکساری سے اپنی عقیدتوں کے نو شگفتہ پھول قارئین کی جھولیوں میں ڈال کر اپنی روحانی تسکین کا سدا بہار گلشن لٹایا ہے۔ قیصر بارہوی کا یہ شاہکار مرثیہ دل و دماغ اور قلب روح کو تا ابد تازگی دیتا رہے گا''(۳۶)

قیصرؔ بارہوی نے فرنگی سازش کا مذاق اڑایا ہے اور اس کا احتجاج کیا ہے کہ کس طرح اثر ورسوخ رکھنے والے لوگ دولت کی کنجی سے خرید و فروخت کر لیتے ہیں بارہوی خود سخن ور تھے اس لیے ادبی سرگرمیوں کو بہت قریب سے دیکھا اس ناانصافی کے نظام میں انہوں نے استحصالی عیاری اور مکر کی چالوں کا پردہ فاش کیا ہے اور مسلمانوں کو باخبر کرنے کی کوشش کی قیصرؔ بارہوی نے اپنی سوچ کو اہل وطن کے سامنے یوں رکھا:

سازش میں کامیاب ہوئے قاسمان زر　　بولی مورخوں کے دہن سے زبان زر
گاڑا گیا بساط سخن پر نشان زر　　لفظوں میں زہر بن کے سمایا بیان زر
ذہنوں پہ تفرقوں کے اندھیرے برس گئے
ظلمت کے ناگ روح مسلماں کو ڈس گئے(۳۷)

قیصر بارہوی کی سوچ حقیقت پر منحصر تھی اور تخیل بلند تھا مرثیہ "آیات آمنہ" کے ان اشعار میں وہ مختلف علائم اور رموز سے اپنی قوم اور وطن کے لوگوں کو سمجھ بوجھ کا درس دیتے ہیں ان کا پیغام تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے احتجاج کا ایک پیغام ہے۔ یہود و نصاریٰ صدیوں سے طرح طرح کی چالوں سے مسلمانوں کو بے وقوف بنایا کرتے تھے گویا قیصر بارہوی کے مرثیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں انسان کس طرح دور فرنگ میں جی رہا تھا اسلام کی شناخت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر چکا تھا اسلام کی شناخت اور وجود کے مسئلہ کو اٹھانے پر بارہوی مجبور ہوئے اس بند میں اسلامی طاقت کو بلند کرنا اور اسلام کا بول بالا کرنا ان کے خاص موضوع تھے قیصر بارہوی مسلم قوم کی ناگفتہ صورتحال کا تجزیہ انتہائی دانش مندی سے کرتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہود و نصریٰ آج بھی اسلام دشمنی پر کمربستہ ہیں وہ مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر ٹھاٹھ سے حکومت کرو، کی پالیسی پر کاربند ہیں۔ ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ مختلف بہانوں سے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بن رہے جبکہ مسلمان اپنی بد اعمالیوں سے اتنے بے حس ہو چکے کہ وہ نہ ان کی سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور نہ اس دلدل سے باہر نکلنے کی کاوش کرتے ہیں اس ضمن میں فخر الحق نوری نے کہا "مسلمانوں کی اس بے عملی، بے غیرتی، بے حسی، انفالیت اور زبوں حالی کو قیصر بارہوی نے جس حزنیہ لب و لہجہ میں بیان کیا ہے وہ بجائے خود ملی مرثیے کی شکل اختیار کر لیتا ہے خاص طور پر مغربی استعمار کا تزکرہ کرتے ہوئے ان کا لب و لہجہ انتہائی تند و ترش ہو جاتا ہے"(۳۸) قیصر بارہوی اپنی قوم پہ ہو رہے ظلم کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں آگاہی دیتے کہ اسلام کا نام و نشان مٹتا جا رہا ہے:

فکر یہود و فکر نصاری وہ شیش ناگ　　صدیوں کے تن بدن میں ہے جن کے پھنوں کا جھاگ
پھیلی ہے سرحدوں پہ جہاں خشک و تر کی آگ　　شعلے وہاں الاپ رہے ہیں انہیں کا راگ
اس راگ میں وہ شام ہے جس کی سحر نہیں
اسلام جل رہا ہے ہمیں کچھ خبر نہیں(۳۹)

قیصر بارہوی کے مرثیہ "آیات آمنہ" میں فکر کی بلندی، خیالات کی ندرت اور جذبہ کی تاثیر موجود رہتی ہے۔ سلاست اور روانی کی عمدہ مثالیں ان کے کلام میں نظر آتی ہیں ان کے رثائی کلام میں مزاحمتی عناصر اس وقت اور بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں جب مرثیہ اپنے منطقی انجام کی جانب رواں دواں ہوتا ہے ان کے اسی ایک نکتہ سے ان کی مرثیہ نگاری کا وقار دوچند ہو جاتا ہے مرثیہ "آیات آمنہ" کے اس بند میں ان کی شعلہ بیانی دیکھیے:

یہ ظلمتوں کے ناگ سیاست کے پیچ و خم — یہ فوج ابرہہ کی طرح دشمن حرم
صیہونیت کے نام پہ ترشے ہوئے قلم — کو شاں رہے کہ عظمت خیر البشر ہو کم

آخر نفاق طبع کے چہرے دکھا دیے
اوصاف والدین محمدؐ چھپا دیے (۴۰)

قیصر بارہوی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کی جدید روایات کو اپنی سماجی روایات کے امتزاج سے اردو مرثیہ کو ایک نیا ذائقہ دیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے صنف مرثیہ کے حوالے سے موجودہ دور قیصر بارہوی کا دور دکھائی دیتا ہے۔ سجاد حارث کا کہنا ہے:

"مرثیہ گوئی بالخصوص جدید مرثیہ گوئی کی صنف دیگر اصناف سخن سے اس لئے امتیازی حیثیت کی حامل نظر آتی ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کا اجتماعی لاشعور عصری شعور سے فعال سطحوں پر ہم آہنگ اور ہم مرکز ہو جاتا ہے۔ جدید مرثیے کی ہمہ گیری اور وسعت خیال ہی جوش ملیح آبادی کے فکر و فن کا مابہ الا امتیاز پہلو تھا جس نے اردو میں مرثیہ نگاری کی ایک نئی اور توانا روایت کو جنم دیا اور مرثیہ نگاری کو روح عصر میں جذب کر کے زندگی اور عصری حقیقتوں سے قریب کر دیا حضرت آمنہ پر قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ قدیم و جدید اسلوب فکر کی ایک دلکش اور موثر مثال ہے۔ تاریخی اور علمی لحاظ سے اس مرثیے میں چند ایسی باتوں کو موضوع سخن بنایا گیا ہے جن کو ہم بہ آسانی جدت خیال اور انشراح حقیقت سے تعبیر کر سکتے ہیں بعض مقامات پر جوش کی پیروی کرتے ہوئے عالم اسلام کے خلاف یہود و نصاری کی ریشہ دوانیوں کا وہ نہایت درد مندی سے ذکر کرتے ہیں صیہونی اور مغرب کی استعماری قوتوں نے عالمی سطح پر جس طرح مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا ہے، عصر

حاضر کی تاریخ کے یہ نہایت دردناک اور خونچکاں باب ہیں روایت اور تاریخ کے حر کی زاویہ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنا دشوار نہ ہو گی کہ دنیا میں آج بھی معرکہ کربلا جاری ہے خیر و شر کی قوتوں کے مابین گھمسان کا رن پڑ رہا ہے ظالموں، غاصبوں اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد ہو رہی ہے قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ اردو کے دیگر مراثی کی طرح حق و انصاف اور روحانی اقدار میں انسانی یقین کو مستحکم اور معتبر بناتا ہے"(۴۱)

قیصر بارہوی انسانیت کی فلاح کی آس لگائے بیٹھے ہیں رثائی ندی کے اس نایاب گہر کا مرثیہ "آیات آمنہ" ان کے سماج میں رائج ناانصافیوں کی تجسیم ہے جس میں ہر کرب نمایاں ہے قیصر بارہوی مرثیے کے آخر میں معاشرتی ناانصافیوں کو دیکھتے ہوئے حزنیہ اور المیہ انداز میں یہ تمنا کرتے ہیں:

تاریخ کر رہی ہے اس انساں کا انتظار — اترے جو جستجو کے سمندر میں بار بار
وہ شخص جس کا دل ہو مروت سے ہمکنار — بیشک اسے ملیں گے گہر ہائے آبدار

لازم ہے لفظ لفظ سفر واقعات میں
ممکن ہے کائنات ملے کائنات میں(۴۲)

قیصر بارہوی نے پاکستانی طرز احساس اور کربلا کے اثرات کو ایک دوسرے میں جذب کر کے مرثیوں کی صورت میں پیش کیا ہے اس طرح وہ مجموعی طور پر معاشرتی ناانصافی کے خلاف مرثیے لکھتے رہے آج بھی ان کے مرثیے اتنے ہی ہمہ گیر اور زود اثر ہیں اور عوام الناس کو باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔

iii۔ عشق حسین علیہ السلام:

قیصر بارہوی نے مرثیہ "عشق حسینؑ" میں انسان پر انسان کی حاکمیت کو رد کرنے کی خاطر صحرا میں جان دینے والے محافظ انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے سانحہ کربلا سے کسب فیض لیتے ہوئے قیصر بارہوی نے عصر حاضر کی معاشرتی صورتحال کو موضوع بحث بنایا اور اس مقام پر یزیدی کردار کا اس طرح نقشہ کھینچا کہ الفاظ سے یزیدی ناانصافی کی فضا صاف دکھائی دیتی ہے:

وہ مسجدوں میں کفر نمائی کے مشورے　　　وہ منبروں پہ رقص وہ خوں ریز فیصلے
قرآں اٹھا اٹھا کے مسلمان بول اٹھے　　　ہولی کھلے گی خون رسالت مآبؐ سے
دینار کی ہوس تھی مسلّط یقین پر
خوشنودی یزید مقدّم تھی دین پر(۴۳)

مرثیہ ''عشقِ حسینؑ'' میں قیصرؔ بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ کلمہ گویوں نے خانوادہ رسولؐ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اس تمام صورتحال کا تجزیہ قیصرؔ بارہوی کی زبان سے سنیے:

کہتے تھے جا نمازوں پہ کوفے کے کلمہ گو　　　وقت آئے گا تو قتل کریں گے حسینؑ کو
کسی نے کہا خیال زر و مال چھوڑ دو　　　جو کچھ بھی ہو بہ مرضی ابن زیاد ہو
دینار تو ہاتھ آئے گی جنت اگر نہیں
دولت ملے خدا کی عدالت کا ڈر نہیں(۴۴)

قیصرؔ بارہوی کا سارا تخلیقی سرمایہ اپنے دور میں پنپنے والے واقعات و حادثات سے بھرپور قربت رکھتا ہے ان تمام سماجی واقعات و حادثات کے تاثرات قیصرؔ بارہوی کی شخصی زندگی پر مرتب ہوئے یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ کسی بھی عظیم سخن گو کے علمی و ادبی کارناموں پر اس دور کے ان عناصر کا مرتب ہونا لازمی ہے کیونکہ کوئی بھی قلم کار اپنی سماجی زندگی میں پیش آنے والے واقعات و تجربات کے حقائق سے بے نیازی نہیں برت سکتا یعنی سخن ور کوئی مسجد امام یا مندر کا پجاری نہیں ہوتا بلکہ وہ سماج کا ایک فرد ہوتا ہے قیصرؔ بارہوی نے اپنے رثائی تخلیقات کے ذریعے معاشرے کو صحیح سمت لے جانے کی بڑی پرجوش کوشش کی ہے۔ انوار ظہوری کا کہنا ہے:

> ''جب ہم جناب قیصرؔ بارہوی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو وہ اسی میدان کے مرد نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں۔ قیصر بارہوی ان چند گنے چنے حساس طبقے کے شعراء میں شامل ہیں جنہیں مطالعہ و ماحول نے ان موضوعات سے فطری مناسبت کا ذائقہ مہیا کیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تمام زندگی مرثیہ گوئی کے لئے مختص ہو گئی اور یہی صنف ان کی فنی شناخت قرار پائی یہ خصوصیت قیصرؔ بارہوی کو حب حسینؑ کے متوالے شعرا میں ان سب سے بہت آگے لے آئی، جن کی شعری تخلیقات میں

دیگر اصناف سخن کے علاوہ مرثیہ گوئی بھی شامل ہے یعنی دوسروں نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور مرثیہ گوئی کو بھی اپنایا لیکن قیصرؔ بارہوی ان چند خوش نصیب شعراء میں سر فہرست ہیں جو ہمارے دور میں صرف مرثیہ گوئی کو ہی اپنا ذریعہ اظہار بنائے اعلیٰ فنی قدروں کے پاسدار نظر آتے ہیں۔"(۴۵)

قیصرؔ بارہوی چوں کہ مرثیہ سے تبلیغ و اصلاح معاشرہ کا کام لینا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کی حیات طیبہ کے ان نقوش کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے جن کی پیروی عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکے قیصرؔ بارہوی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے رثائی کلام کو زمانے کی آواز میں شامل کیا اور بے راہ معاشرے کو راہ راست پر ڈالنے کی کوشش کی، قیصرؔ بارہوی کے نئے سماجی ماحول میں امام حسینؑ عالم انسانیت کے لئے نمونہ بن کے سامنے آتے ہیں خو مرثیہ "عشق حسینؑ" کے ان اشعار میں امام حسینؑ کی اہمیت ملاحظہ فرمایئے جس سے مرثیے کے سماجی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں:

بیداری حیات ہے عشق حسینؑ میں سر مایہ نجات ہے عشق حسینؑ میں
انسانیت کی بات ہے عشق حسینؑ میں تسخیر کائنات ہے عشق حسینؑ میں
پایا فروغ روح اسی دل کے چین سے
فطرت بلند ہوتی ہے عشق حسینؑ سے(۴۶)

قیصرؔ بارہوی نے مرثیے کے آئینے میں یزیدی قوم کے ہر فرد کو اس کی اصل شکل دکھائی یزیدی سماج کی حقیقت آشکار کرتے ہوئے یہ مزاحمتی اشعار پیش کیے:

خوف بن زیاد سے تھرا کے ہر بشر رستوں میں پھینکتے رہے ایمان کی سپر
خالی ہوئی حمیت و غیرت سے ہر نظر پھیلا سواد شام نہاں ہو گئی سحر
احساس کے چراغ کی لو تھر تھرا گئی
انسانیت قضا کے شکنجے میں آ گئی(۴۷)

صدیوں سے ہو رہے انسان پر مظالم اور معاشرتی ناانصافی کو دیکھ کر اب خاموش رہنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ ان کی زندگی کی ترجمانی اور حقیقی صورت حال کی عکاسی سے ہر ایک کو پوری قوت کے ساتھ آگاہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے قیصرؔ بارہوی کا یہ فکری انداز مرثیہ کے اجزائے ترکیبی و حرارت کا سبب بنا

اس لئے ان کے الفاظ و تراکیب بڑی گھن گرج رکھتے ہیں وہ واقعہ کربلا کے عظیم مقصد کو اپنے سماجی تقاضوں کے ساتھ جوڑنا جانتے ہیں یہی قیصر بارہوی کی مرثیہ گوئی کا وہ منفرد پہلو ہے جس نے انہیں قدماء کے زمرے سے نکال کر جدید مرثیہ نگاروں کی صف میں ممتاز و منفرد مقام عطا کر دیا ہے۔

ج۔ سماجی گھٹن بحوالہ مرثیہ نسیم امروہی:

i۔ شہید معرکہ جہد و ارتقاے حسینؑ

پاکستان میں اردو مرثیہ نگاری کی روایت کو تاب و توانائی عطا کرنے میں نسیم امروہی کی خدمات قابل قدر اور لائق منزلت ہیں تخلیقی زندگی کے دوام کی واحد ضمانت مرثیہ نگار کا زندہ تخلیقی تجربہ ہے آج دنیا مجموعی طور پر جس سماجی گھٹن کا شکار ہے اس کی کئی وجوہات ہیں سماجی گھٹن، استحصالی رویے، سماجی عدم توازن اور ظلم و جبر کی خوفناک صورتحال نے انسان کے مصائب میں اضافہ کیا ہے۔ نسیم امروہی کا سماجی شعور نہ صرف ان کے اپنے حالات کے گرد گھومتا ہے بلکہ اپنے دور کے عالمی معاملات پر ان کی گہری نظر ہے خاص طور پر عالم اسلام کی مشکلات اور استعمار کے منافقانہ رویوں پر اپنے سماجی تاثرات کا بھرپور اختیار کیا ہے فرقہ بازی کے نام پر انسان دوسرے انسان کو اذیت دے کر خدا کو خوش کرنے میں لگا ہوا ہے لوگ مذہبی چولہ پہن کر انسانیت کو شرمسار کر رہے ہیں اگر ہمیں خدا کو خوش کرنا ہے تو اللہ کے کسی بندے کو تکلیف نہ دیں۔ مرثیہ ''شہید معرکہ جہد و ارتقاے حسین'' میں فرقہ پرستی پر برہم ہو کر یوں گویا ہوئے:

هوئی ہے فرقہ پرستی کی عام بیماری — خدا کے نام پہ ملت میں جنگ ہے جاری
جواب دے ہمیں دنیائے زندگی ساری — پیام امن ہے مذہب کہ حکم خونخواری
خدا کی خلق کو کیوں آدمی تمام کرے
وہ دین ہی نہیں ہرگز جو قتل عام کرے(۴۸)

نسیم امروہی نے عوام مخالف پالیسی کے خلاف مزاحمتی مرثیے تحریر کیے جب آزادی کا سورج طلوع ہوا اور مملکت خداداد پاکستان میں استحصالی گروہ نے غریب کو جس طرح اس کے آئینی حق سے محروم کیا اس کا نسیم امروہی کو بہت دکھ ہے ایک ذمہ دار قوم پرست کے طور پر انہوں نے غریبوں کے حق میں استغاثہ بلند کیا اور مزاحمتی لحن میں یہ اشعار کہے:

ہمیں غریبوں کی حالت کا کچھ نہیں احساس　　یہ بے حسی ہے حقیقت میں عقل کا افلاس
وہ گرچہ اب نہیں افراط زر ہمارے پاس　　مگر گئی نہیں مر جھائے پھول کی بو باس
نہ ذکر حال نہ فکر مال سے خوش ہیں
قفس میں رہ کے چمن کے خیال سے خوش ہیں(۴۹)

''شہید معرکہ جہد وارتقاء ہے حسینؑ'' مرثیہ نسیمؔ نے اپنے ادبی ماحول سے کسی حد تک بے نیاز ہو کر کہا جس سے ان کے فن میں مزید جدید عناصر کے ہم آہنگ ہونے کے امکانات وسیع ہو گئے اس مرثیے میں اسلوب بیان کے نئے تجربے سامنے آتے ہیں اور جو شے سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ ان کی قادر الکلامی ہے منظر عباس نقوی نے ان کی قادر الکلامی پر گفتگو کرتے ہوئے اس خصوصیت کی جانب اشارہ کیا ہے:''ان کا شاعرانہ تخیل کبھی بے لگام نہیں ہوتا اور توصیفی حصہ ہو یا واقعات کا بیان عالمانہ استدلال ہر جگہ قائم رہتا ہے''(۵۰) مذکورہ بالا اشعار میں نسیمؔ نے واضح کیا ہے کہ قومی جذبات کا ایک ہونا بہت دشوار ہے ان اشعار میں طاقت، دولت، ملت، جنگ، زر، نقد، سکہ جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے یہ اشعار ایسے دور کی تصویر پیش کرتے ہیں جہاں مسابقتی دوڑ میں انسان نے کامیابی سے حصہ لیا لیکن اس مادیت کی دوڑ کے باعث قوم کے اجتماعی انداز فکر کو نقصان پہنچا مرثیہ ''شہید معرکہ جہد وارتقاء ہے حسینؑ'' کے اس بند میں نسیمؔ امروہی کے دور کے ہر انسان کا اضطراب موجود ہے:

گھٹا رہے جو آپس کی جنگ میں طاقت　　یہ کسب رزق میں گر خرچ ہو مٹے نکہت
اجڑ چکی ہے تمہاری جو قوم کی دولت　　اسی لیے تو حزن و ملول ہے ملت
نہیں جو زر تو کبھی اوج پا نہیں سکتے
بغیر نقد کے سکہ جما نہیں سکتے(۵۱)

مرثیہ ''شہید معرکہ جہد وارتقاء ہے حسینؑ'' کا یہ بند عصر حاضر کی انسانی بے حسی کو ظاہر کرتا ہے امروہی قوم کی پہچان جداگانہ اور منفرد انداز میں کراتے ہیں ان کی اضطرابی کیفیت سوالوں پر سوال قائم کرتی ہے جدھر نظر اٹھائیے روز مرہ کی زندگی میں انسانی عادات وخصائل کا رنگ جھلکتا ہے انہوں نے انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پردہ فاش کیا ہے اور تلخی وطنزیہ انداز میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہر کوئی اپنے فرائض کو ڈھنگ سے انجام دینے میں کوتاہی برت رہا ہے اس اعتبار سے یہ اشعار پیش خدمت ہیں:

جو علم دیکھو تو ہم ہر ایک ہے فرزانہ　　عمل جو دیکھو تو ہے ذی خرد بھی دیوانہ
یہ ابتری ہے کہ گھر میں نہیں ہے اک دانہ　　پھر اس پہ لطف ہے خصلتیں ہیں شاہانہ
رہی نہ قوت احساس خوش مذاقوں میں
پکا رہے ہیں خیالی پلاؤ فاقوں میں(۵۲)

نسیمؔ نے اس مرثیے میں سماجی موضوعات کو اہمیت دی ہے مگر یہاں وہ تجریدی عنوانات کے بجائے منقبت کی راہ سے موضوع تک آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نسیمؔ کے یہاں سماجی تنقید کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا ہے زبان کی سلاست و روانی کسی جگہ بھی حقیقت نگاری میں حائل محسوس نہیں ہوتی ان کی اس انفرادیت کا تعین کرتے ہوئے منظر عباس نقوی رقم طراز ہیں: ''نسیمؔ صاحب کی شاعری ان کی شخصیت کا آئینہ ہے، ان کی زبان کڑھی ہوئی، لہجہ ثقہ، بیان فکر انگیز، موضوع عالمانہ اور اسلوب متکلمانہ یہی وہ عناصر خمسہ ہیں جنھوں نے ان کے کلام میں وہ فنی رفعت اور فکری توانائی پیدا کر دی ہے جس کی بناء پر ان کا کلام عہد حاضر کے رثائی ادب میں ایک امتیازی شان کا حامل نظر آتا ہے اور اسے ہزاروں کے ہجوم میں آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے''(۵۳) نسیمؔ امروہی کے مرثیہ ''شہید معرکہ جہد ارتقاء ہے حسینؑ'' کی ایک مثال شادی بیاہ رسم کے بارے میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جہاں نسیمؔ امروہی نے شادی کی فرسودہ رسموں کو زبان عطا کر کے جو اشعار تخلیق کیے ہیں وہ آج کے سماج کی صورتحال کی مزاحمت کے لیے کافی ہیں جن کی تصدیق درج ذیل بند کے اشعار سے ہوتی ہے:

وہ ذی خرد جو دکھاتے تھے راہ آزادی　　خلاف عقل ہوئے ہیں رسوم کے عادی
رچاتے ہیں کسی دلبند کی اگر شادی　　تو گھر لٹاتے ہیں بر وقت خانہ آبادی
ادا ہ رسوم جہالت تمام کرتے ہیں
خدا کے حکم میں شامل حرام کرتے ہیں(۵۴)

مزاحمتی عناصر کی گنجائش سماجی سطح پر جس قدر تھی نسیمؔ نے ان سب کو سمونے کی کوشش کی ہے مرثیہ ''شہید معرکہ جہد ارتقاء ہے حسین'' میں مصوری کا کمال بھی ہے اور کہیں وہ تصادم وتضاد کے احساسات کو اجاگر کر کے سماجی شعور پیدا کرتے ہوئے مرثیہ مکمل کرتے ہیں ان کی نظر جاذب اور فکر میں وسعت ہے اس اعتبار سے عبدالرؤف عروج کا کہنا ہے:

"بیسویں صدی کے اوائل میں لوگوں نے پہلی مرتبہ ادب کے ذریعے تہذیبی اور سماجی زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنی محرومیوں، ناکامیوں اور مایوسیوں کا مداوا کرنا چاہا تو اور اصناف کے ساتھ ان کی نگاہ مرثیے پر بھی گئی ان میں پہلا نام نسیمؔ امروہی کا لیا جائے تو غلط نہ ہو گا"(۵۵)

نسیمؔ امروہی کے رثائی کلام کے مطالعے کے بعد اس بات کا علم ہوتا ہے کہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان کے خیالات بھی بدلتے رہے انہوں نے اپنے آس پاس، ارد گرد روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات و حالات اور شادی بیاہ کی فرسودہ رسم و رواج کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا:

اگر ہے بیاہ پسر کا بفضل ربانی　　ضیافتوں میں یہ کرتے ہیں اپنی قربانی
خوشی کے جوش میں ہوتی ہے ایسی مہمانی　　کہ جس کے بعد نہ کنبے کو مل سکے پانی
تباہ ہو کے بھی برباد کن عمل نہ گئے
اگرچہ جل گئی رسی تمام بل نہ گئے(۵۶)

نسیمؔ امروہی نے اپنے دور کے مسلمانوں کی تباہ کاری و بربادی کا نقشہ کھینچا ہے کس طرح مسلمان اپنے برے افعال کی وجہ سے پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کر رہے ہیں سب کو اپنی اپنی پڑی ہے رشتے ناطے ٹوٹتے جا رہے انہیں افسوس ہے کہ خودداری کو مسلم امہ نے بھلا دیا، مسلمان دین اسلام سے غفلت برت رہے نسیمؔ امروہی نے مسلمانوں کو دین مصطفویؐ کی پاسداری کا احساس دلانے اور ان کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے مرثیہ "شہید معرکہ جہد ارتقاء ہے حسینؑ" کے بند میں وہ مسلمانوں سے التماس کرتے ہیں:

بھرا ہے درس اخوت سے خود کلام مجید عمل سے کر گئے اصحاب و آل بھی تائید
جواب دو کہ پھر آپس میں کیوں ہے جنگ شدید ہوئی جو تم میں دوئی سمجھو مٹ گئی توحید
لڑو فروع پہ ناحق نہ مصطفیٰؐ کے لیے
اصول دین کی حفاظت کرو خدا کے لیے(۵۷)

مرثیہ کے آغاز سے عہد نسیمؔ امروہی تک کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نسیمؔ امروہی نے سماجی رسم و رواج اور عقائد کو مقامی پس منظر میں نہایت المیہ انداز میں بیان کیا ہے اور مرثیے کے تمام لوازمات کو اپنے کلام میں برتا ہے مہدی نظمی کا کہنا ہے:

"نسیمؔ صاحب کی مرثیہ نگاری کا یہ پہلو خاص اہمیت رکھتا ہے کہ انھوں نے اجزائے ترکیبی میں کمی کر کے مرثیہ نگاری کو کوئی لباس نہیں دیا انہوں نے روایت کی پابندی کی لیکن اس پابندی کے باوجود ان کے مراثی میں جو جدت ہے وہ مضامین کی جدت ہے اسلوب بیان کی جدت ہے ان کے لہجے میں شدت کم ہے متانت زیادہ ہے الفاظ کثیر نہیں ہیں جتنے مفاہیم انہوں نے اپنے مراثی میں سانحہ کربلا اور اس کے نتائج کو علوم جدید کی کسوٹیوں پر بھی پرکھا ہے اور عصر نو کی ذہنی و فکری کسوٹیوں پر بھی، ان کے یہاں محاکات بھی ہیں، جذبات نگاری بھی ہے، قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارک کے علمی حوالے بھی ہیں، فلسفیانہ اشارے بھی، نازک تشبیہات بھی ہیں جن میں بھرپور شبہ موجود ہے اور وقیع استعارے بھی جو مفہوم کو وسعت اور گہرائی دینے کے کام آتے ہیں جہاں تغزل کی ضرورت ہے وہاں تغزل ہے جہاں قصیدہ درکار ہے وہاں قصیدہ ہے اور جہاں مال مجلس یعنی گریہ و بکا کی ضرورت ہے وہاں گریہ و بکا کا سامان موجود ہے ان کے یہاں منظر نگاری بھی ہے، حسن تاویل بھی ہے ضرورت بھر مبالغہ کا جمال بھی ہے اور جدید مرثیہ جن ضرورتوں کا طلب گار ہے وہ بھی موجود ہیں ناپید نہیں"(۵۸)

انسانیت کی وسعت کو امتیازات میں قید نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسانیت ہی ایک حقیقی رشتہ ہے جو انسانوں کو متحد رکھتا ہے نسیمؔ امروہی نے امتیازی نظریہ رکھنے والے افراد کے تصورات کو تنقیدی ہدف بنایا ان کا اختلاف زمانے کے ان لوگوں سے تھا جنھوں نے معاشرے کو شورانگیزی اور اضطرابی کیفیت میں گرفتار کیا ایسے میں نسیمؔ امروہی رقمطراز ہیں کہ اب مذہبی پیشوائیت ایک دوسرے کا خون بہانا جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت میں آواز اٹھانے کی بجائے اس سے اغماض کر لیتے ہیں اور نفس پروری کو فروغ دیتے ہیں غرض یہ کہ نسیمؔ امروہی نے اس بند میں مسلم ملت کی بے حسی کو ظاہر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو مغموم ہو جاتے ہیں:

جو خضر راہ تھے ان کی وہ تھی رواداری　جو پیر دوں میں ہیں ان کے یہ انکی خونخواری
قدم قدم پہ ہے جنگ و جدل کی تیاری　غضب ہے بھائی سے کرتا ہے بھائی غداری
بچھڑ بچھڑ کے جو آپس میں جنگ کرتے ہیں
مخالفوں کو جلاتے ہیں آپ مرتے ہیں(۵۹)

احساس نفس ہی انسان کا اصل جوہر ہے مرثیہ ''شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ'' میں اس کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مسلم قوم کی بدحالی اور اخلاقی قدروں کی پامالی ان سے دیکھی نہ گئی اس لیے نسیمؔ نے اپنی ملت کے افراد کو طرح طرح کی نصیحتیں کیں انہیں اگر نباض انسانیت کہا جائے تو غلط نہ ہو گا ان کی انگلی ہمیشہ سماج کی نبض پر رہی، قوم کی اجتماعی دل کی دھڑکن ان کے مصرعوں میں ڈھل گئی انہوں نے ماہر لسانیات کی طرح الفاظ کے رخ موڑ دیئے جب چاہا جیسی زبان چاہی استعمال کی سماجی اصلاح کی خاطر ایک ہی بند میں، منچلے، یگانے، غیور، جری، کمزور، قوی، عدو، مفسد جیسے الفاظ تخلیق کیے جس کی وجہ سے مرثیہ ''شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسین'' کی معنویت عصر حاضر یں بھی نو چند ہو گئی ہے۔ نسیمؔ امروہی نے مسلمانوں کے پست اخلاق پر جو طنز کیے وہ قطعی نظر انداز نہیں کیے جاسکتے جس کی وضاحت ذیل بند کے اشعار سے ہوتی ہے:

یہ منچلے جو یگانوں کا خوں بہاتے ہیں　　بڑے غیور ہیں غیروں کی مار کھاتے ہیں
جری ہیں ایسے کہ کمزور کو دباتے ہیں　　مقابلہ ہو قوی سے تو سر جھکاتے ہیں
یہ مصلحوں کے عدو مفسدوں کے ساتھی ہیں
جو اپنی فوج کچل دے یہ ایسے ساتھی ہیں[۶۰]

مرثیہ ''شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ'' کے ذریعہ سماجی گھٹن کے تانے بانے پر چوٹ کی گئی ہے آج بھی مجالس و منبر پر مغربی استعمار کے خلاف بولتے ہوئے مولانا حضرات نسیمؔ امروہی کے مرثیوں کا سہارا لیتے ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نسیمؔ امروہی کا نام رثائی ادب کے ستاروں میں ہمیشہ نمودار رہے گا۔

ii۔ اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو:

دنیا کی کیفیت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے ان تبدیلیوں سے ہر ذی روح متاثر ہوتی ہے فرق احساس کا ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ حساس انسان ہوتا ہے۔ دور حاضر میں خود ساختہ اخلاقیات اور پارسائی کے ضبط نے ہمارے معاشرے میں گھٹن اور بے کیفی اس حد تک پیدا کر رکھی ہے کہ اس کے اندر عام انسان کی کہیں دلچسپی دکھائی نہیں دیتی، ایک طرف ہماری طاقتور حکمران کلاس جو انسانی سطح کی سب لذتوں سے بہرہ مند ہے اس طبقہ نے اخلاقیات کے سب سبق عام انسان کے لیے رکھ چھوڑے ہیں تاکہ عوام کی خوشیوں پر قبضہ جاری رکھا جاسکے تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والا واقعہ اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ نسیمؔ امروہی کے دبستان مرثیہ میں سماج کی گھٹن پر تبصرے کے ساتھ اصلاح کا جذبہ بھی موجود ہے انہوں نے

مرثیہ ''اے انقلاب مژدہ عزم عمل ہے تو'' میں یزیدی ظلم کی مزاحمت کی ہے اس ضمن میں ممتاز حسین کا کہنا ہے ''نسیم مرثیے کو قومی اصلاح اور حسینؑ کے انقلابی مشن کی تبلیغ کا آرگن بنانا چاہتے ہیں ان کا ہر مرثیہ مستقل پیغام ہے عزم و عمل کا ایک مجموعہ ہے حریت و اجتہاد کا ایک نعرہ ہے نسیم کی فکر جواں اور مقصد انقلاب انگیز ہے''(۶۱) نسیم امروہی نے جس وقت مرثیہ کہنا شروع کیا تب مرثیے کے عروج کا زمانہ تھا اور جوش کے انقلابی مرثیے کے نمونے موجود تھے چناچہ انہوں نے ایک طرف مرثیے کے روایتی اجزا اور کیفیات کا خیال رکھا تو دوسری طرف اپنے معاشرے کی زبوں حالی کو مرثیوں میں سمونے کی کوشش کی مرثیہ ''اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو'' یزیدی دور میں انسان کی وقعت کے سلسلے میں ایک بند دیکھئے:

زہد و ورع کا نام بھی لیتا نہ تھا کوئی   زاہد کا تو سلام بھی لیتا نہ تھا کوئی
نذر خدا طعام بھی لیتا نہ تھا کوئی   بے مے قمر کا جام بھی لیتا نہ تھا کوئی
فاسق تھا وہ بھی جس کا بڑا اعتبار تھا
حد ہو گئی کہ مفتی دیں بادہ خوار تھا(۶۲)

نسیم امروہی کے مرثیے پوری صحت مندی کے ساتھ مقاومت کا سلیقہ سکھاتے ہیں انہوں نے اپنے دور کی سماجی تصویر کو سانحہ کربلا کے تناظر میں پیش کیا ہے یہاں سانحہ کربلا کا محض مزاحمتی پہلو ہے اور نفس مضمون ان کے دور سے مطابقت رکھتا ہے نسیم امروہی نے یزیدی معاشرے کی صورت حال کا بیان اتنے مدلل انداز میں کیا ہے کہ اس دور کے کرب کی فضا کو صاف دیکھا جاسکتا ہے:

کھولے ہوئے نفاق کا پرچم بصد غضب   جڑ دین کاٹ رہا تھا عدوئے رب
تھی تیغ شر سے ملت مرحوم جاں بلب   کچلا گیا تھا جذبہ آزادی عرب
آتا تھا قول حق ہے جو دھبا شریر پر
پہرے بٹھا دیے تھے صدائے ضمیر پر(۶۳)

نسیم امروہی کو معلوم تھا کہ جدید مرثیہ گو کو رائج مزاحمتی مزاج ہضم نہیں ہوں گے اور اسے مرثیہ کہنے پر آمادہ نہیں ہوں گے لیکن کربلا کے مقصد کی جانب ان کا مطالعہ اور مشاہدہ اتنا گہرا ہو چکا تھا کہ وہ اس کے اثرات کو بہت دور تک دیکھ رہے تھے جیسا ان کے مرثیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ سید وقار عظیم کا کہنا ہے:

”نسیمؔ کے مرثیوں کے اصلاحی رجحان کے متعلق یہ رائے کہ وہ مرثیے کو قومی نظم کی طرف لے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے مرثیت کا پایہ کمزور ہوتا جا رہا ہے اس حد تک تو یقیناً صحیح ہے کہ نسیم کے اصلاحی مرثیوں میں مرثیت کا وہ انداز نہیں جو ہمارے روایتی مرثیے میں ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے مرثیت کو اظہار غم کو یا گریہ و بکا کو محض حصول ثواب کے لیے واقف کرنے کی بجائے اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ کے اعلیٰ اور ارفع مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا اور یوں اس کے فکری اور فنی منصب کو وہ وسعت دی جس سے وسعت و ترقی کی مزید راہیں کھلتی ہیں۔“(۶۴)

نسیمؔ امروہی کے مرثیے اس بات کی بخوبی شہادت پیش کرتے ہیں کہ امروہی نے انیسؔ کو اپنا معنوی استاد تسلیم کر لیا تھا اور انیس کے کلام سے اتنا اثر لیا تھا کہ جا بجا انیس کے مرثیہ کے مزاحمتی رنگ ان کے رثائی کلام میں سمائے چلے گئے انہوں نے یزیدی دور کی بگڑی صورت حال کو مرثیہ ”اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو“ کے اس بند میں یوں حوالہ قلم کیا:

ظالم کے عہد جور میں امت کے تھے امیر　　کچھ عالمان بے عمل و مفسد و شریر
آزار عقل و فہم و نظر حرص کے اسیر　　خود بیں جو تھا امیر تو بے پیر دستگیر
مردہ تھی روح قوت حس محو خواب تھی
بغض ابو تراب سے مٹی خراب تھی(۶۵)

معاشرتی بد نظمی کا خیال ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا ہے یزیدی دور میں اخلاق کی ساری قدریں فرسودہ قرار دی جانے لگی تھیں اور مسلمانوں کو ذہنی گھٹن کا سامنا تھا مرثیے کا ایک قطعہ یہاں پیش ہے جس میں یزید پرست مسلمانوں کو انہوں نے طنز کا نشانہ بنایا ہے:

قانوں سلطنت جو رہ حق میں تھا خموش　　مفتی تھے مفت خوار تو قاضی قلم بگوش
تھے فیصلوں میں عذر کے جو یا بہانہ کوش　　جذبات بیچتے تھے وہ انسانیت فروش
صدق و صفا کی مے سے جو خالی ایاغ تھا
سجدہ بھی ان کا دین کے ماتھے پہ داغ تھا(۶۶)

نسیمؔ امروہی نے معرکہ کربلا کے رجز اور جنگ کے حصوں کی تفصیل کو اپنے مرثیوں میں جگہ نہیں دی بلکہ معرکہ کربلا کے تناظر میں یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ اس دور میں انسان انسان نہیں رہا چاروں طرف بنی امیہ کے مظالم کی لوٹ مچی ہوئی تھی ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے امروہی اس اسلام کی یاد دلاتے ہیں جس نے دنیا میں آکر ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا جس کی وجہ سے جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور وحشت کا خاتمہ ہوا تھا جس کی بدولت اخلاقی اقدار کا دور دورہ ہوا تھا لیکن افسوس بنی امیہ کے پیروکار ان اقدار کو خیرباد کہہ چکے بقول نسیمؔ امروہی:

خطبوں میں مدح آل امیہ کی تھی پکار　　تھا گرم ممبروں پہ خیانت کا کاروبار
ڈھلتی تھیں صبح و شام احادیث بے شمار　　قرآن بے مفسر و تفسیر بے وقار

ہر کور دل امام ہدایت مآب تھا
ہر کور چشم حافظ ام الکتاب تھا (۶۷)

مرثیہ چونکہ بلا تخصیص انسان کے فطری جذبات کی نمائندگی کرتا ہے نسیمؔ امروہی کے کلام میں زمان و مکان کا استعمال کثرت سے ملتا ہے وہ ایسا سماج چاہتے ہیں جہاں اظہار رائے پر کوئی پابندی نہ ہو، جہاں انسان کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہو نسیمؔ امروہی کے مرثیوں میں رثائیت کے ساتھ ساتھ مزاحمتی رنگ غالب ہے سید عاشور کاظمی لکھتے ہیں:

> ''نسیمؔ امروہی نے پہلا مرثیہ ۱۹۲۳ء میں کہا تھا جوش کی شعلہ و شبنم کی اشاعت سے پہلے'' ۱۹۳۰ء میں لکھنؤ آئے تو جوش کے زیر اثر مرثیے کی فضا بدل رہی تھی حسینؑ اور کربلا کے حوالے سے مرثیے میں آزادی کی امنگ، غلامی سے نفرت، جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ اور باطل کی طاقت کے خلاف حق و صداقت کی برتری وغیرہ مرثیوں میں در آئی تھی نسیمؔ امروہی نے ۱۹۶۰ء تک مختلف المفکر مرثیے کہے جس میں ''اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو'' یا شہید معرکہ جہد ارتقاء ہے حسینؑ'' بھی شامل ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ و معنی میں فرق نہ ہونے کے باوجود ملا اور مجاہد کی اذان میں فرق رہا''(۶۸)

مرثیہ ''اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو'' میں ہر مقام پر جذبہ کی تاثیر موجود رہتی ہے اس بند میں مسلمانوں کی پستی کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں:

ایماں فروش سر پہ چڑھا کر طلا کا جھول — کرتے تھے مکر و روز کی میزان میں ناپ تول
باقی تھی کچھ خلوص کی قیمت نہ حق کا مول — غائب ہوا تھ مغز فقط رہ گیا تھا خول
اک شور تھا کہ نعمت لطف یزید لو
دین اپنا بیچ بیچ کے دنیا خرید لو(۶۹)

نسیمؔ امروہی کا عصری شعور بہت گہرائی تک پیوست ہے ابن آدم نے کس طرح سے اپنے مکر و فریب سے انسانوں کا استحصال کیا ہے، کس طرح ظلم و جبر کی انتہا کی اور انسانیت ذہنی وجسمانی طور پر یزید کے شکنجے میں جکڑی رہی ان سب حالات کی آگاہی نسیمؔ امروہی کے کلام میں آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے انہوں نے یزید کی شکل پورے عالم انسانیت کو اس طرح دکھائی ہے:

ظالم یزید فاسق و بد کار و بد شعار — بد نفس بے نماز، مغنی ،شراب خور
دین کے لباس میں سگ دینائے نا بکار — بو جہل وقت عہد جہالت کی یادگار
ڈرتا نہ تھا خدا سے خودی کا مرید تھا
ابلیس پر غرور بہ شکل یزید تھا(۷۰)

مرثیہ ”اے انقلاب عزم و عمل ہے تو“ میں قوم کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسلمانوں کی اب سے صدیوں پہلے کی حالت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے نسیمؔ امروہی کے مرثیے قاری کو سانحہ کربلا کے پس منظر میں یزیدی محرکات کا ادراک دلاتے ہیں سید صفدر حسین کا کہنا ہے:

> ”یہ سب سے پہلا مرثیہ ہے جس میں مصنف نے حقائق وعقائد کو فلسفیانہ انداز بیان کے سانچے میں ڈھالا ہے اور جدید تخیل کو قدیم فنی بلندیوں کے ساتھ سمو کر مرثیہ گوئی میں ایک نئے رنگ کی بنیاد ڈالی ہے“(۷۱)

نسیمؔ امروہی نے مسلم امہ کے اخلاقیات پر بڑی تیز طنز کی ہے مرثیے ”اے انقلاب عزم و عمل ہے تو“ کا مندجہ بالا بند مزاحمتی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے جسے نسیمؔ نے اپنی مرثیہ نگاری کا نصب العین بنایا ان کے شکوے اور مزاحمتی لہجے کا عکس بھی یہاں نمایاں ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شر کے طوفان میں پھنسے مسلمان کی بے عملی کی تکرار شدت کے ساتھ کی گئی ہے ساتھ ہی نسیمؔ نے اپنی موجودہ نسل کے مسلمان کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے جب وہ ارباب اختیار کو استحصالی عبور کرنے میں مصروف عمل دیکھتے ہیں تو ان کا قلم یہ رخ اختیار کرتا ہے:

سلطان ظلم و جور سفیہ و ستم ظریف　　نذر گناہ جس کا ہر اک جوہر لطیف
روح خبیث پیکر بد عنصر کثیف　　اللہ کی زمیں پہ خود اللہ کا حریف
دست ریا ہیں دامن ایماں لیے ہوئے
سینے میں کفر ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے(۷۲)

نسیمؔ امروہی کے مرثیوں کا وژن اعلیٰ پایے کا ہے یہی وجہ ہے کہ مرثیہ ''اے انقلاب عزم و عمل ہے تو'' کا موضوع ملت اسلامیہ کے احوال و اصلاح سے جڑا نظر آتا ہے ان کے رثائی مجموعہ میں موجودہ مرثیہ ایسا مرثیہ ہے جس کے ذریعہ سماج میں پھیلی ہوئی تلخ حقیقتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے اردو مرثیہ کے موجودہ سرمائے میں نسیمؔ امروہی کے مرثیے ان کے اچھوتے اسلوب اور تکنیک کی نئی راہوں سے گزرتے ہوئے یزیدی دور اور امروہی دور کی حقیقت اور اس کی تہہ داریوں کے امین ہیں۔

د۔ ظلم پسندی بحوالہ مرثیہ وحید الحسنؔ ہاشمی

i۔ جوہر وراثت

بیسویں صدی کی نصف دہائی کے بعد مرثیہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں وحید الحسن ہاشمی کا نام بھی کافی اہمیت رکھتا ہے مرثیہ ''جوہر وراثت'' میں مرثیہ گو نے عام انسان پر کیئے گئے ظلم کو حقیقی پس منظر میں بڑی فن کاری کے ساتھ پیش کیا ہے وہ اپنی وسیع النظری کی بدولت اپنے سماج میں ظلم کے بکھراؤ کو دیکھ کر شدید مزاحمت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں وحید الحسنؔ ہاشمی نے سماجی رویوں کو بیان کرتے ہوئے ایک انسان کی دوسرے انسان سے نفرت کو ابھارا ہے مرثیہ ''جوہر وراثت'' میں انہوں نے معاشرتی سطح پر بشری طبقات کے درمیان پائے جانے والی کشمکش کو اجاگر کیا ہے مرثیے میں وحید الحسنؔ ہاشمی کے دور کی زندگی اور حالات سے آگہی ملتی ہے اس حوالے سے یہ بند ملاحظہ کیجئے:

معاشرے ہی سے بنتا ہے آدمی کا مزاج　　یہی سجاتا ہے انسانیت کے فرق پہ تاج
ہے بھائی بھائی کا قاتل اگر برا ہے سماج　　معاشرے میں ہے یوسف کو بیچنے کا رواج
یہاں تو دیں کے سب آثار سوخت کر ڈالیں
خدا ملے تو اسے بھی فروخت کر ڈالیں(۷۳)

مرثیہ ''جوہر وراثت'' میں سماجی سطح کے جن امور کو پیش کیا گیا ہے وہ اس سخن گو کے تجربات کا نچوڑ ہے طبقاتی تقسیم نے انسانی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے وحید الحسن ہاشمی نے مرثیے میں مغربی فکر رکھنے والے حضرات کو آڑے ہاتھوں لیا جو دوہرے رویے کے حامل ہیں جو انسانی مشکلات کا تزکرہ صرف بلند بانگ تقریر کر کے گزد جاتے ہیں مگر اپنے مفادات پر ضرب نہیں پڑنے دیتے ان کی کی تمام ہمدردیاں اپنی اقدار اور اہمیت کی تسکین کے لیے ہوتی ہیں انہوں نے ایسے تمام افراد کی احساسی فکر کو مرثیہ میں جزیئات کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کے مکروہ چہرے سے ذاتی مفاد پرستی کا نقاب اس طرح اتارا ہے:

یہ نسل وخوں کے خلاف آج کل مچی ہے جو دھوم وہ چاہتے ہیں کہ یکساں ہوں ظالم و مظلوم
نہ کوئی فرق ہو ما بین مجرم و معصوم یہاں یہی ہے مساوات حشر نا معلوم
وہی نہ جائے گا جو ہے مقام جس کے لئے
تو پھر یہ دوزخ و جنت بنے ہیں کس کے لئے(۷۴)

مرثیہ '' جوہر وراثت'' مرثیہ نگار کے عمیق مشاہدے اور جستجو پر مبنی ہے وحید الحسن ہاشمی قوم کو بے عملی سے نجات دلانا چاہتے ہیں تا کہ پسماندہ انسانیت کو لوح و رفعت سے ہم کنار کیا جا سکے اور سماجی سطح پر انقلاب برپا کیا جا سکے وہ منفی اقدار پر گہری نظر ڈالتے ہوئے بڑے ملول نظر آتے ہیں نواز حسن زیدی کا کہنا ہے:'' مجموعی اعتبار سے یہ مرثیہ مرثیہ نگار کے کمال فن، زبان و بیان پر قدرت علمی، لسانی شعور، بیسویں صدی کے طرز احساس، عصری شعور تاریخ پر گہری نظر، فلسفہ تاریخ کے علم، فلسفہ سائنس اور علم نفسیات سے دلچسپی، کشف نظر اور محمدؐ و آل محمدؐ سے عقیدت کا برملا شاعرانہ اظہار ہے''(۷۵) درج بالا بند میں ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو آج کے دور کا المیہ بھی ہے اس بند میں وحید الحسن ہاشمی نے اپنے سماج کی بے سمتی کو پیش کیا ہے سماجی تذبذب کو دیکھتے ہوئے ہاشمی نے حقیقت نگاری کے ساتھ نئے انسانی روپ اختیار کرنے پر پسر نوع کو مثال بنا کر پیش کیا ہے ذرا اس بند کو ملاحظہ فرمائیں:

برا معاشرہ تو ہین آدمیت ہے یہ وہ عذاب ہے جس کا اثر ندامت ہے
بناؤ میں یہی ماحول اک ہدایت ہے بگاڑ میں پسر نوحؑ اک علامت ہے
جو ذات حکم نبیؐ سن کے آ نہیں سکتی
اسے نبیؐ کی قرابت بچا نہیں سکتی(۷۶)

تاریخ کے بدلتے ہوئے دھارے میں نسلی امتیازات اپنی جگہ بر قرار رہے اور وقت نے اس میں بے شمار المیے تحریر کر دیئے وحید الحسن ہاشمی نے تاریخ میں پھیلے ان المیوں کو ان تمام معروضات کے ساتھ پیش کیا ہے ان کے دور میں سلطنت کے امور جس طرح انجام دیئے جا رہے ہیں اور اپنے مفاد کی خاطر بلند پایہ دعوؤں کے ایک ایک پہلو کو نمایاں کیا ہے عوام کی زندگی اپنے آقا کی مرہون منت ہے جو اپنے مفاد کی خاطر غریب عوام کا استحصال کرتے اس استعماریت نے ملک کا کیا حال کیا ہے جہاں کے نمائندے اپنی بالا دستی بر قرار رکھنے کے لیے اور نظریاتی مقاصد کی تکمیل کے لیے بظاہر دعویٰ عصمت کے نعرے لگاتے لیکن در حقیقت عیش عشرت کی زندگی گزارتے ہیں وحید کا رثائی مزاحمتی انداز اس بند میں دیکھیے:

وہ کم نسب جسے مل جائے سلطنت کا نظام　　وہ چاہتا ہے کرے قلب دو جہاں کو غلام
کبھی لٹاتا ہے دولت کبھی بڑھاتا ہے جام　　زباں پہ دعویٰ عصمت عمل تمام حرام
اماں طلب ہے خدا کی کتاب دکھلا کر
صنم پہ مرتا ہے اللہ کی قسم کھا کر (۷۷)

یہ بھی ایک کلاسی رویہ ہے کہ خود کو اور اپنے خاندان کو ہمیشہ نمایاں حیثیت میں دیکھا جائے جس کی باقی معاشرہ پیروی کرے مرثیہ ''جوہر وراثت'' یہ بند اس بات پر روشنی ڈالتا ہے ہم انقلاب کے زمانے میں بہہ جاتے ہیں مگر خود کو کبھی ڈی کلاس نہیں کر سکتے اور جینے کے لیے ایک احساس تفاخر کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے گویا یہ انسان کی سرشت میں داخل ہے کہ وہ کسی کو افضل اور کسی کو حقیر سمجھے اس لحاظ سے اعلیٰ طبقہ ہمیشہ توجہ کا مرکز رہتا ہے اور پسماندہ طبقہ بھی کسی نہ کسی طور پر اعلیٰ طبقے میں شمولیت اختیار کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں بعض اوقات ایسی نوبت آ جاتی ہے کہ لوگ اپنا مذہب تک تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس مذہب نے ہمیں کیا دیا وحید الحسن ہاشمی نے اس بند میں مسلم امہ کی دین اسلام سے غفلت کے اذیت ناک پہلو کو نمایاں کیا ہے اور اس کی یوں مزاحمت کرتے نظر آتے ہیں:

لہو میں جس کے ہو شامل مفاد ذات کا رنگ　　خود اس کو گھیرے میں رکھتی ہے اس کے دل کی امنگ
امیر بننے کی خواہش میں دو جہاں سے ہے جنگ　　غرور جہل میں قرآں کو مارتا ہے خدنگ
ہے دل کا شوق کہ شاہ حجاز ہو جائے
وضو ہو بعد میں پہلے نماز ہو جائے (۷۸)

وحید الحسن ہاشمی نوحہ اور سلام میں استادانہ مہارت پیدا ہو جانے کے بعد مرثیہ گوئی کی طرف راغب ہوئے اور ابتدا میں کچھ کلاسیکی طرز کے کہے مگر زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کے سبب پرانی طرز پر قائم رہ کر مقبولیت حاصل کرنا ناممکن محسوس ہوا چناچہ مرثیہ کا نیا رنگ اختیار کیا یہ نیا رنگ ان کے یہاں اس لئے بھی زیادہ تیزی سے در آیا کہ وہ صرف مرثیہ گو ہی نہ تھے قومی معاملات میں بھی دخیل تھے جس کا اثر ان کی فکر پر پڑنا لازمی تھا یہی وجہ ہے کہ وہ مرثیہ میں بھی تبدیلی کی کیفیت دیکھنا چاہتے تھے جو تحریک آزادی کے متوالوں نے برپا کی تھی آغا سہیل کا کہنا ہے ''وحید الحسن ہاشمی اس لئے نمایاں اور ممتاز ہیں کہ انھوں نے کلاسیکت کے معتبر اسالیب سے دامن نہیں بچایا اور جدید رنگ کے معیار کو ملحوظ رکھ کر مرثیہ کہا یعنی اپنے زمانے کو اور اس کے تقاضوں کو اپنے مرثیے سے منہا نہیں کیا ان کے مرثیوں میں عصری حسیت ان کے پیش رو جوش اور آل رضا کی طرح موجود ہے اس سلسلے میں ان کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مراثی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے''[۷۹]

اس بند میں اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والا معرکہ کربلا کے پس منظر میں انہوں نے یزیدی رجحان کو پیش کیا ہے جس نے اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے خانوادہ رسولؐ سے بیعت طلب کی مرثیہ ''جوہر وراثت'' میں مرثیہ نگار نے برے سماج کی انسانی تفریق کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ سماج کے اس تفریقی نظام کی مزاحمت کی ہے آج کا انسان مفاد پرستی میں انسانیت سے کتنا گر چکا ہے ہاشمی صاحب نے ان کی طرز زندگی اور ان کے اشکال کی جزئیات نگاری کے ساتھ ان کے حرکات وسکنات کا ایسا منظر پیش کیا ہے جس سے ان کی تمام خصلتیں واضح نظر آتی ہیں دیکھیے:

برے سماج کا انسان سر پھرا بھی ہے   یہ پر فتن بھی پر آشوب و پر خطا بھی ہے
کشیدہ سر بھی ہے حرفوں کا یہ بنا بھی ہے   بتوں کو خلق بھی کرتا ہے پوجتا بھی ہے
قعود سے نہ غرض ہے نہ کچھ قیام سے ہے
سراپا کفر ہے بیعت طلب امام سے ہے[۸۰]

ان کے مراثی کا انداز عصری تقاضوں کے ساتھ بدلتا رہا اور انہوں نے مختلف موضوعات کو منتخب کر کے ان پر مرثیے کہنا شروع کیے ان کے منتخب کردہ چالیس موضوعات میں جوہر وراثت، ارتقاء، کربلا کربلا، آئین، انا اور خودی وغیرہ بہت اہم ہیں وحید الحسن ہاشمی نے مزکورہ بالا موضوعات پر مرثیے کہہ کر اردو مرثیہ کے دامن کو اسلامی فکر کی دولت سے مالا مال کر دیا اور یہی ان کا سب سے بڑا کمال ہے مظفر عباس کا کہنا

ہے ”سید وحید الحسن ہاشمی ایک صاحب طرز جدید مرثیہ گو ہیں“(۸۱) مرثیہ نگار نے انسانی فطرت کی اس حقیقت کو چیلنج کیا ہے اکثر کہا جاتا ہے کہ بچے کا پہلا سکول ماں کی گود اور گھر ہوتا ہے اس لیے اس کے گھر میں جیسا ماحول ہو گا بچہ وہی سیکھتا ہے خاندانی انتشار اگر بچے کے آباؤاجداد میں پایا جاتا ہے تو اس ٹوٹ پھوٹ اور ظلمت کا ایک الم انگیز منظر نامہ ہے وحید الحسنؔ ہاشمی نے مرثیہ جوہر وراثت کے اس بند میں انسانی نفسیات کے بہت سے رازوں سے پردہ ہٹایا ہے موجودہ دور کی تیز رفتار دنیا میں والدین کے غلط رویے بچے کی نفسیات پر برا اثر ڈالتے ہیں ہاشمی اس غم ناک صورت حال کو انتہائی حقارت سے طنز کا نشانہ بناتے ہیں:

قصور کچھ نہیں بچے میں اس کی فطرت کا　　اثر تو آئے گا اجداد کی وراثت کا
اساس قلب پہ سایا ہی جب ہو ظلمت کا　　کہاں سے آئے گا انساں میں نور غیرت کا
جو سانس لیتا ہے بے غیرتی کی پستی میں
عجب نہیں کہ پڑھا دے نماز مستی میں(۸۲)

وحید الحسنؔ ہاشمی نے مرثیہ ”جوہر وراثت“ کے مناظر کی پیش کش میں گہرے سماجی شعور اور باریک بینی کا ثبوت دیا ہے ہر منظر کے پس پردہ ان کے زمانے کا تہذیبی شعور جھلکتا نظر آتا ہے انہوں نے پاکستانی سماج میں نئی نسل کی بے راہ روی اور بے فکری کو نشانہ بناتے ہوئے سارا ملبہ والدین کے سر ڈالا جو ظاہری طور پر اپنے آپ کو مغربی کلچر کے نمائندے دکھانے کی کوشش میں مصروف ہیں مگر داخلی طور پر اسلامی کلچر کی روایات سے ناطہ ٹوٹ جانے کے باعث شدید بحران کا شکار ہیں ایسے دوغلے ماحول میں پل رہی نسل مغربی روش اختیار کرتے ہوئے خدائی نمرود تو بن گئے لیکن انسانی روایات کی زنجیریں کاٹ دیں، اخلاقی اقدار کو بھول گئے انسانی زندگی کی اس کشمکش کو وحید الحسنؔ ہاشمی نے یوں پیش کیا ہے:

تمام شر ہے اگر نسل میں ہے کچھ خامی　　ہو کوئی لاکھ معزز مگر ہے بد نامی
اب اس سے بڑھ کے نہیں کچھ ثبوت ناکامی　　بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی
حرم کے بت سبب کار رہبری نہ بنے
خدا تو بن گئے پتھر سے آدمی نہ بنے(۸۳)

لفظ کی بڑی حرمت ہے ایک لفظ ہی ہے جس کی بناء پر کائنات کی تخلیق ہوئی لہذا الفاظ کی اپنی جگہ تاثیر ہے وحیدؔ الحسن ہاشمی لفظ کے تقدس کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک نئے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں ان

کے رثائی کلام میں الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جیسے یہ الفاظ مسلح ہو کر فتنہ گر کے لئے مبارزت کر رہے ہوں الفاظ کی بازی گری کے بارے میں ان کے یہ اشعار قابل دید ہیں:

بد اصل میں نہ ملے گی کہیں رگ تکریم　　شناخت اس کی دغا ہے خطاب اس کا لئیم
خدا کے حکم میں کرتا ہے رات دن ترمیم　　اسی کو حق نے کہا سورہ قلم میں نمیم
ثبوت فتنہ گری اسکی عادت ہے
خدا کے بعد گواہی کی کیا ضرورت ہے(۸۴)

وحید الحسن ہاشمی کے رثائی کلام کے بیان میں الفاظ کا حسن، بیان کا جوش، معانی کا لطف، بندش کی چستی، تخیل کی گل کاری، خیالات کی روانی اور مرثیے میں رثائیت کی فضا برقرار رہتی ہے جس کے سبب ان کے مرثیے کو ہمارے رثائی ادب میں ایک خاص مقام نصیب ہوا۔

ii۔ ارتقاء

وحید الحسن ہاشمی گرد و پیش کے ماحول کا بخوبی جائزہ لیتے رہے اور ہر دور میں اپنی آنکھیں کھلی رکھیں ہر طرح کے حالات پر ان کی نظریں رہتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحید صاحب زمانے کے اعتبار سے ڈھلتے اور چلتے رہے یعنی انہوں نے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا بخوبی جائزہ لیا جس سے ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور اپنے جذبات کو مزاحمتی انداز میں پیش کر دیا ہے۔ مرثیہ ''ارتقاء'' میں وحید الحسن نے انسانیت پر برپا ظلم کو شعری انداز میں پیش کیا ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ وحید ایسے مرثیہ نگار ہیں جنہوں نے مرثیے کے ذریعہ انسانیت پر برپا جبر کو اس طرح پیش کیا ہے جس کی نظیر بڑی مشکل سے ملتی ہے:

انسانیت پہ قہر ہے کیا ارتقاء یہ ہے　　آب و ہوا میں زہر ہے کیا ارتقاء یہ ہے
محصور سارا شہر ہے کیا ارتقاء یہ ہے　　ہر جسم خوں کی نہر ہے کیا ارتقاء یہ ہے
بھولے ہیں جو خودی میں خدا کے خیال کو
در در پھرا رہے ہیں وہ آدمؑ کی آل کو(۸۵)

مرثیہ ''ارتقاء'' ایک جذباتی مسدس نہیں بلکہ مرثیہ نگار نے درس اخلاق کے ذریعہ مرثیہ میں سماجی تنقید کو راہ دی جس میں انہوں نے امت مسلمہ کے مختلف طبقوں کے حال زار کی ایسی تصویر کشی کی ہے جو لفظ بہ لفظ حقیقت پر مبنی ہے اس ضمن میں شہزاد احمد کا کہنا ہے ''ان کے مرثیے بعنوان ''ارتقاء'' میں ارتقا کی

اصطلاح کو ہاشمی صاحب نے ڈارون کے معنوں میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا موازنہ اسلام کے عہد زریں سے کیا ہے اور یہ خواہش بھی بار بار ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ معاشرے کے اندر بہتر تبدیلی کے خواہش مند ہیں ایک ایسی تبدیلی جو ہمارے باطنی رویے کی تبدیلی ہو"[۸۶] وحید الحسن ہاشمی نے مرثیہ ارتقا کے مندرجہ بالا بند میں زوال آمادہ سماج کی پوری تصویر اپنے کلام میں سمو دی ہے ان کی تخلیقی قوت کچھ اس طرح سے تھی کہ دوران مطالعہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ تمام تصویریں ہماری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہیں آج ہمارا ملک پاکستان آزاد ہے مگر اس اذیت ناک درد کا نقشہ ہو یا تصویریں ہوں انہوں نے مرثیہ میں سماجی ابتر صورتحال کو کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے:

غربت کا نام صبر ہے کیا ارتقا یہ ہے — خلق خدا پہ جبر ہے کیا ارتقا یہ ہے
ہر دل وفا کی قبر ہے ارتقا یہ ہے — کھیتی پہ قحط ابر ہے کیا ارتقا یہ ہے

حالت کبھی زر سے نہ تا حشر ٹھیک ہو
کوشش ہے نا خدا کی خدا کا شریک ہو[۸۷]

وحید الحسن ہاشمی کے رثائی کلام میں دردو کرب کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر شخص پڑھنے والا ایسا محسوس کر سکتا ہے کہ یہ صداقت کی داستان خود اس کی اپنی آپ بیتی ہے جسے مرثیہ نگار نے جگ بیتی بنا کر پیش کیا ہے چونکہ وحید ایک سماجی سخن ور ہیں ان کی نظر سماج میں ہر طرح کے پہلوؤں پر رہی ہے لیکن انہوں نے مسلم امہ کو اپنے حقوق کا احساس دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے مرثیہ ارتقا کا بند ملاحظہ کیجیے:

بیگانہ سزا کف قاتل ہے ان دنوں — مغرور اپنے جہل پہ جاہل ہے ان دنوں
پوشاک حق میں پیکر باطل ہے ان دنوں — نافد سخی کے لطف پہ سائل ہے ان دنوں

یہ بھی عجیب منظر ناز و نیاز ہے
شیطاں کی پیروی ہے خدا کی نماز ہے[۸۸]

وحید الحسن ہاشمی کی رثائی خدمات کو کسی نے خوب سراہا تو کسی نے تنقیدی بصیرت ظاہر کی جہاں اعتراف عظمت کا اظہار ہوا وہیں انحراف کا اظہار بھی کیا گیا انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "وحید الحسن ہاشمی کے یہاں مرثیہ صرف مرثیے کی روایت سے پیدا نہیں ہوا اسے دوسری بڑی اصناف سے فیض پہنچتا ہے قصیدے اور غزل سے تشبیب تو علانیہ ان

کے مرثیے میں موجود ہے ویسے بھی ان کے ہاں جابجا بیان کا جو شکوہ نظر آتا ہے اس میں بھی شاید قصیدے کا اثر کام کر رہا ہے غزل سے انہوں نے بات کہنے کے ایمائی طریقے سیکھے ہیں اور مرثیے کے مضمون کو تغزل کے رنگ میں ڈھالنے کا فن حاصل کیا ہے"(۸۹)

وحید الحسن ہاشمی فطری مرثیہ گو ہیں ان کی سوچ کا دائرہ محدود نہیں بلکہ انہوں نے گھر سے باہر نکل کر گردو پیش کے ماحول کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور پرکھا پورے ملک کے حالات سے متاثر ہوئے یہاں تک کہ عالمی دنیا کے حالات حاضرہ کا بخوبی جائزہ لیا اور انہیں موضوع بنا کر مرثیے میں سمو دیا حیران و پریشان ہو کر بے ساختہ وہ یہ کہہ پڑتے ہیں:

رقص و سرور کی جو محافل ہیں آج عام رنگ جمال و حسن کے جو لگ رہے ہیں دام
جو بک رہے زر کے عوض و ہرس عوام سردار بن گئے ہیں جو سو پشت کے غلام
بیگانہ دوام ہے ادنیٰ مقام ہے
یہ ارتقاء مزاج کی پستی کا نام ہے(۹۰)

اسلام کی زبوں حالی اشعار کی صورت میں پیش خدمت ہے:

دنیا کے زیر دین ہے کیا ارتقا یہ ہے شک پیرہن یقین ہے کیا ارتقا یہ ہے
خون سے پر آستین ہے کیا ارتقا یہ ہے مقتل ہر اک زمیں ہے کیا ارتقا یہ ہے
کوشش یہ ہو رہی ہے نہ توحید عام ہو
ہے ارتقا یہی کہ مسلماں غلام ہو(۹۱)

مرثیہ "ارتقاء" وحید الحسن کے ذہنی کرب کی تلخیص ہے انسانی جذبات، سماجی حالات جیسی کیفیات کا پس منظر حوالوں اور مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے مرثیہ نگار نے قدیم روایت سے لیکر جدت پسندی، ثقافتی دور سے لیکر معاشرتی پستی کا ذکر اشعار کی شکل میں اس طرح پیش کیا کہ دوران مطالعہ زندگی میں وقوع پزیر ہونے والے تمام تر حالات و واقعات، حادثات ہماری آنکھوں کے سامنے رقص کناں نظر آتے ہیں اسی قبیل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جو اس مرثیہ میں شامل ہیں:

ہر لمحہ حیات پریشاں ہے ان دنوں　　تہذیب عصر غور سے گریزاں ہے ان دنوں
کیا کیا زوال فکر کا ساماں ہے ان دنوں　　صحرا کا نام صحن گلستاں ہے ان دنوں

گونگوں کا شور مرکز افسانہ بن گیا
وقتی ابال ہمت مردانہ بن گیا(۹۲)

مرثیہ ارتقاء میں فلسفیانہ تصورات کا رنگ ڈال کر اور بھی زیادہ اس کی اہمیت بڑھا دی گئی ہے یہاں تک کہ ان کے مرثیے میں زر، زیست، جنس، حسد، جہل، پنداد، گلچیں، فشردہ جیسے الفاظ کی تجلیاں اس طرح جلوہ گر ہیں کہ وہ پکے خدا پرست تو نہیں تھے لیکن مذہب پسند ضرور تھے ان کی فلسفیانہ فکر کا رنگ جگہ بہ جگہ نمایاں ہے:

کمتر ہوا ہے جہل سے پندار ان دنوں　　زر بن گیا ہے زیست کا معیار ان دنوں
جنس حسد کا گرم ہے بازار ان دنوں　　انکار کا لباس ہے اقرار ان دنوں

گلچیں کو ہے فشردہ نرجس سے اجتناب
ذاکر کو ہے غریب کی مجلس سے اجتناب (۹۳)

سید وحید الحسن ہاشمی کے مراثی کا استقبال کرتے ہوئے مظفر عباس نے موصوف کو اردو مرثیے کا وحید العصر قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں: ''وحید الحسن ہاشمی صاحب ہمارے مذہبی شعری روایت کے اس قبیلے کے فرد ہیں جس نے قدیم روایت کے اندر سے اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے ان کے کام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعر مرثیے کو اس حد تک جدید تقاضوں کے قریب لے آیا ہے کہ جدید سے جدید ذہن بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ (۹۴)

iii۔ کربلا کربلا

مرثیہ ''کربلا کربلا'' اس دہشت ناک ماحول کا ترجمان ہے جس میں یزید کے شیطانی خدوخال کو دکھایا گیا ہے بظاہر یہ مرثیہ سماجی حالات پر لکھا گیا ہے یہ آج کے انسان کے تجربے کا ایک روپ ہے جو اپنی پسماندگی کے دائرے سے یا تو خود ہی باہر نکلنا نہیں چاہتے یا پھر ان کی خود غرضی انہیں اس میں اسیر کیے ہوتی ہے آج ہم جس ماحول میں سانس لے رہے ہیں وہ ڈپریشن کا ماحول ہے مرثیہ ''کربلا کربلا'' ایسے ہی انسانوں کی دنیا ہے جو

ڈپریشن سے گزر رہے ہیں دوسرے لفظوں میں مرثیہ نگار نے ان اخلاقی اقدار کو بازیافت کرنے کی کوشش کی جو اس جبری ماحول میں گم ہو چکی ہیں ان کیفیات کی عکاسی وحید الحسن نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے:

دوستی کے تن نازک پہ ہے نفرت کا لباس   وہ کشاکش ہے کہ لرزاں ہے محبت کی اساس
کیسے راس آئے اخوت کہ مسلط ہے ہراس   ساری طاقت کے ذرائع تو ہیں قابیل کے پاس
کرب مقتول جفا دہر میں بد نام ہے آج
بیگناہی کی صفت مورد والزام ہے آج(۹۵)

وحید الحسن ہاشمی احتجاجی ذہن رکھتے ہیں ان کا احتجاج یہود و نصاریٰ کی ظلم پسندی پر سوالیہ نشان اٹھاتا ہے ان کے ذہن میں یہ سوال گونجتا ہے کس طرح مغربی شدت پسند خود کو مستحکم کرنے کے لیے مسلمانوں کی دھجیاں اڈار ہے فرنگی مکروہ تدبیروں سے مسلم قوم کو آپس میں لڑاتے چناچہ انہوں نے اس حقیقت کو تحقیر بھرے انداز میں یوں پیش کیا ہے:

متحد ہیں اسی خواہش پہ نصاریٰ و یہود   ان کا مقصد ہے کہ مٹ جائے مسلماں کا وجود
اہل ایماں کا ہر اک راستہ کر کے مسدود   بہر تاراجی حق بھیج دیئے اپنے جنود
کس فراست سے وہ خون شہیدا چاٹتے ہیں
حکم وہ دیتے ہیں ہم اپنا گلہ کاٹتے ہیں(۹۶)

وحید الحسن ہاشمی کے رثائی موضوعات میں تنوع ہے، کلاسیکت اور جدیدیت کا حسین امتزاج بھی ہے اور انسانیت کی آواز جلوہ گر ہے مسائل کے انبار دیکھ کر بھی وحید پر امید ہے کہ کسی نہ کسی دن قسمت کا سکندر چمکے گا شبیہ الحسن کا کہنا ہے:

> ''کربلا کربلا'' نامی مرثیے میں شاعر نے عصر حاضر کے دل و جگر، کمر و نظر بلکہ مکمل بشر کو زخمی قرار دیا ہے۔ شاعر نے اس مرثیے کے ابتدائی بندوں میں معاشرے اور اس میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کی پست ہمتی اور کشاکش کا نقشہ نہایت خوبی اور چابکدستی سے کھینچا ہے۔ شاعر نے بتایا ہے کہ زمانہ حال کا انسان محبت اور اخوت سے دور ہو گیا ہے اس پر خوف و ہراس کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ معاشرے میں اہل علم کی تزلیل اور جہلا کی توقیر ہو رہی ہے۔ شاعر نے اس پستی کا سبب یہ بتایا ہے کہ

نصاریٰ اور یہود نے پوری کاوش سے مسلمانوں کے خلاف اتحاد قائم کر لیا ہے۔ملک کے غداروں کو جاہ و منصب دے کر خرید لیا گیا ہے۔اب حالت یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا خون بحا رہا ہے جن بہادر اور خود دار اشخاص نے ان مغربی حیلہ گروں سے بغاوت کی انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا اس کشمکش میں کربلا والوں کو یاد کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہے شاعر نے کربلا کو ایک جیتا جاگتا معجزہ اور کربلا کے شہیدوں کو روشنی کا مینار کہا ہے‘‘(۹۷)

ہاشمی صاحب مرثیہ ’’کربلا کربلا‘‘ میں مسلم قوم کی بربادی کی جھلکیاں ان الفاظ میں دکھا رہے ہیں کہ مسلم قوم کے درمیان بدگمانی پھیلتی جا رہی ہے اور مسلمانوں کی یہ ذہن سازی کی گئی کہ فرنگی ان کے مذہب سے منافرت نہیں رکھتے درحقیقت یہ مسلم قوم کی سب سے بڑی بھول تھی اور سب سے بڑا المیہ بھی اور یہی فرنگی کا کمال ہے کہ مسلمان ایک دوسرے پر پاگلوں کی طرح ٹوٹ پڑتے اور قتل وغارت گری کا بدترین مظاہرہ شروع ہو جاتا ان دگرگوں کیفیات کو مرثیہ میں وحید الحسنؔ ہاشمی ان الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں:

ایسا پھیلا ہے زمانے میں یہ تزویر کا جال   اہل اسلام کا اب اس سے نکلنا محال
کس میں دم ہے جو نہ مانے یہ فرنگی کا کمال   خوش ہے قاتل کی چھری گردن مقتول نہال

کفر تو مکر کی چالوں میں مگن رہتا ہے
دست مسلم سے مسلماں کا لہو بہتا ہے(۹۸)

مرثیہ نگار نے مسلم قوم کے کرب کو شدت سے محسوس کیا تھا اس لیے ان کے مرثیوں میں جذبات نگاری پوری طرح موجود ہے مسلمانوں کے اذیت ناک کرب کو اپنے مرثیوں میں پورے فنی مہارت کے ساتھ برتا اور صنف مرثیہ کو بلندی تک پہنچایا کیونکہ یہ صنف ثبات، گہرائی اور حقیقی تصویر کشی کا تقاضا کرتی ہے ان کے تخلیقی ذہن نے فرنگی کی چالوں کو سمجھا کہ عالم اسلام کے چمن کو ویران کیا جا رہا ہے، حق غصب کیے جا رہے ہیں گویا ظلم پسندی انتہا کو پہنچ چکی انہی سازشوں نے ذہنی طور پر وحید الحسنؔ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ بلا اختیار کہہ اٹھے:

ہاتھ میں امت مرحوم کے شمشیر ان کی پاؤں میں پیرو اسلام کے زنجیر ان کی
پردہ گوش پہ رہ جاتی ہے تقریر ان کی چوم لیتے ہیں نظر آئی جو تحریر ان کی
ان کے ایما پہ بھرے گھر کو سزا دیتے ہیں
وہ کہیں آگ لگا دو تو لگا دیتے ہیں(۹۹)

فنکار کے تخلیقی ذہن نے اپنے اظہار کے لیے نئے نئے وسیلے تلاشے مزاحمتی مرثیے کی کئی کئی مثالیں قائم کیں اس لیے مغربی آمریت کے خلاف مزاحمتی مرثیے لکھے اور حق ثابت کرنے کے لیے دوٹوک زبان استعمال کی تاکہ آشوب عصر کی معنویت ہاتھ آسکے مرثیہ ''کربلا کربلا'' میں حکمران طبقہ پر طنزیہ رنگ بھی ہے ملاحظہ کیجیئے:

آج بھی ان کے وفادار ہیں شمشیر بکف پاؤں دربار میں ہیں آنکھ ہے آقا کی طرف
جی میں ٹھانی ہے کہ شیرازہ امت ہو تلف عبقری فکر جو مٹ جائے تو پورا ہو ہدف
ایسی تہذیب ہو انسان مہذب نہ رہیں
کفش برادر تو ہوں داعی منصب نہ رہیں(۱۰۰)

بحیثیت فرد وحید الحسن ہاشمی زمانے کے جبر سے علیحدہ نہیں ہوسکے ان کے تصورات سے پاکستان کے ابتدائی دنوں کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے ان کا بڑا وصف ہے کہ مرثیہ ''کربلا کربلا'' کو سماجی پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے انہوں نے پاکستان کو بنتے اور پھر مشرقی پاکستان کو ٹوٹتے دیکھا انہیں اپنا حال تاریک نظر آیا تو مستقبل کی بھی امید افزا شکل دکھائی نہیں دی وہ قنوطیت میں رہتے ہوئے کسب فیض واقعہ کربلا سے حاصل کرتے ہیں اس اعتبار سے محمد سعید معزالدین لکھتے ہیں:

''واقعہ کربلا کا یہ فیضان ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے عصر حاضر میں ایسے شعراء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو ان اصناف کے حوالے سے معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں انہی میں ایک سید وحید الحسن ہاشمی بھی ہیں جو تقریباً نصف صدی سے مزکورہ اصناف کی آبیاری خون جگر سے کر رہے ہیں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ کربلا کے واقعے کے مختلف پہلوؤں کو جس

طرح اجاگر کیا ہے وہ قابل تحسین ہے چناچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے واقعہ کربلا کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو معاشرے میں رائج کرنے کا قابل قدر فریضہ انجام دیا ہے"[۱۰۱]

وحید الحسنؔ ہاشمی مسلم قوم سے ہمدردی کی شیرنی سے سرشار نظر آتے ہیں مرثیہ "کربلا کربلا" ایسا مرثیہ ہے جس سے ذریعے سماج میں پھیلے کفر کی تلخ حقیقتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے قیام پاکستان کے بعد صورت حال زیادہ سنگین تھی سماجی افراتفری، اخلاقی گراوٹ جیسی چیزیں پیدا ہوئیں اس بند میں سماج میں پھیلی ہوئی بدامنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہیں ہر جا امتیازات کے لگے پودے نظر آئے مرثیے میں اجتماعی مسائل کا بیان زیادہ ملتا ہے ہاشمی نے وطن کی تاریکی کو نمایاں کیا ہے تلخ حقائق کے بیان میں مرثیہ نگار کی ترش روئی دیکھیے:

کفر نے مصلحت وقت کی اوڑھی چادر — امتیازات کے پودوں کو لگایا گھر گھر
ترک مذہب کی ہوا نخل جواں کو دے کر — تلخ تر کر دیئے اشجار مسلماں کے ثمر

زہر آگیں چمن نظم ہی جب سارا ہے
ہر ثمر آگ لگاتا ہوا انگارا ہے[۱۰۲]

مرثیہ "کربلا کربلا" ظلم کے خلاف مزاحمت کا بہترین نمونہ ہے انہوں نے مرثیہ کو اپنی شہرت کے لیے استعمال نہیں کیا ان کی نیت خالص تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاعرانہ تعلّی سے کام نہیں لیا مرثیہ نگار نے جب لاہور شہر کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں پر بھائی کو بھائی سے لڑتے دیکھا کرتے تب انہیں احساس ہوا کہ اس ظلم کے پیچھے جو وجوہات کار فرما ہیں انہیں بے نقاب کیا جائے اس کرب ناک صورتحال کی طرف قوم کی توجہ مبذول کراتے ہوئے جبری کیفیت کو ان الفاظ کے ساتھ شعری قالب میں بیان کرتے ہیں:

بھائی بھائی میں ہو پیکار یہ مقصد ان کا — بوٹے گل گل سے ہو بیزار یہ مقصد ان کا
قوم کی قوم ہو نادار یہ مقصد ان کا — دست غازی میں ہو اخبار یہ مقصد ان کا

ان کا منشا ہے کہ بچوں کو جوانی نہ ملے
جن کے باقی ہیں نشاں ان کو نشانی نہ ملے[۱۰۳]

وحید الحسنؔ ظالم و جابر کے خلاف بولنے کو جہاد سمجھتے تھے مرثیہ "کربلا کربلا" کا یہ بند اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والے واقعہ کی یاد دلاتا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے انسانیت کی لاج رکھی اور یزیدی ارادوں کو کچلا اور

ایک فاجر حکمران کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اپنے اصولوں کی قربانی دینا پسند نہیں کیا بلکہ اپنے خاندان، اصحاب کو شہید ہوتے دیکھنا منظور کر لیا ہاشمی صاحب بھی اس جذبے کو قوم کے اندر ابھارنا چاہتے تب ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

جس نے اس نسخہ افرنگ سے انکار کیا جسم تو اس کا ملا سر کا پتہ کچھ نہ چلا
اس کے گلشن میں خزاں آگئی گھر بار لٹا ایسے کردار کو افرنگ نے غدار لکھا

یوں تو کہنے کو وہ دنیا کی فضا چھوڑ گیا
مگر اس بیعت فاسق کی کمر توڑ گیا(۱۰۴)

مرثیہ "کربلا کربلا" انسانی زندگی کا ترجمان ہے انسانی زندگی میں پیش ہونے والے واقعات زمانے کی نا انصافیوں، فریب کاریاں اور دھاندلی جیسی کیفیات کو مرثیہ گو نے اجاگر کیا ہے ان کے کلام نے بھی ان کی زندگی کی طرح کئی کروٹیں لیں وحید الحسن ہاشمی پاکستان کے جدید مرثیہ نگاروں میں شامل ہیں جنہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا ادبی پس منظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وحید الحسن کا عہد انسانی بیداری و اصلاحی کا تھا بقول ظفر الحق چشتی:

"ہاشمی صاحب کا عقیدہ ہے کہ شعر و ادب اور فکر و فن کو 'کربلا' سے اعتبار اور وقار حاصل ہوتا ہے اور وہ فکر و فن اور شعر و ادب بیکار اور بے سود ہے جس میں شعور کربلا موجود نہ ہو میں سمجھتا ہوں کہ ہاشمی صاحب نے اسی شعور کربلا سے اپنے اس مرثیے کے شعری لوازمات کو جلا بخشی ہے۔ شاعرانہ فن کے اعتبار سے "کربلا کربلا" ایک اعلیٰ شعری نمونہ ہے۔ تلازمے اور صنائع بدائع جگہ جگہ اپنے جلوے دکھاتے ہیں خصوصاً صنعت تضاد سے ہاشمی صاحب نے بہت کام نکالا ہے"(۱۰۵)

مرثیہ نگار اپنے پیغمات کو مرثیہ کے ذریعے عوام تک ابلاغ کرتا ہے اور یہ ابلاغ موثر اور دیرپا ہوتا ہے وحید الحسن ہاشمی نے بھی اپنا پیغام عوامی ایوانوں تک پہنچانے میں بہترین وسیلہ اظہار مرثیہ کو قرار دیا ہے اور یوں سماجی سطح پر مزاحمت سے نہیں گھبرائے سانحہ کربلا کی تاریخی عظمت آج تک ہے اور ہمیشہ رہے گی بہتر شہدا کے خون کی تابندگی کبھی ماند نہیں پڑے گی اور وہ شہادت جس کا مقصد حق کی حفاظت تھا کبھی بھلائی نہیں جاسکتی امام کے رفقاء نے جس طرح اپنے آقا امام حسینؑ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے راہ خدا میں خود کو فنا

کیا مگر کسی موقع پر کمزور نہیں ہوئے بھلایا نہیں جا سکتا رہبر انسانیت ظالم سے ٹکرا کر اپنا مقام کس طرح حاصل کرتے ہیں اس حوالے سے اس سخن گو کا جذباتی بیان قابل تعریف ہے:

اس نظریے کو لئے اسلحہ برادر چلے پنجہ کش ہونے کو احرار سے بیمار چلے
حق فروشوں کی خریداری کو زردار چلے قافلہ کوئی نہیں قافلہ سالار چلے

اپنے آقاؤں کے ایما پہ جئے جاتے ہیں
نسخہ ان کا ہے دوائیں یہ دیئے جاتے ہیں(۱۰۶)

مرثیہ نگار کا کہنا ہے آج بھی انسانیت کی تزلیل کی جارہی ہے ظالم لڑنے پر آمادہ نظر آتے معاشرے کا منظر سیاہ ہو چکا اور خوف کی تاریکی سارے ماحول پر چھائی ہوئی ہے حقوق انسانی سلب کیے جارہے ہیں ظالم حکمرانوں کی خدائی مضبوط سے مظبوط ہے سوچ کے مطابق بشر کو جینے کا حق حاصل نہیں ایسی صورت حال کو وہ کربلا سے تعبیر کرتے ہیں مرثیہ ''کربلا کربلا'' کے اس بند میں آج کے حالات کا تجزیہ کچھ اس طرح کیا ہے:

دل کا آئینہ مکدر ہے جگر زخمی ہے دور ہے جلوہ امید نظر زخمی ہے
زیست کا کیسے اٹھے بار کمر زخمی ہے نطق پر خوف کے پہرے ہیں بشر زخمی ہے

سوئے انساں پہ بشاشت ہے نہ خور سندی ہے
انگلیاں خوں میں ہیں تر نام حنا بندی ہے(۱۰۷)

iv۔ انا اور خودی

دنیا دار فنا ہے یہاں کسی کو بقا اور دوام حاصل نہیں ہے چند روزہ زندگی کا سفر چشم زدن میں طے ہو جاتا ہے اور انسان فراموشی کی دنیا میں چلا جاتا ہے لیکن اگر اس کی خواہش یہ ہو کہ زمانہ اس کے بعد اسے یاد رکھے تو اسے ایسے کام کر کے جانا چاہیے جو قدم قدم پر اس کی یاد دلاتے رہیں وحید الحسن ہاشمی کا نام ان ایسے افراد میں شامل ہے جنہیں ان کی کثیر جہتی خدمات کی وجہ سے مدتوں یاد رکھا جائے گا اس سخن گو کی پوری دنیا شعر و شاعری کی فریم میں نظر آتی ہے جب مرثیے کے خدوخال پر تجزیاتی نظر ڈالی جائے تو اس فن کے تقاضوں کو برتنا ضروری ہو گا اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اس ہنر سے آراستہ ہو گا ہاشمی صاحب نے مرثیہ ''انا اور خودی'' لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہیں مرثیے کے رموز و اسرار سے واقفیت ہے اس لحاظ سے معراج نیر زیدی کا کہنا ہے:

''میرے پیش نظر وحید ہاشمی صاحب کا اسی قبیل کا مرثیہ ہے جس میں''انا اور خودی''کو موضوع بنایا گیا ہے ہاشمی صاحب نے انا کو ایک ایسا جذبہ بتایا ہے جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔انا پرست ہر مقام پر اپنے''میں''کے جذبے میں سرشار نظر آتا ہے جبکہ میں کا تصور شیطان کا تخلیق کردہ ہے یہی جذبہ نمرود ،شداد اور فرعون کے قلوب میں در آیا اور انسانیت کی تباہی کا موجب بنا اس کے برخلاف خودداری کا احساس ہے جو تمام انبیاء،اولیا اور آئمہ کرام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے ہاشمی صاحب نے ابتدائی بندوں میں انا کی گمراہی اور بعد کے بندوں میں خودداری کی راشی اور روشنی کا ذکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کربلا میں یزید انا اور امام حسینؑ خودداری کے نمائندہ تھے۔امام حسینؑ نے اسی جذبہ خودداری کے تحت بے مثال قربانی دیکر قرب الٰہی کی منزل حاصل کر لی اور فتح مند رہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ مرثیہ جدید اردو شاعری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے''(۱۰۸)

مرثیہ نگار نے مرثیہ''انا اور خودی'' میں سنجیدہ خیالات کو بیان کیا ہے جب انہوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو انہیں سماج میں انسان ذات پات کے نظام میں جکڑا نظر آیا وحید کے پیش نظر مسلم قوم کی اصلاح تھی لہٰذا اس مقصد کے لئے جو کچھ لکھا آسان زبان میں لکھا اور مرثیے کے ان اشعار میں خودی کی شناخت کی ترغیب دی گئی ہے جو کہ یقیناً اقبال کے تصور خودی سے مستعار لیا گیا ہے اشعار میں مسلمانوں کو بوجہل کی مثال دے کر ان کے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی گئی ہے:

جو ذات کی گردش سے نکل ہی نہیں سکتا　　بو جہل کی صورت وہ بدل ہی نہیں سکتا
پالے ہوئے جذبوں کو کچل ہی نہی سکتا　　گرنے کی وہ منزل ہے سنبھل ہی نہیں سکتا

نکلے جو گھروندے سے تو جلوہ نظر آئے
آئینے میں خود اپنے سوا کیا نظر آئے(۱۰۹)

مرثیہ''انا اور خودی'' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بتدریج مرثیے کے رموز و نکات کو اپناتے ہوئے ذہنی بالیدگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں ان کا منشا قوم کی اصلاح اور مقصد مسلم قوم کی جہد و عمل کی ترغیب دینا قرار پایا جذبے کی شدت نے ان اشعار کو پر تاثیر بنا دیا ہے دیکھیے:

جب ذہن کو ڈسنے لگے ماحول کی تلخی	جب شخص اکڑنے لگے ہر بات پر اپنی
چھینے لگے اغیار کے افکار کی برچھی	جب ذات سے آگے نہ بڑھے فکر کی تنگی

قائل ہی نہیں جب کوئی تاثیر دعا کا
اللہ کا بندہ نہیں بندہ ہے انا کا(۱۱۰)

روانی ان کے کلام کی صفت ہے ہیت میں کوئی نیا تجربہ ان کے یہاں نہیں ملتا بلکہ مروجہ ہیت مسدس میں ہی اپنے خیالات کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے البتہ بندوں کی ترتیب اور ردیف و قوامی کے التزام میں خاصی سلیقہ مندی کا ثبوت ہے لہجہ مزاحمتی و مبلغانہ ہے لیکن شدت جذبات نے کلام کو اثر انگیزی کی صفت عطا کی ہے وحید الحسن ہاشمی کے بیشتر مرثیے ان کے مزاحمتی رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں اور مقصدیت کے حامل ہیں ملاحظہ کیجیے:

جس شخص کے دل میں ہو تعصب کا اندھیرا	قسمت میں نہیں اس کی ہدایت کا سویرا
جب علم نہ ہو جہل لگا لیتا ہے ڈیرہ	کرتی ہے وہیں خود نگری آ کے بسیرا

خود بیں پہ آزار تعصب کا اثر ہے
اپنے کو سمجھتا ہے کہ مافوق بشر ہے(۱۱۱)

وحید الحسن ہاشمی نے رثائی حصہ میں رجائیت کو مد نظر رکھا ہے تاکہ لوگ مجلس سے عزم و عمل کا جذبہ لے کر اٹھیں اور باطل سے نبرد آزمائی کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں مرثیہ گو نے عصری مسائل، فکری موضوعات اور جدید فنی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اردو مرثیے کو نیا رنگ و آہنگ دینے کی کوشش کی صاف گوئی و جرأت اظہار ان کا بنیادی وصف ہے شبیہ الحسن کا کہنا ہے:

> ''انا اور خودداری' نامی اس مرثیے میں شاعر نے عصر حاضر کے ایک ایسے فرد کا نقشہ کھینچا ہے جو تشکیک و تیقن کے تصادم سے دوچار ہو کر گرفتار انا ہو گیا ہے وہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ بس اس کی ذات کائنات کی ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے اور اسی وجہ سے زمین و خلاء اس کے قلمرو میں ہیں۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ دنیادار کی انا حق کو نہیں دبا سکتی خودداری انا کے مقابلے میں ایک احسن جذبہ ہے عقلمند وہ ہے جو اپنی انا کو ختم کر کے خدا کے احکامات کی پیروی کرے اور محمدؐ و آل محمدﷺ کے طرز فکر کو اپنائے شاعر کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ اور ان

کے خانوادے نے طاغوتی طاقتوں کی انا کے بت خوداری کی تلوار سے پاش پاش کئے اور اسی طرح شام کے بازاروں اور درباروں میں حضرت زینبؑ نے اپنی تقریروں اور خطبوں کے ذریعے حق و باطل میں حد فاصل قائم کی۔شاعر نے زندان شام کا تزکرہ انتہائی الم انگیز انداز میں پیش کیا ہے مجموعی طور پر یہ مرثیہ فنی اور فکری ہر دو اعتبار سے انتہائی قابل قدر اور وقیع ہے" (۱۱۲)

ہاشمی مرثیے میں ایسے مناظر خلق کرتے ہیں جن سے ماحول پر بے حسی کی فضا طاری ہوتی ہے اور قاری حزنیہ احساسات سے دوچار ہو جاتا ہے مرثیے میں مکالمہ نے ڈرامائی کیفیت پیدا کر دی ہے اور سوالیہ انداز کی اس نوحہ خوانی پر بین کا گمان ہوتا ہے منظر نگاری کی مثال ملاحظہ کیجیے:

آشفتہ سروں کو مدنی کون کہے گا　　کم ظرفوں کو ہمت کا دھنی کون کہے گا
محتاج بصیرت کو غنی کون کہے گا　　پیماں شکنوں کو حسنی کون کہے گا

کانٹے کبھی پھولوں کی قبا بن نہیں سکتے
کعبے میں صنم آ کے خدا بن نہیں سکتے(۱۱۳)

واقعہ کربلا کے بیان میں مرثیہ نگار کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک طے شدہ واقعہ ہے اور واقعہ بیان کرنے والے کو یہ قطعی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرے یا اس میں کسی خارجی عنصر کو شامل کرے کیونکہ اس سے اسلامی تاریخ کے مشتبہ ہونے کا اندیشہ ہے البتہ برائے نام تبدیلی کی اجازت ہوتی ہے اس لیے مرثیہ نگار کو واقعہ کربلا کے بیان میں ایسی فنی تدابیر استعمال میں لانی ہوتی ہیں جن سے سامع اور قاری کے جذبات پر غم کی کیفیت طاری ہو اور وہ ذاتی طور پر کربلا کے سانحے کو محسوس کر سکے مرثیہ "انا اور خودی" کے درج ذیل بند کی منظر کشی دیکھیے جہاں مرثیہ گو نے یزیدی دور میں پہنچنے والے اسلام کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ تفصیلی انداز میں بیان کیا ہے:

پوشاک بدلنے سے خیالات نہ بدلے　　اسلام تو لے آئے نظریات نہ بدلے
حالات سے چپ ہو گئے حالات نہ بدلے　　پیشانیاں خم ہو گیئں جذبات نہ بدلے

ان کا یہ عمل کارخوش انجام نہیں تھا
وہ مصلحت وقت تھی اسلام نہیں تھا(۱۱۴)

وحید الحسنؔ ہاشمی سماج کو ایک نئے زاویے سے دیکھتے ہیں سماج میں ہر طرح کے جرائم کا اصل محرک سماج کے طبقاتی نظام کو مانتا کیونکہ سماج کا طاقتور طبقہ اپنے مفاد کے مطابق سماجی نظام بناتا ہے اور اکثریتی عوامی طبقہ کو اپنا مطیع بنائے رکھتا ہے اور اپنے رحم و کرم پر رکھنے کے مختلف طریقے اپناتا ہے مرثیہ ”انا اور خودی“ میں انہوں نے یزید کی زہریلی سیاست کی تصویر پیش کی ساتھ حضرت موسیٰ کی مثال دی جنہوں نے فرعون کی جھوٹی خدائی کو ماننے سے انکار کیا۔ یہ مرثیہ ایک شاہکار تخلیق ہے جس میں انہوں نے استعارہ و علامتوں کو فنکارانہ مہارت سے بروئے کار لایا ہے:

کیوں بیعت فرعون پہ راضی نہ تھے موسیٰ — خود دار ہے دنیا تو بتائے مجھے اتنا
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے آئے لب دریا — بے دین سے کیوں کر نہ لیا دین کا سودا
کیوں وادی ایمن سے خطر کے لئے نکلے
کیوں آل کے ہمراہ سفر کے لیے نکلے(۱۱۵)

مرثیہ نگار نے مرثیہ کی فضا میں جو تقدس ہے اسے پامال ہونے سے محفوظ رکھا اور ناپائیداری، عدم استحکام، بے ثباتی دنیا، انا اور خودی وغیرہ کے موضوعات پیش کر کے مرثیہ سے اصلاح و تبلیغ کا بھی کام لیا اور مقصد حسینؑ کو محض مذہبی نقطہ نظر سے دیکھنے کے بجائے انسانی حمیت و غیرت کے نقطہ نظر سے دیکھا عباس رضا کا کہنا ہے:

> ”عصر حاضر کے انحطاط پزیر معاشرے میں اخلاقی قدروں کی آبیاری کرنا جہاد سے کم نہیں ہے مہذب اخلاق رسوم ورواج نے لوگوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے افراد معاشرے اور معاشرہ فرد سے لاتعلق ہو کر رہ گیا ہے اس صورت حال میں بھی کچھ ایسے حساس اور درد مند دل رکھنے والے تخلیق کار موجود ہیں جو اپنے خون جگر کی کاوشوں سے فرد، معاشرہ اور اخلاق کے مثلث کو مضبوط بنانے میں مصروف ہیں۔ ان چنیدہ افراد میں سید وحید الحسن ہاشمی بھی ہیں جو نصف صدی سے علم وادب کی آبیاری میں مصروف ہیں اور اپنی جملہ تخلیقات کو حق وصداقت کے فروغ کے لیے وقف کر چکے ہیں“(۱۱۶)

مرثیہ ادب کی ایک مقبول صنف ہے اس میں امام حسینؑ کی شہادت سے لے کر اسیران کربلا پر ہونے والی رونا کیوں اور سفا کیوں کا بیان مزاحمتی انداز میں ہوا ہے خانوادہ رسولؐ کی شہادت کوئی معمولی قصہ

نہیں بلکہ ایک تاریخی مستند واقعہ ہے رفقاء امام نے عظیم قربانی دی اور یزید کے سامنے سر کٹانا پسند کیا جھکانا نہیں چناچہ مرثیہ ایک طرف تو اردو ادب کی صنف ہے اور دوسری طرف شاعری کے پیرائے میں درد انگیز واقعہ بیان کرتی ہے اس وقت سفاکیت اور بربریت کا وہ گھناؤنا کھیل کھیلا گیا کہ تاریخ انسانیت شرمساز ہو گئی خطیب سلونی کی لخت جگر نے خطبے میں انسان کے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے اسلامی نظام کے قیام کا تصور پیش کیا جناب زینب کبرایٰ کے خطبہ سے حاکم کے ہوش بجانہ رہے عابد بیمار امام زین العابدینؑ نے یزیدی نظریات کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور انہیں ماننے سے انکار کیا مرثیہ ''انا اور خودی'' کے اشعار انقلاب لانے کے درپے ہوئے ہیں اور بہت ہی استحکام کے ساتھ ہر مظلوم کو بہتر مستقبل کی رہنمائی فراہم کرتے ہیں بقول ہاشمی:

خطبہ تھا کہ افلاک سے اتری ہوئیں آیات — لہجہ تھا کہ جیسے اسد اللہ کریں بات
مظلوم نے ٹکڑے کیئے ظالم کے نظریات — ہر طرح سے منشائے حکومت کو ملی مات
حاکم کی سب امید ظفر توڑ کے رکھ دی
بیمار نے طاقت کی کمر توڑ کے رکھ دی (۱۱۷)

مرثیہ ''انا اور خودی'' میں مرثیہ گو نے آج کے انسان کے ذاتی مفاد، حیوانیت، خود غرضی اور تصادم کے مظاہرے کو اشعار کے پیرائے میں پیش کیا ہے وہ اس کھوکھلے انسان کی خوبیاں گنانے میں لمبی تقریر کرتے ہیں اور اپنی جادو بیانی سے ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو انسانوں کے اس کمپرسی حالت کے ذمہ دار ہیں اور انہیں اچھے انسان بنانے کے بجائے محض ایک فسادی ہجوم میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اس ٹوٹے ہوئے انسان کی روداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اس دور کا انسان گرفتار انا ہے — تشکیک و تیقن کے تصادم میں گھرا ہے
طاقت کا مقر منکر توفیق دعا ہے — بے بس ہے مگر خود کو سمجھتا خدا ہے
دل وہم سے لرزاں ہے دہائی نہیں دیتا
آنکھیں ہیں کھلی اور دکھائی نہیں دیتا (۱۱۸)

مغربی طاقت کے عروج نے وحید الحسن ہاشمی کو مزید تشویش میں ڈال دیا ہے ایشیا کے زیادہ تر ممالک مغربی طاقتوں کے قبضے میں جا چکے ہیں ان اشعار میں انہوں نے یہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایک

زمانے سے ہمارا دشمن مشترک ہے اور ہم طویل مدت سے محکومیت کی زندگی گزار رہے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ باور کراتے ہیں کہ بہت جلد ہی ان کا غرور ٹوٹ جائے گا۔ اصل طاقت اور حکمرانی خدا کی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اپنی مرضی کے تحت دنیا کا نظام چلاتا ہے، اس کا بتایا ہوا حق کا راستہ جسے امام حسینؑ نے اختیار کیا اور یوم عاشور یزیدی طاقت کو توڑ کے رکھ دیا مندرجہ بالا بند میں ہاشمی صاحب حکمراں طبقہ کو چیلنج کرتے ہیں اور علامتوں کے فنکارانہ استعمال سے دلگداز انداز میں امام حسینؑ کے ششماہی بچے کی یاد دلاتے ہیں جنہوں نے یزیدیت کو کچلا درحقیقت مرثیہ نگار نے مرثیہ ''انا اور خودی'' کے اسلوب بیان میں قدرت اور جدت کا مظاہرہ کیا ہے اور مرثیہ کے استفہامیہ مصرعوں میں مزاحمت کا ہلکا عنصر دکھائی دیتا ہے:

طاقت کو کچل دیتی ہے مزدور کی طاقت　　طاقت سے رکی ہے کہیں جمہور کی طاقت
طاقت ہے اگر کوئی تو عاشور کی طاقت　　کچھ بھی نہیں اس دہر میں مغرور کی طاقت
دھویا ہے امیہ کے انا زاد نشاں کو
ششماہے کی طاقت نے کیا فتح جہاں کو(۱۱۹)

ہاشمی کے مرثیوں میں ہر جگہ مزاحمت، للکار کا لہجہ موجود ہے انہوں نے اپنے سماج کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش جاری رکھی وحید الحسن ہاشمی کے تخلیقی رثائی کلام کا قابل قدر زخیرہ اردو ادب کے خزانے میں موجود ہے جس سے ہر خورد و کلاں اور استاد و شاگرد برابر استفادہ کرسکتے ہیں انہوں نے ہر سطح کے لوگوں کے لیے ان کی تشنگی بجھانے کا سامان کیا ہے اور مرثیے کے متعدد موضوعات پر اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ حمیرا اشفاق، مرتبہ، بحوالہ ادب اور زندگی کی تحریریں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص۳۵

۲۔ عصمت ملیح آبادی، ڈاکٹر، کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، فرید بکڈپو، ۲۰۰۷ء، دہلی، ص۲۲۳

۳۔ محولہ بالہ، ص۲۰۹

۴۔ محولہ بالہ، ص۲۱۰

۵۔ محولہ بالہ، ص۲۰۹

۶۔ محولہ بالہ، ص۲۱۳

۷۔ نسیم نکہت آراء، ڈاکٹر، اردو شاعری میں واقعات کربلا، بحوالہ علی سردار جعفری، نظامی پریس، لکھنؤ، ۲۰۱۳ء، ص۲۷۵

۸۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، مرثیہ وحدت انسانی، فرید بکڈپو، ۲۰۰۷ء، ص۲۰۳

۹۔ محولہ بالہ، ص۲۱۶

۱۰۔ ضمیر اختر نقوی، ڈاکٹر، اردو مرثیہ پاکستان میں، سید اینڈ سید اورنگ زیب مارکیٹ، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص۱۱۶

۱۱۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، مرثیہ وحدت انسانی، ص۲۱۱

۱۲۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، مرثیہ عظمت انسان، ص۲۵۲

۱۳۔ سید عاشور کاظمی، جدید مرثیہ اور آغا سکندر مہدی، ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۶ء، ص۵۵

۱۴۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی مرثیہ عظمت انسان، ص۲۵۲

۱۵۔ محولہ بالہ، ص۲۵۲

۱۶۔ حامد حسین، ڈاکٹر، جدید ادبی تحریکات، لبرٹی آرٹ پریس، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص۹۹

۱۷۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، مرثیہ عظمت انسان، ص۲۵۱

۱۸۔ عقیل رضوی، ڈاکٹر، مرثیے کی سماجیات، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء، ص۵۸

۱۹۔ کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، عظمت انسان، ص۲۵۳

۲۰۔ فضل امام، ڈاکٹر، شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی، نعمانی پریس، الہ آباد، ۱۹۸۲ء، ص۱۲۱

۲۱۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، قیصؔر بارہوی کے مرثیے، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۵۱۵

۲۲۔ محولہ بالہ، ص ۵۱۵

۲۳۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر، عظیم مرثیے، حلقہ شعرائے اہلبیت، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۹

۲۴۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آشوب عصر، ص ۵۱۵

۲۵۔ محولہ بالہ، ص ۵۱۶

۲۶۔ عبدالکریم خالد، پروفیسر، عظیم مرثیے ایک مطالعہ، ماہنامہ شام و سحر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۹۷

۲۷۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آشوب عصر، اظہار سنز، ص ۵۱۶

۲۸۔ محولہ بالہ، ص ۵۱۶

۲۹۔ نقاش ہاشمی، منفرد مرثیے ایک مطالعہ، ماہنامہ، شام و سحر، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۳

۳۰۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آشوب عصر، ص ۵۱۷

۳۱۔ محولہ بالہ، ص ۵۱۷

۳۲۔ محولہ بالہ، ص ۵۲۱

۳۳۔ حق نواز، پروفیسر، ایک منفرد مرثیہ نگار، ماہنامہ، شام و سحر، ۱۹۹۰ء، ص ۶۴

۳۴۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آشوب عصر، ص ۵۱۸

۳۵۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آیات آمنہ، ص ۷۵۴

۳۶۔ مظہر نیازی، آیات آمنہ ایک مطالعہ، ماہنامہ، شام و سحر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۰

۳۷۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آیات آمنہ، ص ۷۵۴

۳۸۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، قیصر بارہوی ایک منفرد مرثیہ آیات آمنہ، سفینہ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۷۰

۳۹۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آیات آمنہ، ص ۷۵۵

۴۰۔ محولہ بالہ، ص ۷۵۶

۴۱۔ سجاد حارث، پروفیسر، آیات آمنہ، سفینہ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص فلیپ

۴۲۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، آیات آمنہ، ص ۷۵۸

۴۳۔ قیصؔر بارہوی کے مرثیے، عشق حسینؑ، ص ۷۸۸

۴۴۔ محولہ بالہ، ص۸۸۷

۴۵۔ انوار ظہوری سیدؒ، اردو مرثیہ گوئی اور قیصرؔ بارہوی، ماہنامہ، شام و سحر، ۱۹۹۰ء، ص ۵۳

۴۶۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، عشق حسینؑ، ص ۷۸۷

۴۷۔ محولہ بالہ، ص۷۸۹

۴۸۔ نسیمؔ امروہی، مراثی نسیم جلد دوم، پاکستان ریڈرس گلڈ، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص۳۱۸

۴۹۔ محولہ بالا، ص ۳۲۴

۵۰۔ سید محمد سیادت نقوی، ڈاکٹر، نسیم امروہی ایک تعارف، بحوالہ منظر عباس نقوی، کلر پرینٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص۷۶

۵۱۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ، ص ۳۲۲

۵۲۔ محولہ بالا، ص ۳۲۲

۵۳۔ سید محمد سیادت نقوی، ڈاکٹر، نسیم امروہی ایک تعارف، بحوالہ منظر عباس نقوی، ص ۸۴

۵۴۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ، ص ۳۲۴

۵۵۔ سید محمد سیادت نقوی، ڈاکٹر، نسیم امروہی ایک تعارف، بحوالہ عبد الرؤف عروج، ص ۲۲۸

۵۶۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ، ص ۳۲۴

۵۷۔ محولا بالا، ص ۳۲۲

۵۸۔ نسیم امروہی ایک تعارف، بحوالہ مہدی نظمی، ص ۵۵

۵۹۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ شہید معرکہ جہد ارتقاہے حسینؑ، ص ۳۲۱

۶۰۔ محولا بالا، ص ۳۱۹

۶۱۔ ممتاز احمد نقوی، پروفیسر، ساز حریت، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۔۱۹

۶۲۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو، ص ۳۵۵

۶۳۔ محولہ بالا، ص ۳۵۵

۶۴۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، مرثیے پر چند تحریریں، وقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۷

۶۵۔ نسیمؔ امروہی، مرثیہ اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو، ص ۳۵۵

۶۶۔ محولہ بالا، ص ۳۵۶

۶۷۔ محولہ بالا، ص۳۵۶

۶۸۔ سید عاشور کاظمی، مرثیہ نظم کی اصناف میں، ایجوکیشنل ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۶۳

۶۹۔ نسیم آمروہی، مرثیہ اے انقلاب مژدہ عزم و عمل ہے تو، ص ۳۵۶

۷۰۔ محولہ بالا، ص۳۵۴

۷۱۔ صفدر حسین، ڈاکٹر، مقدمہ مراثی نسیم جلد اول، بحوالہ شخصی مرثیے میں نسیم امروہی کی خدمات، اظہار سنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۱

۷۲۔ محولہ بالا، ص۳۵۵

۷۳۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، مرثیہ جوہر وراثت، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۰۲

۷۴۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ جوہر وراثت، ص ۴۰۱

۷۵۔ محولہ بالا، ص۳۹۶

۷۶۔ محولہ بالا، ص ۴۰۲

۷۷۔ محولہ بالا، ص ۴۰۲

۷۸۔ محولہ بالا، ص ۴۰۰

۷۹۔ آغا سہیل، ڈاکٹر، مشمولہ: وحید الحسن ہاشمی اور جدید مرثیہ، العطش جلد دوم، حبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

۸۰۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ جوہر وراثت، ص ۴۰۳

۸۱۔ مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو مرثیے کا وحید العصر، مشمولہ: العطش، جلد دوم، الحبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴

۸۲۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ جوہر وراثت، ص ۴۰۰

۸۳۔ محولہ بالا، ص۳۹۹

۸۴۔ محولہ بالہ، ص ۴۰۰

۸۵۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ ارتقاء، ص۶۴۶

۸۶۔ وحید الحسن ہاشمی، العطش، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۶۴۲

۸۷۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ ارتقا، ص ۶۴۷

۸۸۔ محولہ بالا، ص ۶۴۳

۸۹۔ انتظار حسین، وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کا فن، مشمولہ: العطش جلد دوم، الحبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۴

۹۰۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ ارتقا، ص ۶۴۶

۹۱۔ محولہ بالا، ص ۶۴۶

۹۲۔ محولہ بالا، ص ۶۴۳

۹۳۔ محولہ بالا، ص ۶۴۳

۹۴۔ مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو مرثیے کا وحید العصر، مشمولہ: العطش جلد دوم، الحبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

۹۵۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ کربلا کربلا، ص ۵۰۷

۹۶۔ محولہ بالا، ص ۵۰۸

۹۷۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار، اظہار سنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۱۰

۹۸۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ کربلا کربلا، ص ۵۰۹

۹۹۔ محولہ بالا، ص ۵۰۸

۱۰۰۔ محولہ بالا، ص ۵۰۹

۱۰۱۔ محمد سعید معز الدین، ڈاکٹر، سید وحید الحسن ہاشمی ایک دردمند شاعر، ماہنامہ شام و سحر، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۳

۱۰۲۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ کربلا کربلا، ص ۵۰۹

۱۰۳۔ محولہ بالا، ص ۵۰۸

۱۰۴۔ محولہ بالا، ص ۵۱۰

۱۰۵۔ ظفر الحق چشتی، پروفیسر، کربلا کربلا، مشمولہ: العطش، الحسن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۵۰۶

۱۰۶۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ کربلا کربلا، ص ۵۰۹

۱۰۷۔ محولہ بالا، ص ۵۰۷

۱۰۸۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، اظہار سنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۶۸

۱۰۹۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ انا اور خودی، ص ۳۷۱

۱۱۰۔ محولہ بالا، ص ۳۷۱

۱۱۱۔ محولہ بالا، ص ۳۷۱

۱۱۲۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۹۶

۱۱۳۔ محولہ بالا، ص ۳۷۲

۱۱۴۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ انا اور خودی، ص ۳۷۸

۱۱۵۔ محولہ بالا، ص ۳۷۶

۱۱۶۔ عباس رضا، وحید عصر، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۴

۱۱۷۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ انا اور خودی، ص ۳۸۰

۱۱۸۔ محولہ بالا، ص ۳۶۹

۱۱۹۔ محولہ بالا، ص ۳۷۴

باب سوم:

پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: سیاسی جہات تجزیاتی مطالعہ

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ معاشرے افراد سے تخلیق پاتے ہیں اور انہی افراد کی خوبیاں اور خامیاں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں ہر بڑے سخن ورنے انسانیت کی تردید کرنے والوں کے خلاف مزاحمت کا رویہ برتا منتخب مرثیہ نگاروں نے انسانیت کی بے حرمتی، زندگی، زمانہ اور وقت کے جبر کے تحت مزاحمتی رد عمل کا اظہار کیا ہے بکھرے ہوئے معاشرے میں بحیثیت مرثیہ نگار جوش ملیح آبادی، نسیم امروہی، قیصر بارہوی، وحید الحسن ہاشمی اور ہلال نقوی نے سیاسی تضادات کے نا قابل برداشت نظام کو مزاحمتی تنقید کا نشانہ بنایا ان کے تخلیقی مرثیے سیاسی غلامی، آمرانہ ریاستی پابندیوں اور جبری استحصالی ہتھکنڈوں کو آشکار کر رہے ہیں یوں منتخب مرثیہ نگار اردو مرثیہ نگاری کے روایتی تاریخی منظر نامے کو تبدیل کرنے کا اشاریہ بن گئے انہوں نے تمام مخالفتوں کے باوجود سیاسی نظام میں پھیلی بے اعتدالیوں کو مزاحمت کے پردے میں پیش کیا اس آمریت پرست نظام کی حکمت عملی کو انسانی آزادی کے لیے مضر قرار دیا اور اس سے چھٹکارہ دلانے کی کوشش کی جس سے اردو مرثیہ نے عالمی سطح پر بھی ہیجان برپا کر دیا۔

الف۔ سیاسی استحصال بحوالہ مرثیہ ہلال نقوی:

یوں تو ہر زمانے کے لوگ ہمیشہ اپنے حال کو ماضی سے بد تر قرار دیتے آئے ہیں اور ایسا بہت کم ہوا ہے کہ لوگوں نے اپنے زمانے کو سیاسی معیار کے لحاظ سے ماضی سے بہتر قرار دیا ہو بحیثیت مجموعی یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں سیاسی استحصال کی رفتار تیز ہو چکی ہے اور کسی بھی ملک میں کوئی بھی سیاسی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے افراد کو خوشگوار زندگی مہیانہ کرے جب عوام پر ظلم کیا جائے گا تو عوام میں جرائم پیدا ہوں گے ظلم کی وجہ سے لوگوں میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گا اور ملک میں امن وامان تباہ ہو جائے گا اس سیاسی استحصال کے نتائج یہ ہوں گے:

۱۔ زمین پر فساد ہو گا اور لوگوں میں امن وامان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۲۔ سیاسی استحصال کی وجہ سے ملک کے قانون کی پابندی اور احترام ختم ہو جائے گا۔

۳۔ سیاسی استحصال کی وجہ سے عدل وانصاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۴۔سیاسی استحصال کی وجہ سے معاشرے میں حقوق و فرائض کی پہچان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۵۔سیاسی استحصال کی وجہ سے شخصی آزادی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

پاکستان میں ہر سیاسی جماعت کو اپنے مفادات عزیز ہیں اور وہ خود کو انسانی حقوق کا علمبر دار سمجھتے ہوئے اپنے منشور پر عمل پیرا ہے خود کو بطور امیدوار پیش کیا جاتا ہے، منتخب ہونے کی اہلیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کے حقوق کے معاملے میں غفلت برتی جاتی ہے، حق دار کو اس کا حق نہیں دیا جاتا بلکہ ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر سید تنویر نے استحصال کی وضاحت ایسے کی ہے:"استحصال سے مراد کسی کی کمزوری کا غلط فائدہ اٹھانا ہے۔استحصال ان معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ اپنے کام کے لیے یا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے دوسرے کو استعمال کرنا"[۱]

i۔طاقت:

یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب ایک انسان کو آزادی اظہار حاصل نہ ہو اور بنیادی ضرورتیں روٹی، کپڑا اور مکان میسر نہ آئیں تو وہ زندگی میں بقا کی جنگ کے لیے مزاحمت کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور اسی مزاحمت اور کوشش سے اس کا جینا آسان ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح ہلال نقوی نے بھی اپنے عہد کو دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ اپنے عہد کی بربریت اور سفاکیت کے خلاف بند باندھنے کے لیے مزاحمتی مرثیے کا سہارا لیا انسانی زندگی میں سب سے اہم تحفظ زندگی کا احساس ہے جب وہی مٹ جائے تو ہر انسان پہ اس کے اثرات ہوتے ہیں اور عدم تحفظ کا یہ احساس خوف زدگی اور بے یقینی کا باعث بنتا ہے یہی وہ سب حالات تھے جنہیں ہلال نقوی جیسے حساس دل مرثیہ نگار نے محسوس کیا اور انہیں اپنے مرثیے کا حصہ بنایا دیکھا جائے تو مرثیہ "طاقت" میں مرثیہ نگار نے اپنے دور کے کھٹن سیاسی حالات کو بیان کیا ہے اور سیاسی استحصالی نظام کی زد میں آنے والے ہر پاکستانی کے غم و الم کی تصویر کشی کر دی ہے جو اس سیاسی نظام کی دھول سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ہلال نقوی نے بنیادی طور پر اپنے سامنے مرثیے میں پیش نظر جو مسئلہ رکھا اس میں انسان کے اس المیہ کو بیان کیا کہ اس کی اہمیت اسے بحیثیت آزاد فرد تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ طاقت کے ترازو میں تول کے بھاؤ کا تعین کیا جاتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں:

انسان کا یہ خروش، یہ مقتل، یہ گیر و دار
اور پھر ہوا کے دوش پہ اڑتے راہوار
شاہی کا رعب داب، حکومت کا یہ جلال
یہ عسکری ادا، یہ سیاست یہ اقتدار
اور پھر شکوہ زر جو یہ کرسی کے ساتھ ہے
اس ساری دھوم دھام میں طاقت کا ہاتھ ہے (۲)

آہلال نقوی کو بظاہر انسانوں کے بھرے اس معاشرے کی فضا سے جھوٹی شرافت دکھائی دیتی رہی کیونکہ وہ ابتدا سے جان چکے تھے کہ پاکستان کے سارے شہروں اور تمام انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جاتا ان کے ہاں جذبات درجہ کمال تک پہنچے محسوس ہوتے ہیں ایسی صورتحال کہ حیوان انسانوں کے چہرے سجائے ہر جگہ پھر رہے ہیں وہ ایسے انسان نما حیوانوں کی موجودگی کو انسانی زندگی میں روگ سمجھتے رہے چنانچہ مرثیہ ''طاقت'' کے اس بند میں اپنے لفظوں سے اس سیاسی چنگل کو موردالزام قرار دیتے ہیں:

جھوٹی شرافتوں کے بھرم بھی یہاں جھکے
زر کی ہوس کے ساتھ شکم بھی یہاں جھکے
سکہ بنی جو برتری جبر اقتدار
آکر مفکروں کے علم بھی یہاں جھکے
تہذیب ظالموں کے قدم چومنے لگی
طاقت کے بل پہ کج اکلہی جھومنے لگی (۳)

آہلال نقوی نے جو کچھ لکھا وہ جذبے کی صداقت کے ساتھ لکھا ان کے احساسات عالم بالا کی چیزیں نہیں بلکہ اپنی زندگی کی سطح پر ابھرنے والی لہریں ہیں جنہیں مرثیہ نگار نے مرثیے کی سطروں میں اشعار کی صورت میں ڈھال دیا ہے کہ زر انسانی بھوک کا معیار بن گیا ہے اب پیسہ ہی حصول اور پیسہ ہی حاصل ہے اس جمع تفریق نے مفکرین کو بھی انتشار کا شکار کر دیا ہے ارد گرد کے موجودہ حالات کو جیسے ہی انہوں نے دیکھنے کی کوشش کی تب انہیں سخت مایوسی ہوئی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

اب تو وہی خدا ہے یہ طاقت ہو جسکے پاس
پھیلا ہو جس کے جبر رعونت سے اک ہراس
عریاں ہو اس کے ذہن کا چاہیے تمام جہل
تن پر مگر سجا کے چلے زرگری لباس
ہستی کی رو میں بادہ زر گھولتا رہے
تیور میں آمرانہ حشم بولتا رہے(۴)

ہلال نقوی ہماری اردو زبان کے بہت بڑے شاعر، اسلامی شاعری کے معمار، واقعہ کربلا کے نظم نگار، فن مرثیہ گوئی کے مجدد اوراردو زبان کی ترقی کے داعی ہیں مرثیہ "طاقت" کی ہر سطر میں ان کی ثابت قدمی، ضبط و تحمل اور حق گوئی کو دیکھا جا سکتا ہے عصمت چغتائی کا کہنا ہے: "ہلال نقوی کا یہ مرثیہ پڑھ کر احساس ہوا کہ یہ فن فکری اعتبار سے بہت آگے قدم بڑھا چکا ہے اور جدید شاعری کے سفر میں پیچھے نہیں رہا"(۵)

یادیں ہر مرثیہ گو کا سرمایہ حیات ہوتی ہیں ہلال نقوی بھی کہیں کہیں یاد میں کھو جاتے ہیں اس بند میں انھوں نے طاقت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اب ہر بات کا احساس طاقت کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے لہذا جوں جوں سیاسی طاقت کو خراج ملتا رہتا ہے تو عام انسان کی بے قدری بڑھ جاتی ہے ان کے نزدیک طاقتور شخص اور معاشرے کے رشتے میں عوام یعنی عام انسان پس کر رہ جاتے ہیں جبکہ طاقتور دولت کے نشے چور انسانی استحصال کا علمبر دار نظر آتا ہے:

تعلیم، دستکاری و پیشہ، زمیں اناج
یہ سب رہے جو زیر ہدایات تخت و تاج
ہر آستاں جبر پہ جھکتے رہے عوام
طاقت کو ہر سماج سے ملتا رہا خراج
پایا یہ افتخار تو گردن تنی رہی
طاقت ہی اعتبار صداقت بنی رہی(۶)

ہمارا ملک عجیب قسم کی دو عملی کا شکار ہے سیاسی تضاد کی بنا پر یہاں بسنے والے انسانوں میں ایک وسیع خلیج حائل ہے یہ تضادی کیڑا جب انسانوں کے دماغوں میں کلبلانے لگتا ہے تو وہ طاقت کی چاہ میں انسانیت کے

رتبے سے گر جاتا ہے طاقت کے اس جواز کو ہلال نقوی نے بارہا اپنے مرثیے میں تلمیح کے پیرائے میں بیان کیا ہے اور وہ بے اختیار کہتے ہیں:

سر ازل میں غیب سے ابھرا یہ انکشاف
ابلیس کو تھا عظمت آدم پہ اختلاف
منطق یہ تھی کہ آگ تو حاوی ہے خاک پر
طاقت کے اس جواز پہ تھا حق سے انحراف
اس فوقیت کی رو جو دلیلوں میں گھر گئی
اسفل تھی سوچ خوبیِ افضل سے پھر گئی (۷)

ہلال نقوی جب انسانیت کی تذلیل دیکھتے ہیں اور شہر، قصبوں، دیہاتوں کے شب و روز، گلیوں، بازاروں، گھروں، میدانوں اور ان کے درمیان سانس لیتے انسانوں کو قریب سے دیکھتے ہیں ان کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کرتے ہیں مگر ظالم لوگوں کو دیکھ کر مایوس ہوتے ہیں انہیں انسان کی انسان کے ہاتھوں تزلیل ہوتی تو نظر آتی ہے مگر انسانیت کی معراج نظر نہیں آتی مرثیہ گو کو اندازہ ہو گیا کہ اب ہر بات میں مادیت پرستی در آئی ہے اب تو انسان طاقت کی ہوس سے بننے لگے ہیں تبھی یوں پکارتے ہیں:

جب آدمی بھی محورِ افضل سے پھر گیا
خود ساختہ نظام کی گردش میں گھر گیا
یہ گردشیں بڑھیں تو نکل کر مدار سے
سیارہ چرخ مقصد خلقت سے گر گیا
رد کر کے خیر دامن شر میں پناہ لی
انسان نے خدا سے تصادم کی راہ لی (۸)

ہلال نقوی کے رثائی کلام میں ہمیں پاکستانی معاشرے کی بگڑتی صورتحال کی اصل وجہ جو نظر آتی ہے وہ ہے سیاسی ناہمواریاں۔ قوم کے راہنما جب قوم کو دکھ درد کے سیلاب میں ڈوبتا چھوڑ کر خود عیاشیوں میں مصروف نظر آئے تو ہلال نقوی اس بے حسی کے منظر کو مختلف تمثالوں کے ذریعے بیان کر دیتے ہیں ایسی بے بسی اور گھٹن بھری فضا جہاں نہ انسان کھل کر آزادی کا سانس لے سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے یہ سب ہمارے رہنماؤں کا پیدا کردہ ہے عقیل رضوی کا کہنا ہے "اس مرثیے طاقت میں ہلال نقوی نے جس طرح اپنے دور کے

جبر کا سلسلہ واقعات کربلا سے جوڑا ہے وہی جدید مرثیے کی سنبیلٹی ہے"(۹) بہت سے جدید مرثیہ نگار شعراء کا المیہ یہ ہے کہ وہ قاری سے حقیقت چھپانے میں طاق ہیں اس کے برعکس ہلال نقوی سچائی کے سخن ور ہیں تبھی وہ معاشرے میں ہونے والے ظلم وزیادتی کے خلاف برملا لکھتے رہے ذیل کے اشعار میں طاقت رکھنے والے ظالم انسانوں کے رویوں کے خلاف احتجاج کچھ یوں کیا ہے:

طاقت ہی آج راہگزر بھی سفر بھی ہے
طاقت ہے جس کے پاس وہی معتبر بھی ہے
چرچے اسی کے قریہ بہ قریہ ہیں روزوشب
اخبار کی یہ سب سے نمایاں خبر بھی ہے
تخفیف اسلحہ کے مباحث بھی دیکھئے
خود اسلحہ فروش ہے ثالث بھی دیکھئے(۱۰)

مرثیہ نگار کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حقیقی طور پر انسانی زندگی کے کرب کو محسوس کیا ہے ان کے خیال میں انسانوں میں شر پیدا کرنے والی شے دراصل طاقت کی ہوس ہے یہ نحوست انسان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے ہلال نقوی کے مرثیے کے آئینے میں جھانکیں تو ایسے لگتا ہے کہ ہم قیام پاکستان کے بعد جہاں سے چلے تھے وہیں کھڑے ہیں ہم ملک کو سنوارنے کی بجائے اس کے بگاڑ کے ذمہ دار ہیں وہ اردگرد پھیلے طاقت کے ہتھیار اور حالات کو نہایت عمیق نظروں سے دیکھتے ہیں ان ہتھیاروں کے شور شرابے کی سنگینی کی تمام حقیقتوں کو یوں بے نقاب کیا:

کب زندگی کی مانگ میں افشاں چنی گئی
طاقت کے دائروں میں ہلاکت بنی گئی
یروسنان و خنجر و تیغ و تبر کا شور
اس شور و شر میں دل کی صدا کب سنی گئی
آواز گم رہی سفر احتجاج یں
ہتھیار بولتے رہے گونگے سماج میں (۱۱)

سیاست اور سیاسی عمل بذات خود قومی، ملکی، انفرادی اور اجتماعی ترقی کے لیے ایک اہم سرگرمی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن میدان سیاست میں اترنے والے سیاست دانوں کے عملی رویے سیاست کی مثبت تعمیری

شکل کو پیش کرنے کے بجائے اکثر و بیشتر اس کی زوال انگیز تصویروں کو پیش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عوام سیاست اور الیکشن جیسے امور پر بھروسہ کم کرنے لگی ہے پاکستانی مرثیہ نگاروں نے سیاست دانوں کی منفی کارکردگیوں کی بناء پر انہیں نہ صرف باعث طنز بنایا ہے بلکہ شدید مزاحمت بھی کی ہے ہلال نقوی سیاسی بساط کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حکمران طبقہ کے لیے سیاست محض ایک کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ایک ایسا کھیل جس کا مقصد عوام کو محض ڈرانا، دھمکانا اور رولانا ہے یہی وجہ ہے کہ ہلال نقوی دور بیں مرثیہ نگار اس گھناؤنے کھیل کی حقیقت کو جان چکے جس کے ہاتھوں عوام لٹتے جارہے ہیں سحر انصاری کا کہنا ہے:

> ''ہلال نقوی کے پیش نظر یہ فکر بھی رہی کہ مرثیے کا تعلق حصول ثواب کے علاوہ زندگی کے حقائق سے بھی بھی ہونا چاہیے تاکہ عاقبت کے ساتھ ساتھ لمحہ موجود میں زندگی بسر کرنے اور خیر و شر کی پیکار میں اپنے لیے مناسب لائحہ عمل تلاش کرنے کی روشنی کربلا اور امام حسینؑ سے حاصل کی جائے اسی لیے انہوں نے ایک نئے تناظر کا سہارا لے کر عالمی سطح پر رونما ہونے والے تغیرات اور سیاسی و معاشی و تہذیبی عوامل پر توجہ دی۔ دور حاضر میں بڑی طاقتوں نے جس طرح چھوٹی طاقتوں کو اپنا دست نگر بنا کر ان کا ہر زاویے سے استحصال کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک خونچکاں باب ہے اسی طرح معاشی منصوبے، اسلحہ کی تقسیم اور وسائل کے بل پر بے وسیلہ اقوام کی تحقیر یہ سب مسائل ہماری زندگی اور طرز فکر پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ہلال نقوی نے مقامی نوعیت کے مسائل سے بات شروع کر کے عالمی سطح تک پہنچنے کی جرأت کی ہے یہی حوصلہ، یہی جرأت اور پھر اسے ایک نئے لب و لہجہ کے ساتھ پیش کرنے کے سلیقے نے انہیں اپنے عہد کا ایک منفرد مرثیہ نگار بنا دیا ہے''(۱۲)

ہلال نقوی طاقت کو ظلم کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں مرثیہ ''طاقت'' ایک ایسا مجموعہ کلام ہے جس میں انہوں نے طاقت کی تصویر کو مختلف روپ میں پیش کیا ہے مرثیہ نگار اپنے عہد کا نمائندہ اور اپنے سماج کا نقیب ہوتا ہے اس کا کلام انہیں تجربات اور مشاہدات کی عکاسی کرتا ہے جو دن رات اسے ملک کی بنتی بگڑتی اور کبھی کبھی سنورتی صورتوں سے حاصل ہوتے ہیں اسی حوالے سے ہلال نقوی نے بھی ایک حساس فنکار کی صورت

جب طاقت کا گراف اونچا ہوتے دیکھا تو ان کے الفاظ بھی مزاحمت کا روپ دھار گئے اس کی زد میں آنے والوں کا اصلی چہرہ درج ذیل اشعار میں دیکھئے:

لے کر مزاج شعلہ قہر قضا اثر
بن کر ادائے کجروی، افتراق و شر
طاقت ہے جس حصار میں جینے کا اک نظام
انسان اس حصار میں کرتا رہا سفر
اطوار برتری کے دکھاتا ہوا چلا
صدیوں کے سر پر ضرب لگاتا ہوا چلا(۱۳)

جب چاروں طرف سیاسی طاقت کا دور دورہ ہو تو کھرے انسان کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے اب یہ طاقت معاشرے میں اس قدر سرایت کر چکی ہے ہر جگہ یہ اپنی قہر سامانیوں کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ طاقت کی ایک لمبی تاریخ ہے اور دنیا کے ہر ملک میں طاقت کی تاریخ کسی نہ کسی شکل میں ایک دوسرے سے مماثل ہے اسی کے بل بوتے پر انسان نے انسان پر جتنی زیادتیاں کی ہیں اس کے حوالے تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مرثیہ نگار فطرت کی زبان استعمال کر کے اپنے قارئین کے بہت قریب پہنچتا جا رہا ہے اس کا مقصد ملک پاکستان میں بسنے والے معصوم انسانوں کو اس اخلاقی بیماری سے آگاہی دلانا ہے جو پاکستان میں سرطان کی طرح پھیل کر اس کی تہذیبی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے وہ سیاسی طاقت کی غلاظت کو تحقیر بھرے لہجے میں یوں بیان کرتے ہیں:

طاقت ہزار رنگ میں ہوتی ہے جلوہ گر
سیل منافقت تو کہیں خلفشار زر
چلتی ہے بن کے پیکر دار و رسن کبھی
مقتل کے لباس میں بھی کرتی ہے یہ سفر
یہ ہے رواں جو قہر و غضب کی کمک کے ساتھ
لرزاں ہیں بستیاں بھی قدم کی دھمک کے ساتھ(۱۴)

اردو مرثیہ نگاروں نے ملکی و عالمی حالات و واقعات کو ہمیشہ اپنے کلام کا حصہ بنایا ہلال نقوی نے بھی مرثیہ ''طاقت'' میں ایک باشعور فنکار کی طرح آمرانہ طاقت کی توانائی پر بھرپور احتجاج کیا ہے درج ذیل اشعار

میں بگل کو علامت بناتے ہوئے آمرانہ بادشاہت کی مکمل داستان کی کہ اس کی آواز سے نہ صرف وہ خود کانپ اٹھتے ہیں بلکہ ظل الہیٰ کی آمد کے موقع پر راستے پر کھڑے محافظ بھی لرز جاتے ہیں طاقت کی اس پیدہ کردہ اس دہشت کی صورتحال کو نقوی صاحب یوں سناتے ہیں:

لو وہ بگل بجا وہ محافظ ابل پڑے
سرکار ذی حشم در دولت سے چل پڑے
وہ آرہے ہیں ظّل الہیٰ ہٹو بچو
ایسا نہ ہو کہ غیظ میں ابرو پہ بل پڑے
اس سارے کھیل میں کہیں فطری عمل نہیں
طاقت کا یہ کساؤ ہے ابرو پہ بل نہیں (۱۵)

ہلال نقوی کے ہاں مرثیہ میں اکثر اوقات صنعت تضاد کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے جس کی عمدہ مثال اس بند میں کچھ یوں دی گئی:

جو کچھ ہوں میں ہوں سارے مسائل کی جڑ یہ ہے
جو ہے مرا وجود ہے، طاقت کی اڑ یہ ہے
ہر دل پہ اقتدار ہے میرے جلال کا
ہر فرد میرے زیر نگیں ہے اکڑ یہ ہے
اور اس اکڑ سے نبض زمانہ جو رک گئی
طاقت کے در پہ حرمت دستار جھک گئی (۱۶)

مرثیہ کی فنی خصوصیات میں جہاں اور بہت سی چیزیں اہم ہیں وہاں تشبیہ کو بھی نہایت اہمیت حیثیت حاصل ہے کیونکہ عمدہ تشبہات شعر کے حسن اور تاثر میں اضافے کا باعث بنتی ہیں ہلال نقوی نے مرثیے میں روایتی تشبہیات کے ساتھ ساتھ نئی تشبہیات کا بھی استعمال کیا ہے مرثیے میں انہوں نے تلخ سے تلخ موضوع کو بھی اس طرح بیان کیا ہے کہ تشبیہ کا حسن ماند نہیں پڑتا یہ بند ملاحظہ کیجیے:

تاریخ ہے گواہ کہ طاقت کے مضمرات
پھرتے رہے ہیں ذہن میں یہ سازشی نکات
ہو غرق مکر، نیت تخریب کی سناں
اور اس سناں کی زد پہ رہے سینہ حیات
ہر ایک دل جو تیر امارت کا صید ہو
ہر ذہن زور وزر کی فصیلوں میں قید ہو(۱۷)

ہلال نقوی کے مرثیے محض اختصار جیسی خصوصیت کے حامل نہیں بلکہ اختصار کے ساتھ ساتھ منفرد خیالات اور مزاحمتی گھن گھرج کے عناصر لئے ہوئے ہیں وہ نہایت سادہ سوالیہ انداز میں مشکل سے مشکل بات کر جاتے ہیں جو بظاہر اس قدر آسان معلوم ہوتی ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرنے لگتا ہے کہ یہ سوال تو میرے دل میں بھی ہے میں بھی باآسانی کہہ سکتا ہوں حالانکہ حقیقت میں بظاہر آسان ہی مشکل ترین ہوتا ہے مرثیہ "طاقت" کے اشعار بطور مثال یوں ہیں:

پیدا ہوا یہیں سے مگر یہ بھی اک سوال
طاقت کو کب بنایا گیا برتری کی ڈھال
کس موڑ پر حیات میں شامل ہوا یہ طور
نوع بشر کو کس نے سکھائی یہ اپنی چال
کب زندگی نے ظلم کی چوکھٹ پہ دم لیا
طاقت کے اس نظام نے کس دن جنم لیا(۱۸)

زمانہ جو سب سے بری کتاب ہے مرثیہ گو نے اس کا مطالعہ کیا ہے ان کا مرثیہ "طاقت" ہمارے اپنے سیاسی ماحول کی روداد سناتا ہے جس میں انہوں نے ملکی سیاست کے ایسے حساس پہلوؤں کو اپنے اشعار کے جارو سے اجاگر کر دیا ہے جو اس سے پہلے اس طرح ادا نہیں ہوئے تھے نقوی مرثیے میں ایک ایسی فضا اور ماحول بناتے ہیں کہ جس میں اس استحصالی نظام کی صورتحال واضح دکھائی دیتی ہے:

اڑتی رہیں قبائے معیشت کی دھجیاں
ہتھیار تھے کہ وضع بدلتے رہے یہاں
سازش کی بھٹیوں میں پگھلنے لگی حیات

لہرا کہ چمنیوں سے نکلنے لگا دھواں
طاقت بہ شکلِ شعلگی نار آگئی
بارود کے لباس میں تلوار آگئی (۱۹)

ہلال نقوی شعلوں کے اژدھام میں طاقت کا بدلا روپ پیش کرتے ہیں کہ اس کی کریہہ صورت میں نہ جانے کتنے زمانے کی نسلوں کا بے گناہ خون شامل ہے جس نے اپنے وجود کی بقا کی خاطر ہولناک جنگیں کروائیں اس کے سامنے امن پسند انسان بے بس ولاچار دکھائی دیتے ہیں مرثیہ نگار کے ہاں طاقت کے عناصر ۱۹۴۷ء کے دس سال بعد ملک کی بدامنی کو دیکھ کر پیدا ہوئے ۶۵ اور ۷۱ کی جنگیں اور اس دوران رہنماؤں کے بدلتے رویے ان کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ نے انہیں مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف کھینچا مرثیہ گو کے تحقیقی وجدان نے ان مضر اثرات کو بھانپ لیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بے حس سیاست نے انسانوں کے گرد ایسی خوف کی فضا قائم کر دی ہے کہ وہ اپنے حق کے لیے بول کر اپنے اندر کا غبار بھی نہیں نکال سکتے اسی تصور کو یوں اجاگر کیا ہے:

شعلوں کے اژدھام میں طاقت کا یہ سفر
پلتا رہا ہے دہر میں نسلوں کے خون پر
پایا فروغ جنگ مزاجوں کی فکر نے
لیکن چلا نہ امن پسندوں کا کچھ اثر
گر کچھ چلا تو حکم دلِ پرہوس چلا
بے اقتدار نوعِ بشر کا نہ بس چلا (۲۰)

مندرجہ بالا وشعار اس بات کی عکاسی کر رہے ہیں کہ طاقت کے رکھوالوں کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی مرثیہ نگار نے اپنے وطن میں سیاسی حلقوں کی بے حسہ کے منظر کو مختلف تمثالوں کے ذریعے بیان کیا ہے کہ ملک پر مسلط ظالم رہنماؤں نے ایسا وطیرہ اختیار کر رکھا جس کی وجہ سے عام آدمی کی آزادی کی راہیں مفقود ہو چکی ہیں مرثیے طاقت کے اس بند میں ہلال نقوی سیاسی واردات کی داستان سناتے نظر آتے ہیں انہوں نے قوم کے احساس تشنگی کی طرف توجہ دلائی پھر انسانیت سسک رہی ہے انہیں یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ ملک کربلا بنتا جا رہا:

طاقت کے اقتدار کی اب ہر طرف ہے دھوم
بے نور ہیں صداقت ایثار کے نجوم
سیر ابی عمل کی ہیں رائیں تمام بند
اب جائے کس سبیل پہ پیاسوں کا یہ ہجوم
پھر تشنگی سراب شرربار بن گئی
طاقت فرات وقت پہ دیوار بن گئی (۲۱)

پاکستان کی بنیاد چونکہ دو قومی نظریہ پر ہے جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس کی بنیاد میں تمام قومیتوں، مسالک و مذاہب، طبقات تمام لوگوں کی کوشش شامل تھیں اس کی جدوجہد میں کوئی ایک گروہ یا فرقہ یا مسلک شامل نہیں تھا بلکہ برصغیر پاک وہند میں موجود مسلمان اور مختلف مذاہب اور اقلیتیں شامل تھیں گویا دستور سازی کرتے ہوئے اقتدار طاقت نے جو اصول بنائے انہیں موضوع سخن بناتے ہوئے ہلال نقوی نے مملکت خداداد کی سیاسی صورتحال کو پیش کیا ہے کہ آج ظلم عام ہو رہا ہے ہر شخص ظلم وستم کی چکی میں پس رہا ہے کسی بھی شخص کی جان ومال، عزت وآبرو محفوظ نہیں انہوں نے مرثیہ طاقت کے اس بند میں عصر حاضر کی بد امنی اور دہشت وبربریت کو بیان کیا ہے حالانکہ بحیثیت مسلمان ہم جانتے ہیں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے لیکن کوئی ایسا کہنے کے لیے تیار نہیں ہر طرف کربلا برپا ہے سامراجی سیاسی نظام کے پیروکار ہر طرف ظلم وجنگ کے در کھولے ہوئے نظر آتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

پھر زندگی ہے قافلہ راہ تشنگاں
پھر زہر میں بجھے ہیں لب خنجر وسناں
جلنے لگے شعور کی بستی کے بام ودر
اٹھنے لگا حیات کے خیموں سے پھر دھواں
رفتار وقت گردش دور قضا میں ہے
انسان پھر عمل کی اسی کربلا میں ہے (۲۲)

ہلال نقوی کی مرثیہ نگاری کو اگر موضوعات کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کے پانچوں مرثیے ہاتھ، چراغ، حر، آواز اور طاقت میں مزاحمتی عناصر میں سے کون سا عنصر زیادہ نمایاں ہے تو جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ مرثیہ نگار نے جن عناصر کو اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے وہ ہنگامی نہیں بلکہ دائمی ہیں۔ دیکھا جائے

تو مختلف ادبی تحریکوں سے ان کا سر سری سا تعلق تو ضرور ملتا ہے مگر مکمل وابستگی نہیں ۔ہلال نقوی کی انفرادیت یہی ہے کہ وہ ایک متمدن اور مہذب پاکستان کے وجود کا تصور کرتے رہے ایک ایساملک جس کے رہنماسیاسی چالبازیوں میں الجھنے کی بجائے ملک میں بسنے والے عوام کے سدھار کے لیے کاوشیں صرف کریں مگر آئے دن کے تلخ سیاسی نشیب و فراز سے اندازہ ہو گیا کہ ظالم و جابر اور شیطانی حرکات کرنے والے انسان کبھی انسانیت کی بھلائی چاہ ہی نہیں سکتے سحر انصاری کا کہنا ہے:

> ''طاقت کے جتنے رخ ہو سکتے ہیں جلال ،رعب و دبدبہ،انا پرستی، غرور، تمرد، سرکشی،استحصال،ظلم و بربریت ان سب کے مرقعے بڑی قدرت بیان کے ساتھ ہلال نقوی نے تیار کیے ہیں اور پھر اس کے جواب میں فقر،فاقہ،قناعت، حق پرستی،ایثار و قربانی کی عظمت کو نہایت چابکدستی سے ابھارا ہے۔ڈکشن یا لفظی پیکر تراشی کے معاملے میں بھی ہلال نقوی نے ندرت اور تازہ کاری سے کام لیا ہے اپنے مرثیے کو اپنے عہد سے مربوط رکھنے کے لئے انہوں نے وہ الفاظ و تراکیب استعمال کی ہیں جن کے بغیر ہر مرثیے کی فضا مصنوعی معلوم ہونے لگتی لیکن ہلال نقوی نے تعلیم،دستاری،پیشہ ،اناج، زمیں،سماج،تخفیف اسلحہ،سازش کی بھٹی،چمنیوں کا دھواں اور بارود جیسے الفاظ استعمال کر کے اپنے مرثیوں کی فضا کو حقیقت پسندی سے مربوط کر دیااس ضمن میں پورا کا پورا مرثیہ ہی مطالعے کے لائق ہے''[۲۳]

تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں آغاز سے لے کر اب تک لڑی جانے والی جنگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روز و روشن کی طرح آشکار دکھائی دیتی ہے کہ ۶۱ھ کو پیش آنے والا واقعہ تاریخ بشریت میں ایک ایسا ناقابل فراموش واقعہ ہے جو آج تک لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے اس لیے ہلال نقوی مرثیہ ''طاقت'' کے درج ذیل اشعار میں خود کلامی کرتے ہوئے اپنے اندرونی کرب کو پیش کیا کہ ظلم کے اس بیکراں سمندر میں ڈوبتی ہوئی انسانیت کے لیے کربلا کو ایک سہارا اور نجات کی کشتی قرار دیا جہاں انسانیت کا درخشاں تاج امام حسینؑ کی ہی ذات ہے جنہوں نے اپنے وقت کے طاغوت اور ظالم و جابر حکمرا ن کے خلاف انقلابی قدم اٹھایا آپؑ نے جس تمکنت کا مظاہرہ کیا انسانیت رہتی دنیا تک ان کے حضور خراج عقیدت پیش کرتی رہیگی:

اے کربلائے عصر چل اس کربلا میں چل
لوٹ اس صدی سے لحہ صبر آزما میں چل
ملتی ہے جس میں حق کی قسم زندگی کی بھیک
اس خطہّ حیات کے شہر قضا میں چل
وہ دیکھ وہ حسینؑ ہیں حدّ نفاذ پر
کس تمکنت کے ساتھ کھڑے ہیں محاذ پر (۲۴)

آخر میں بس اتنا کہنا ہی حسینؑ کی عظمت کی دلیل ہے جن پر خود زمانے کے امام سلام بھیجتے ہوں:

سلام ہو حسینؑ بے کس و مظلوم ابن ذاھرا پر
سلام ظلم سے غربت سے مرنے والے پر
رسولؐ پاک کے کاندھوں پر چڑھنے والے پر
سلام اس پر نبوت تھی جسکی سواری (۲۵)

آج کے دور میں مرثیہ کی عظمت و مقبولیت کا سب سے بڑا سبب واقعہ کربلا ہے جس نے ہر صاحب دل حریت پسند، عادلانہ فکر رکھنے والوں کو متاثر کیا الغرض مرثیہ، مرثیہ نگار اور واقعہ کربلا لازم و ملزو بن کر رہ گئے اور مرثیہ واقعہ کربلا کے لیے مختص ہو گیا اس لحاظ سے ہلاؔل نقوی وہ ہستی ہیں جو سیاسی برپا ظلم کی نفی کے لیے اپنا سلسلہ کلام طریقت کے شہسوار سے جوڑتے دکھائی دیتے ہیں جس کو امام حسین علیہ السلام نے ۶۱ ھجری میں پاش پاش کیا تھا مرثیہ نگار نے درج بالا بند میں دو انسانی مزاجوں کی درمیان کشمکش کو پیش کیا ہے جہاں حسینؑ کی انسانیت، حق پرستی اور راستی کامیاب ہوئی یہ منظر ملاحظہ کیجئے:

کہتے ہیں فوج شر سے کہ اے بانیان شر
ہم وہ نہیں کہ مادی قوت پہ ہو نظر
لے کر بڑھے جو صولت ایثار کا جمال
پہنچے لہو میں تیر کہ حد کمال پر
دیوار آہنی کی بھی حد پر نہ رک سکے
یہ سر وہ سر نہیں جو طاقت سے جھک سکے (۲۶)

ہلال نقوی نے مرثیہ "طاقت" میں انقلاب حسینی کے سبق کو عام کرنے کے لیے امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے مقاصد کو اجاگر کرنے کے لیے انقلابی افکار برپا کرنے پر زور دیا ہے تاکہ آج اس پر آشوب سیاسی دور میں اجتماعی سطح پر انقلاب لایا جائے اس ضمن میں گاندھی نے کہا تھا"میں ہندوستان والوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں لایا ہوں میں نے جو کچھ کیا ہے وہ نتیجہ ہے ان مطالعوں اور تحقیقات کا جو میں نے کربلا کے بہادر شہیدوں کی تاریخی زندگی سے حاصل کیا ہے اگر ہم ہندوستان کو استعماری طاقتوں اور نو آبادیاتی نظام کے ظلم و جبر کے چنگل سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے لازم وضروری ہے کہ ہم اسی راہ پر قدم بڑھائیں جس راہ کو حسینؑ ابن علی علیہ السلام نے اختیار کر کے طے کیا ہے اور ویسا انقلاب لائیں جیسا حسین لائے"(۲۷)مرثیہ نگار نے درج ذیل اشعار میں حسینی انقلاب کو علامت کے طور پر استعمال کر کے اسے فتح کی علامت قرار دیا ہے بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر تحریک جو انسان کی فلاح کی غرض سے شروع ہوئی اس کی اتباع کرنے والوں کی تعداد مختصر لیکن ان کے افعال جلیلہ رہتی دنیا تک قائم رہتے ہیں دیکھئے:

اے وقت دیکھ رن کی طرف غفلتوں کو چھوڑ
یہ لمحہ ہے حسینؑ کے افکار کا نچوڑ
جس انقلاب فکر کی حد پر ہیں اب حسینؑ
اس انقلاب کا ہے یہ نازک ترین موڑ
یہ موڑ علم وصبر کا اک شاہکار ہے
س موڑ پر ہی فتح کا دارو مدار ہے(۲۸)

مرثیہ نگار نے مرثیہ "طاقت" کے درج ذیل اشعار میں امام حسین علیہ السلام کے دودھ پیتے بچے کا وہ عظیم کارنامہ دکھایا جسے دیکھ کر خود پسر سعد اور شمر بھی حیران ہوگئے جس کے مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی انسانی نفسیات کا اصول ہے کہ معصوم بچوں سے جنگ کرنے سے گریز کرنا چاہیے لیکن شہزادہ علی اصغر ششماہی بچے کو میدان جنگ یں دیکھ کر دشمن کی اضطرابی بڑھی

ایسے میں یہ بھی سوچ کہ بڑھ کر بہ مکر وزور
اصغر کو اپنی گود میں لیتے وہ پر فتور
کہتے یہ ظاہر پسر سعد و شمر بھی
ایسے معاملات میں بچے کا کیا قصور

یہ اضطراب میں ہے تو ناشاد ہم بھی ہیں
سینے میں دل ہے صاحب اولاد ہم بھی ہیں (۲۹)

بی بی رباب ننھے علی اصغرؑ کے سوکھے لبوں کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام سے درخواست کرتی ہیں اس کمسن کو لے جائیں شاید بچے کی پیاس کی شدت دیکھ کر دشمن پانی پلائیں یہی سادہ حقیقی اچھوتی شہادت جسے صدیوں سے شاعروں، ادیبوں اور خطیبوں نے موضوع سخن بنایا۔ہلال نقوی کے ہاں مثالی چیز یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ مضامین کی نوعیت کے حساب سے زبان کا استعمال کرتے ہیں الفاظ سادہ ہوتے ہیں ردیف و قافیہ، استعارات اور تشبیہات کا استعمال بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے مذکورہ بند میں خانوادہ رسولؐ کے ششماہی سپہ سالار کی معرکہ آرائی کے بیان میں تشبیہ ملاحظہ کیجیے:

سب دیکھتے کہ پالیا بچے کے دل نے چین
سیر اب ہو گیا ہے جگر گوشہ حسینؑ
لکھتے اسے تمام مورخ بہ اہتمام
کرتے یہ درج واقعہ راوی بہ زیب وزین
اسباب لازماً تھے مہیّا حیات کے
جھولا رکھا ہوا تھا کنارے فرات کے (۳۰)

کم سن بچے نے جس طرح یزیدی طاقت کو سرنگوں کیا اس کی نظیر نہیں ملتی ہلال نقوی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حسینی افواج کا ایک ایک سپاہی خاص یہ ننھا مجاہد مخالف فوج کے لاکھوں پر بھاری تھا یہ ایسا استعارہ ہے جو ہلال نقوی جیسا مرثیہ گو ہی استعمال کر سکتا ہے:

اصغر ہیں اب محاذ پہ فوج شقی بھی ہے
یہ لمحہ امتحان کی حد آخری بھی ہے
اب وقت آ گیا ہے کہ طاقت ہو سرنگوں
یہ طفل استعارہ ناطاقتی بھی ہے
ہے کمسنی تو رزم کی ہر راہ بند ہے
تلوار بھی تو قد سے زیادہ بلند ہے (۳۱)

یوں تو شعر و ادب کی دنیا نے زمانے کے سیاسی حالات کو سمونے کے لئے ہمیشہ اپنا دامن وسیع رکھا زندگی جتنے موڑ کاٹتی ہے مرثیہ بھی اسی انداز اور مزاج سے اپنے رنگ اور آہنگ بدلتا رہتا ہے اور سیاسی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں میں اپنا مقام متعین کرتا ہے۔ ہلال نقوی قوم کے درد کو اپنا درد محسوس کرتے ہیں عملی طور پر وہ کسی سیاسی پارٹی کے رکن نہیں بلکہ گردوپیش کی سیاست کی ترجمانی کے لیے انہوں نے ان بھیڑیا صفت انسانوں کے ظلم کی نشاندھی کے لیے طاقت کا سرغنہ یزید کی گھناؤنی اور آسیب زدہ صورت کی جزئیات کو چند لفظوں میں بیان کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے:

اس ضرب سے کڑی کوئی ضرب گراں نہیں
اے ابن سعد یہ کوئی تیر کماں نہیں
تجھ کو بڑا غرور ہے تیغوں کی باڑھ پر
لیکن اس اسلحے کی ضرورت یہاں نہیں
اب کس سپر سے فوج کو اپنی بچائے گا
مظلومیت کا وار ہے دل تک یہ جائے گا
کہنے لگا یہ بڑھ کر وہیں لشکر کثیر
پانی اسے پلا دے ابھی اور یہیں امیر
مظلومیت کے وار کا دیکھے کوئی کمال
اپنوں کی زد پہ ہے پسر سعد بے ضمیر
یوں پست اقتدار کی طاقت کو دیکھ کر
ہے زلزلے میں رنگ بغاوت کو دیکھ کر
آیا ہے ابن سعد جو یہ حرملا کے پاس
نیت یہی ہے گو کہ نگاہوں میں ہے ہراس
ایذ غضب کا قہر دکھانے کے واسطے
گھبرا کے اس شقی سے یہ کہتا ہے بدحواس
اے حرملا مٹا دے بھرے گھر کے چین کو
فی الفور قطع کر دے کلام حسینؑ کو

جس سوچ میں ہے اب پسر سعد حیلہ جو
ہے چشم دل کو اس کے پرکھنے کی جستجو
اس وقت اسکے ذہن کو پڑھنے کے واسطے
ظالم کی نفسیات سے کرنا ہے گفتگو
اس رخ میں جو نہاں ہیں وہ پہلو بغور دیکھ
اب تجزیے کی آنکھ سے ظالم کے طور دیکھ
ظالم کی نفسیات میں پیدا ہوا یہ شر
اب اس سے پیشتر کہ بغاوت اٹھائے سر
اتنا شدید وار کہ دو طرفہ کار ہو
دہشت میں ساری فوج بھی آجائے دیکھ کر
اس مرحلے کے جائزے تدبیر سے لئے
دو کام ابن سعد نے اک تیر سے لئے (۳۲)

اگرچہ اس عالم بے وفا میں کوئی خوش و خرم نہیں رہتا سب کے اپنے ذاتی غم ہوتے ہیں حالات کے پیالے ہر رنگ کا بادہ لئے سامنے آتے ہیں اور انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں پینا پڑتا ہے لیکن حساس فنکار پہ آفرین کہ وہ ہر حال میں، ہر رنگ میں اپنے لفظوں کا علم بلند کئے لوگوں کے جذبوں کو زبان دیئے جاتا ہے اور یہی چیز شعر وادب کو ابدی اور امر ہونے کا درجہ دلانے میں معاونت کرتی ہے حسن عابدی شاعر و تخلیق کار کے منصب پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں:

"ایک شاعر، ایک تخلیق کار ہمیشہ حالت جنگ میں ہوتا ہے۔ یہ جنگ وہ سب سے پہلے اپنے اندر لڑتا ہے۔ماحول کی ناہمواریوں، معاشرے کے جہل، تعصبات، منافرت، غیر انسانی رویوں ،ہوس ناکیوں اور سفاکیوں کو دیکھ کر اس کے وجود میں یہ جنگ شروع ہو جاتی ہے وہ ان خرابیوں کو برداشت کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اس کا اظہار کبھی استعاروں میں اور کبھی اپنے طریقے سے کرتا ہے اس انکار کو وہ اپنے فن کی بقا کے لئے ضروری سمجھتا ہے اگر وہ معاشرے کے جبر، بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں سے ہار مان کر صرف اپنی ذاتی محرومیاں سمیٹ کر بیٹھ جائے تو پھر

تخلیق کار کا ہے کو ہوا۔ ذاتی غم تو سبھی کے ہیں جب ہماری ذات نہ ہو گی تو یہ غم بھی نہ ہوں گے لیکن جب تک انسانی معاشرہ موجود ہے انسان کی نا آسودگیاں، محرومیاں اور ناکامیاں کسی نہ کسی صورت میں نمودار ہوتی رہیں گی اور تخلیق کار ان سے نبرد آزما ہوتا رہے گا"(۳۳)

ہلال نقوی جب سیاسی ظالم راہبر کے ہاتھوں ملک و قوم کو تباہ ہوتا دیکھتے ہیں تو وہ مزاحمتی لہجہ اختیار کرتے ہیں اور ان کے جابرانہ سیاسی رویے کے تحت ہونے والے مظالم دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

ظالم کا یہ اصول ازل سے ہے آج تک
اور اس اصول کی ہے پہنچ ہر سماج تک
اٹھے کوئی قدم جو بغاوت کی راہ میں
آئے کوئی صدا جو صفِ احتجاج تک
حق کے مقام حق سے گھٹانے کے واسطے
دے حکم حد ظلم بڑھانے کے واسطے (۳۴)

مذکورہ بند کے ذریعہ امام حسینؑ کی نفسیاتی کیفیت کا صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا یہ مصرع "وہ دیکھ دل پہ وار لگا دل الٹ گیا" یہ بلاغت کی اعلیٰ مثال ہے جسے ہلال نقوی نے مرثیہ کے مزاحمتی روپ میں پیش کیا ہے:

وہ دیکھ دل پہ وار لگا دل الٹ گیا
تیری بساط جبر کا پانسہ پلٹ گیا
وہ دیکھ گردنوں میں تناؤ بھی اب نہیں
قبضے پہ ہاتھ نرم ہوا زور گھٹ گیا
جھکنے لگی سناں بھی سپر چھوٹنے لگی
تیغوں کی بے دریغ کمک ٹوٹنے لگی (۳۵)

سیاسی رویوں نے جو کچھ پاکستان کی جھولی میں ڈالا اس کی بنا پر ہلال نقوی کے مرثیے اس نینوا کے دشت میں معرکہ حق و باطل کی یاد دلاتے ہیں مرثیہ "طاقت" کا اشاراتی اور کنایاتی لہجہ نہیں بدلا حقیقت یہ ہے

کہ جس وقت فرد کی آزادی کو شدید خطرات لاحق ہوں تو قوم کے دیدہ بینا پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حالات کا صحیح تجزیہ کر کے اپنے افکار کے ذریعے قوم کو بیدار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے ان حالات میں حسینی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے اردو مرثیہ میں حقیقی عظمت کی دلیل یہ ہے کہ اس کے وسیلے سے قومی سوچ پروان چڑھے اس لئے سخن ور نے ایک کیمرہ مین کی طرح کربلائی انقلاب کا عکس پیش کیا ہے:

ہاتھوں پہ ہے جو اصغر تشنہ دہاں کی لاش
انسانیت کے دل میں مسلسل ہے ارتعاش
جس سے یزید قعر مذلت میں گر گیا
ناطاقتی نے دی ہے ایسی شکست فاش
حالانکہ راون ہو گیں آنکھیں رباب کی
اللہ رے یہ ضرب انقلاب کی
یہ ضرب انقلاب کی ہوتی رہی شدید
بڑھتے رہے حسینؑ بکھرتا رہا شدید
شبیرؑ نے تو قبر میں بچے کو رکھ دیا
لیکن بڑھائیں ظلم نے اپنی حدیں مزید
سفاکیت کی حد کا تعین جہاں پہ ہے
وہ دیکھ اس کی سطح وہ نوک سناں پہ ہے
منظر وہ ہے کہ تیر سا دل میں اتار دے
عبرت کا ایک درس سر رہگزار دے
قائل نہ کر سکے گا دلیلوں سے اقتدار
اس ضمن کے جواز حکومت ہزار دے
پردوں میں چھپ سکے گی نہ صورت یزید کی
تشہیر ساتھ ساتھ ہے ظلم شدید کی (۳۶)

جب ایک مرثیہ نگار جو لطیف جذبات رکھتا ہے، حالات کی گرانی کا شکار ہونے لگے تو اس کا یقینی اثر اس کی تخلیق پر پڑتا ہے۔ ہلال نقوی نے اپنے دور کی سیاسی تباہ کاریوں کو بیان کیا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ان

بدترین سیاسی حالات میں قوم کو حسینیؑ جذبہ رکھنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ نقاد ایسے مرثیے کو ہی عظیم مرثیہ قرار دیتے ہیں کہ جو مایوس افراد کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کی امنگ پیدا کرے۔

ب۔ مذہبی استحصال بحوالہ مرثیہ قیصر بارہوی

تمام انسانوں کے مابین دو چیزیں مشترک ہیں۔ اللہ کو ماننا اور آدمؑ کی اولاد ہونا چناچہ زمین میں جتنے بھی انسان ہیں تمام اللہ کے پیدہ کردہ ہیں رنگ نسل اور شکل وزبان کا مختلف ہونا محض تعارف کے لیے ہے پر امن رہنا ہر انسان کی فطری خواہش ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے لہذا ہماری مذہبی قیادت کا فرض ہے کہ وہ پاکستان میں امن قائم کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کردیں لیکن صد افسوس صورتحال اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے یہاں مذہبی تعصبات نے جلتی پر تیل کا کام دیا ہے جس سے جنگل کا قانون جس کی لاٹھی اس کی بھینس نافذ ہو چکا ہے ہر ایک مذہبی طبقہ اپنی بالا تری کی کوشش میں سرگرم عمل ہے ہر بڑی طاقت چھوٹی طاقت کو ختم کرنے کے درپے ہے خلیل الرحمٰن کا کہنا ہے:

> ''مسلمانوں کے زوال میں مسلکی تعصب، فقہی گروہ بندیوں اور علم کلام کی بلا مقصد بحث، مناظروں کا بھی بہت عمل دخل رہا ہے اس نے ہمارے اندر سے تحمل برداشت اور رواداری کے رجحانات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے دشمنوں نے ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منفی پروپیگنڈہ کیا ہمارے باہمی اختلافات کو ہماری کمزوری سمجھ کر اسے کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے،،(۳۷)

ہمارے ملک میں کئی مذہبی تنظیمیں ایسی ہیں جو غیر ملکی ایجنٹوں کی وظیفہ خور ہیں اور وطن عزیز میں مذہبی استحصال کرانے میں ملوث ہیں بعض اوقات خفیہ ایجنسیاں بھی ان مذہبی گروہوں سے اپنے مفادات کے لئے کام لیتی ہیں ان کا مقصد ملک پاکستان کو مذہبی لحاظ سے فرقہ واریت میں دھکیلنا ہوتا ہے اس کی مثال اسرائیل کا ایک یہودی دس سال تک جامعہ الازہر میں بطور مسلمان ٹیچر کے فرائض سرانجام دیتا رہا ہے اسی طرح کراچی میں ایک سکھ ۲۰ سال تک ایک مسجد کی امامت کراتا رہا ہے اس قسم کے مذہبی استحصال میں ایسے علماء و دانشور تیار کیے جاتے ہیں جو لوگوں میں مذہبی تعصب کو ابھارتے ہیں چونکہ مغربی طاقتوں کے فرعونہ دماغوں میں جب تک اسلام کا درخت برگ وبار لاتا رہے گا ان کے محلات پر شدید خطرات منڈلاتے رہیں گے اس لیے انھوں نے اپنی ہر حکمت عملی کے پیچھے اسلام کو اپنا ہدف بنایا اور اسے بدنام کرنے کی کوشش کی حتیٰ کی

اسلام کے ماننے والوں کے چہروں کو مسخ کر کے انہیں تخریب کاروں کے روپ میں پیش کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے۔

i۔وحدت مذہب

مرثیہ "وحدت مذہب" مذہبی استحصال سے متعلق ہے جس میں قیصرؔ بارہوی نے مذہب اسلام کا استحصال کرنے والے افراد کی مزاحمت کی ہے قیصرؔ بارہوی جیسا حساس مرثیہ نگار جانتا ہے کہ مملکت پاکستان میں خود غرض عالم دین طبقہ مسلمان قوم کو سراسر گمراہی کے راستے پر ڈال رہا ہے جس سے قوم بہت برے اعمال کا شکار ہوتی چلی جائے گی تب ہی تو قیصرؔ بارہوی قوم کو سادہ آسان راستہ سمجھاتے ہیں:

فکر مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو نظم کردار سے تنظیم مشیت سمجھو
کیا ہے اسلام کی معصوم سیاست سمجھو ابن آدم ہو تمدن کی ضرورت سمجھو
اندھی تقلید میں انسان مہذب تو نہیں
جس سے شرمندہ ہو مذہب وہ مذہب تو نہیں(۳۷)

یہی نہیں یہ وہ دور ہے کہ جب مرثیہ نگار کو بھرپور طریقے سے اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمان قوم مذہب سے دوری اختیار کیے ہوئے ہے اسی حوالے سے وہ قوم کے نامہ اعمال کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں صدا بلند کرتا ہے یہ صدا ان لوگوں کے لیے جن کو مغربی عقرب کے حصار میں ڈسا جا رہا ہے یہ جنون کی آواز مسلمانوں کو مغربی پاتال سے نکالنے کے لیے قیصرؔ بارہوی لگا رہے ہوتے ہیں وہ برے وقت کی نشاندھی کرتے ہوئے مزاحمتی سوالیہ لہجہ اختیار کرتے ہیں:

درد مذہب ہے تو سمجھو غم مذہب کیا ہے قوم کی روح جو ڈستا ہے وہ عقرب کیا ہے
نور ظلمت دم نظارہ ہیں نسب کیا ہے تیرگی ذوق طلب میں ہے تو مطلب کیا ہے
صبح ہوتے ہوئے کیوں شام کے شیدائی ہو
کیوں اجالوں میں اندھیروں کے تمنائی ہو(۳۹)

قیام پاکستان کے بعد یہاں کے لوگوں کے بارے میں اردو مرثیہ نگاروں نے بالعموم حقیقت پسندانہ انداز فکر اپنایا اپنے جراتمندانہ موقف کی بدولت قیصرؔ بارہوی نے پاکستان میں مذہبی شدت پسند عناصر کو یہ

باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے قولاً وفعلاً مذہب اسلام کی حقیقت کو سمجھیں قیصؔر بارہوی اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں:

کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے مذہب اس کی بنیاد ہے دراصل فقط مرضی رب
صرف افراد کی کثرت نہیں مذہب کا سبب لب آغاز سے کہتی ہے یہ تاریخ ادب
عرش پر نام پڑھانے کا یہی مطلب ہے
چشم آدمؑ میں خلافت کی ضیا مذہب ہے(۴۰)

قیصؔر بارہوی کے رثائی کلام میں زبان ولفظ کا رشتہ ایک عجیب معنوی انداز میں سامنے آتا ہے ان کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں الفاظ کی حیثیت لغوی معانی سے زیادہ علامتی ہے یہ علامتیں ان کے نزدیک کیا ہیں؟ اس کا کھوج لگانا پھر ایک جان لیوا کام ہے اور اس کے لیے ایک الگ بحث کا آغاز ہو جائے گا بہر حال ان کا مرثیہ ''وحدت مذہب'' اپنے اندر معنویت کے ساتھ ساتھ علامتی جہان تحیر سموئے ہوئے ہے۔ مذہبی منظر نامہ بیان کرتے ہوئے ان اشعار میں علامتی پہلو ملاحظہ کیجئے:

ظلم قابیل ہے مذہب سے بغاوت کی نمود ذکر ہابیل ہے مظلوم سے الفت کا وجود
اہل حق آج بھی کہتے ہیں بحکم معبود دہریت شیوہ لعنت ہے تو مذہب ہے درود
حق کو حق کہنے کی بے باک ادا ہے مذہب
اپنے اللہ سے پیمان وفا ہے مذہب(۴۱)

مرثیہ نگار نے اپنے موقف کی پر زور تائید کے لیے اور مسلمانوں میں احساس بیداری پیدا کرنے کے لیے واقعہ کربلا سے کسب فیض لیا ہے انہوں نے اسلام کے ہیرو امام حسینؑ کی بے مثال بہادری کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے جابر حکمران کا غرور خاک میں ملایا۔ بارہوی کی احساسی فکر اپنے پورے عزم کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے جہاں بھی انہیں مذہب اسلام کا استحصال نظر آتا ہے تو وہ اشعار کی صورت استحصالی قوتوں پر برسنے لگتے ہیں درج ذیل اشعار میں ان کی احساسی فکر کے اثرات نمایاں ہیں:

اہل احساس سے پوچھو یہ تقاضائے شعور کس نے تحریر کیا فکر و نظر کا دستور
کون مذہب کا نگہباں تھا یوم عاشور کس نے قدموں سے کچل ڈالا حکومت کا غرور

بزم تابندگی ذکر سجائی کس نے
راہ بیداری احساس دکھائی کس نے(۴۲)

اپنے وطنی بھائیوں سے قیصؔر بارہوی کا لہجہ اہانت آمیز ہے مگر وہ ایسا صرف پنی قوم کو بیدار کرنے کے لیے کیا کرتے تھے تاکہ ہمت اور حوصلے لیے یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور مذہب اسلام کی پاسداری کر سکیں۔ مرثیہ ''وحدت مذہب'' میں ایک خاص تکنیک استعمال کی گئی ہے اس لحاظ سے یہ ایک مکمل اور مظبوط مرثیہ ہے جس میں قیصؔر بارہوی نے مسلم قوم کو مذہب اسلام کی حقیقت کو احسن طریقے سے پیش کیا ہے اس مرثیہ کی خوبی یہ ہے کہ مرثیہ نگار نے براہ راست استحصالی طبقہ پر کھل کر مزاحمتی وار کیے ہیں:

دیکھ اے ابن زیاد آج کا انداز غرور کل ترے سامنے انجام بھی لائے گا ضرور
دے کے ایذاؤں پہ ایذائیں سمجھ کر مجبور اب ترا نام ہے تاریخ کے دل کا ناسور
تو نے اولاد امیہؔ کی غلامی کی ہے
ہم نے توحید کے پرچم کو سلامی دی ہے(۴۳)

قیصؔر بارہوی کا رثائی کلام فنی پختگی، فکری وسعت اور رواں اسلوب کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتا ہے شمیم انوار الحق کا کہنا ہے ''قیصؔر بارہوی نے بڑی کثرت سے متواتر مرثیے تصنیف کئے ہیں اور ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ روایتی ڈگر سے ہٹ کر اپنی مرثیہ نگاری کے لئے جدید جولان گاہیں پیدا کی ہیں۔ موصوف نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ مرثیہ نگاری کے لئے وقف کر دیا جبکہ دیگر شعراء نے مرثیہ نگاری سے ہٹ کر دوسری شعری اصناف میں بھی اپنی تخلیقات کی طرف توجہ دی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں مرثیہ نگاری کو ایک باضابطہ تحریک بنانے والے شاعر ہمارے دور میں صرف قیصؔر بارہوی ہیں۔''(۴۴)

ملک پاکستان میں کلمہ گویوں کو جس طرح مذہبی فرقہ واریت کی آگ میں دھکیلا جا رہا ہے ان کا مداوا ڈھونڈنا ہر ذی شعور کے بس کی بات نہیں لیکن قیصؔر بارہویں استحصالی طبقہ کی ریاکاریوں کے خلاف اعلان جنگ کرتے نظر آتے ہیں الغرض مرثیہ گو نے نام نہاد مذہبی استحصال کرنے والوں پر لعنت کی ہے اور جرات و بہادری کا نشان ابن زاہرا ؑ کو قرار دیا ہے جنھوں نے دین اسلام کی آبیاری اپنے لہو سے کس طرح کی ملاحظہ کیجیے:

رد بیعت میں جو پنہاں تھی پیمبر کی بقا ابن زاہراً نے اسے خون سے تحریر کیا
حاکم شام کا اس طرح سے تختہ الٹا نام تاریخ نے لکھا بھی تو لعنت لکھا

آج بھی کہتے ہیں اجڑے ہوئے آثار یزید
کربلا صبح ہے اور شام ہے دربار یزید(۴۵)

مرثیہ وحدت مذہب کے کل چوراسی بند ہیں اور ہر بند میں مرثیہ نگار نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے موضوع سخن پر کھل کر بات کی ہے یہ مرثیہ قیصرؔ بارہوی کی مذہبی فکر کی صحیح عکاسہ کرتا ہے انہوں نے تشبیہات و استعارات کا استعمال کرتے ہوئے مذہب اسلام کے ہیرو امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جنہوں نے یزیدیت کا غرور خاک میں ملا دیا سخن گو نے مرثیہ "وحدت مذہب" میں کلمہ گویوں کو آپس میں دست گریباں ہونے سے باز رہنے کی تلقین کی ہے مرثیہ نگار کے نزدیک تفرقہ باز تعلیم اسلام سے بے بہرہ ہے خدا تعالیٰ نے تو مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ قیصرؔ بارہوی نے اپنے قلم کے ذریعے اپنے محسوسات اور مشاہدات کو اسی انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے جسے انہوں نے محسوس کیا ان کے لب و لہجے میں تلخی اور مزاحمتی انداز نظر آتا ہے۔ استحصالی ذہنیت کے حامل بااثر طبقے اپنے مفادات کے حصول کے لئے عوام کو فرقہ بندی کے جال میں پھنسائے رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو سکیں۔

ii۔ سیّد مسموم

پاکستان میں مزاحمتی مرثیہ کی روایت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصرؔ بارہوی نے مرثیہ "سید مسموم" ۱۹۷۹ء میں تخلیق کیا یہ وہ دور تھا جس میں خوں بستہ آنکھیں ظلم و وجود کا نظارہ تو کرتی تھیں مگر اس پر اشک خون نہیں بہاسکتی تھیں دین اسلام کی آڑ میں نیلامی ہو رہی تھی اس تاریک فضا میں قیصرؔ بارہوی نے ایک ایسی صدائے احتجاج بلند کی جس کی گونج سے ایوان شر ہلنے لگی اس حوالے سے مرثیہ "سید مسموم" کو مزاحمتی مرثیے ادب کی صف اول میں رکھا جاسکتا ہے مرثیہ نگار درج ذیل اشعار میں یوں گویا ہیں:

حال دل ہوتا ہے بے حال وہ حالات بھی ہیں درس نفرت بھی ہے الفت کی بیانات بھی ہے
خون کی نہر بھی ہے امن کے باغات بھی ہیں غیر ہنستے ہیں وہ رونے کے مقامات بھی ہیں

درد آیات ہے اور حرمت آیات نہیں
کیا یہ اسلوب نظر مرگ خیالات نہیں (۴۶)

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں سچ لکھنے والے کو سقراط زہر پینا پڑتا ہے ہر حق پسند مرثیہ نگار نے اپنی قوت فکر کی بنیاد پر ظلم واستحصال کے خلاف نہ صرف احتجاج کیا بلکہ اپنے قلم کے زریعے استغاثہ حق کو بلند کیے رکھا قیصرؔ بارہوی نے بھی اپنی اعلیٰ بصیرت وبصارت کے امتزاج سے فکر خیال کی شمعیں روشن کی ہیں ؔہلال نقوی کا کہنا ہے" قیصرؔ بارہوی نے مختلف موضوعات پر ترپن مرثیے تخلیق کیے اور ہر مرثیے میں اپنی جدت فکر اور ندرت طبع کے جوہر دکھائے قیصرؔ بارہوی کے مرثیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اب اردو مرثیہ کی صنف اور قیصرؔ بارہوی کا نام لازم وملزوم ہیں"(۴۷)

قیصرؔ بارہوی کے مرثیوں کا زیادہ تر مرکز و محور مذہبی شر پسند عناصر دشمنی پر مبنی ہے گویا کہ مرثیہ گو مذہبی استحصال کے خلاف تھے ان کا شاہکار مرثیہ "سید مسموم" مزاحمت کی عمدہ مثال ہے جس یں قیصرؔ بارہوی نے ہر اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ دینے، ی تلقین کی ہے جو مذہب اسلام کے استحصال کو جنم دیتا ہوا نہوں نے جو ارد گرد کا مذہبی ماحول دیکھا اسے تضحیک کا نشانہ بنایا دور آمریت میں قیصرؔ بارہوی نے حق تلفی اور ظلم و زیادتی کے خلاف آواز حق بلند کیا اور پاکستان کی مذہبی صورت حال کو اپنے اشعار کے وسیلے سے بھرپور انداز میں اس کا پردہ کچھ یوں چاک کیا ہے:

آہ مظلوم بھی حق، ظلم کی تلوار بھی حق　　　عزت نفس بھی حق وحشت کردار بھی حق
دین کی بات بھی حق، کفر کی گفتار بھی حق　　　ایک معصوم بھی حق، ایک گنہگار بھی حق
کسی منزل پہ تمیز سحر و شام نہیں
یہ تو اسلام کی توہین ہے اسلام نہیں (۴۸)

اگرچہ ان کے رثائی مجموعے میں بے شمار مزاحمتی نوعیت کے مرثیے شامل ہیں لیکن مرثیہ "سیّد مسموم" میں اپنے نوک قلم سے زبردست مزاحمتی لحن میں احتجاجی صدا بلند کی ہے وہ اپنے دور میں اسلام کی خستہ حالی پر یوں تنقید کرتے ہیں:

وقت کی رو میں اندھیروں کے پجاری توبہ　　　لوح اسلام اور الحاد نگاری توبہ
فرش مسجد پہ ہوئی بادہ گساری توبہ　　　بے گناہوں کے لئے گریہ و زاری توبہ
کیا کہوں فکر کے بازار کا منظر کیا ہے
پانی مہنگا ہے پیمبر کا لہو سستا ہے (۴۹)

صداقت عصر اور صداقت فکر کی آمیزش نے قیصر بارہوی کے مرثیہ ''سید مسموم'' میں وہ توازن پیدا کیا ہے جس کی بنیاد پر ان کے اشعار رجائیت کا اظہار کرتے ہیں شاید یہی آمیزش نے ان کے رثائی کلام کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جس سے وہ ماضی کی فضاؤں سے فکر کے سورج طلوع کرتے ہیں اور دور حاضر کی خامیوں کو دور کرنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں امیر علی جونپوری لکھتے ہیں ''انہوں نے نصف صدی تک اس صنف کی آبیاری کی اور اپنے دل پزیر لحن اور پیش قیمت افکار سے مرثیے کے نئے نئے امکانات کی نشاندھی کی''(۵۰) جس ملک میں جبر و استبداد کی قوتیں مظبوط ہوں وہاں کے عوام مزاحمت کرنے کی بجائے ان ظالم قوتوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ قیصر بارہوی استحصالی طاقتوں کی تحریر کو کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہیں مرثیہ نگار نے اپنے وطن عزیز میں جینے کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ اشعار اپنی نوعیت میں بھرپور مزاحمتی رنگ لیے ہوئے ہیں:

اف یہ تاریخ حیا سوز جریدوں کی طرح جس کی تحریر خریدے ہوئے ذہنوں کی طرح
اف یہ الفاظ کے آئینے صلیبوں کی طرح فرد کردار نظر آتی ہے زخموں کی طرح
بات کہتا ہوں تو دنیائے ادب ہلتی ہے
فکر میں دولت شاہی کی چمک ملتی ہے (۵۱)

تخلیق کار اپنی تخلیق میں سوالیہ انداز اپناتا ہے مرثیہ ''سید مسموم'' میں معاشرتی تضادات کی بھی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے وہ عام آدمی کے جذبات کو شعری قالب میں ڈھالنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں فکر انسانی کے ضمن میں لکھے گئے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

کوئی سمجھا ہی نہیں کیا ہے مفاد ہستی عظمت فکر ہے انساں کی بالا دستی
کیا زمانے کی بلندی ہے تو کیسی پستی آج دنیا سے یہ کہتی ہے خرد کی بستی
یوں تو زمانے کی سیاست کا خلاصہ دیکھا
شام کے تیروں میں سورج کا کلیجہ دیکھا(۵۲)

ایک حق گو قلم کار حاکم وقت کی ایذا رسانیوں کو کیسے برداشت کر سکتا ہے قیصر بارہوی نے مسلم حکمرانوں کو ہمیشہ ہدف تنقید بنایا مرثیہ نگار اس ضمن میں یوں گویا ہے:

بستی بستی یہ سیاست کے طلائی بادل خام ذہنوں میں اگاتے ہیں نئی فصل عمل
جھلملاتی ہے نگاہوں میں سنہری فرغل دیکھتے دیکھتے بن جاتے ہیں وحشت کے محل

غم کا خنجر دل تہذیب میں گڑ جاتا ہے
حق نمائی کا بھرا شہر اجڑ جاتا ہے (۵۳)

دنیاجہاں کی تمام استحصالی طاقتیں انصاف کرنے والوں اور انصاف کا قانون نافذ کرے والوں کو کبھی برداشت نہیں کرتیں حالانکہ دین اسلام کا نظام انصاف پر مبنی ہے لیکن ہوس پسند افراد اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے روشن چراغوں پر تاریکی کا غلاف چڑھا دیتے ہیں قیصر بارہوی ایسے افراد کی اس منافقانہ روش کا یوں پردہ چاک کرتے ہیں:

سر میں سودائے ہوس ہو تو کہاں کا انصاف گردش خوں سے ابھرتا ہے جفاؤں کا طواف
نشہ زر جو بناتا ہے دلوں کو خُراف لوگ سورج پہ چڑھاتے ہیں اندھیروں کا غلاف

آدمیت کا ہر انداز بھلا دیتے ہیں
تہمتیں بولتے قرآں پہ لگا دیتے ہیں (۵۴)

قیصر بارہوی کے مرثیے میں حقیقت نگاری اس روپ میں نظر آتی ہے کہ انہوں نے مسلم امہ میں پنپنے والے خطرات کو مرثیے کا موضوع بنا کر معنوی انقلاب کے تجزیے کیے جس کا مقصد فکر اور سوچ کو معنوی اعتبار بخشنا تھا ان کے وجدان اور تراشیدہ عصری شعور نے ان کی فکر کو متحرک کر دیا ہے ان کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے مسلہ امہ کو آگہی دلانے کا احساس نظر آتا ہے مظفر عباس کا کہنا ہے ''اور جب تک آفتاب مرثیہ افق شاعری پر جلوہ فگن ہے قیصر بارہوی کا نام اور کام جگمگاتا رہے گا''(۵۵) قیصر بارہوی حق گو منتخب مرثیہ نگاروں کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہ محکوم اور مجبور افراد پر ہونے والے کے خلاف بھرپور مزاحمت کرتے نظر آتے ہیں درج بالا اشعار میں مصرعہ ''فکر اس منزل احساس پہ لے جاتی ہے'' ان کی فصیح بلاغت کی اعلیٰ مثال ہے جو یقیناً ایک مخصوص پس منظر کے بغیر معرض وجود میں نہیں آسکتے:

شہر تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے صحن ماضی کی فضا روح کو تڑ پاتی ہے
فکر اسی منزل احساس پر لے جاتی ہے زندگی سبز کفن چاند کو پہناتی ہے

کیا بتاؤں لب تحریر سے کیا سنتا ہوں
شیشہ دل کے چٹخنے کی صدا سنتا ہوں (۵۶)

مذہبی لحاظ سے پاکستان کے لوگوں پر ہونے والے ظلم اور استحصال پر قیصؔر بارہوی خاموش نہیں رہتے درج بالا اشعار ان کے مخصوص فکری رجحان کو بیان کرتے ہیں یقیناً یہ اشعار ان خارجی حالات کی نمائیندگی کرتے نظر آتے ہیں جس کے تحت پاکستان میں دین اسلام کے نام پر لڑاؤ گھیراؤ کی تحریک شدت سے پھیل رہی تھی اس کے تدارک کے لیے فوری طور پر متحرک ہو کر عملی اقدام کرنا ضروری تھا ذیل میں یہ بند ملاحظہ کیجیے:

پھول خود پھول سے بیزار ہو ممکن ہی نہیں نور سے نور دل افگار ہو ممکن ہی نہیں
دین اور عدل میں تکرار ہو ممکن ہی نہیں حق سے حق بر سر پیکار ہو ممکن ہی نہیں
فکر انصاف میں حالات سے لڑنا ہو گا
پنجہ عقل سے مجرم کو پکڑنا ہو گا(۵۷)

مرثیہ ''سیّد مسموم'' میں مسلمان کی اپنے مذہب اسلام سے محبت کی حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے چونکہ اپنے دین سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا لازمی جز قرار پاتا ہے در حقیقت تعصب پھیلانے والے مذہبی ٹھیکداروں نے جہاں جہاں موقع ملا دین اسلام کی جڑیں کاٹیں ،اسے لہو لہان کیا،مسجدوں اور امام بار گاہوں میں دھماکے کرائے۔پاکستان کی جمہوری فضا میں شر پسند تنظیموں کی سر گرمیاں تیز ہوئیں اور سماجی سطح پر افرا تفری کی صورت حال پیدا کی گئی تو ں توں یہاں امن کی فضا روبہ زوال ہونا شروع ہوا فرقہ وارانہ سر گرمیاں جنم لینے لگیں،اتحاد و اتفاق کا شیر ازہ بکھرنے لگا،شدت پسندی میں تیزی آئی اور مسلکی اختلافات کھل کر سامنے آنے لگے مجموعی طور پر مسلکی اختلافات کو فروغ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں ملا اسی دور میں ٹارگٹ کلنگ،طالبان بازی کا عمل شروع ہوا اس عمل نے وطن عزیز پاکستان کو ایسی آگ میں دھکیل دیا جس سے بچنا ممکن نہ رہا دہشت گرچی،فرقہ واریت سبھی وحشیانہ اور غیر انسانی افعال کا نکتہ آغاز ۷۰ء کی دہائی سے شروع ہوا اور دین اسلام دشمن عناصر کی شر انگیزیوں کی زد میں رہا اور آج تک بے گناہ جانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔قیصؔر بارہوی سر زمیں پاکستان میں پھیلنے والی مذہبی منافرت سے سخت متنفر نظر آتے ہیں:

اپنے مذہب کے اصولوں سے محبت ہے جنہیں وہ کہاں کاٹتے ہیں پیکر مذہب کی رگیں
مصحف حق ہوں جنہیں اپنے نبیؐ کی باتیں وہ کہاں توڑتے ہیں شرح مقدس کی حدیں
اہل باطل نے تو پتھر کی عزت کی ہے
کلمہ حق سے مسلماں نے بغاوت کی ہے (۵۸)

انسانی بغاوت کا آغاز قابیل نے کیا جس کی سرگزشت آج بھی جاری ہے۔ قیصؔر بارہوی بغاوت کی داستان کونہایت چابک دستی سے شعری پیرائے میں رقم کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

اس بغاوت سے ابھی تک بشریت ہے اداس اس بغاوت کا نتیجہ ہے زوال احساس
اس بغاوت سے زمانے میں ہے طوفان قیاس اس بغاوت نے عدالت کو دیے خوف ہراس
کیوں بھروسہ نہیں انصاف کے ایوانوں پر
اس بغاوت کا تسلط ہوا میزانوں پر (۵۹)

یہ بات سچ ہے کہ ہر ادب کی جڑیں ماضی میں پیوست ہوتی ہیں اس لیے ایک سچے تخلیق کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ حال سے رابطہ بحال رکھنے کے لیے ماضی کے تہہ خانوں میں قدم رکھ کر مستقبل کے لیے درخشاں باب کھولے ھارون قیصر کا کہنا ہے:

"قیصؔر بارہوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل نہیں ہوئے بلکہ برابر سے بالکل ایک جیسے قد کے ساتھ قاری سے تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہنا درست ہے کہ وہ اپنے قاری یا سامع کے سینے سے لگ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو اس کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ قیصؔر بارہوی کے پرجوش خطیبانہ لہجے کے باوجود اس لہجے میں برگ گل کی نزاکت، شاخ گل کی لچک اور قطرہ شبنم کی نرمی موجود ہوتی ہے۔ ان کا بنیادی نفسیاتی عمل یعنی قاری کے جذبے سے شناسائی اور اس سے برابر کا رویہ برتنے کی ادا اور اس کی شخصیت کا عرفان قیصؔر بارہوی کے نہایت موثر آلات حربیہ ہیں، جن سے وہ اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو فتح کر لیتے ہیں" (۶۰)

احساس فنکار نے بغاوت کے روپ دکھائے جو اپنی جلوہ گری کے لیے بھیس بدل بدل کر رونما ہوتی ہے کبھی یہ انصاف کے ایوانوں کی فضا کو برباد کرتی ہے اور خوف و شر پھیلاتی ہے تب ہی حساس دل مرثیہ نگار اس کے تسلط و حکمرانی کایوں پر دہ چاک کرتے ہیں:

اس بغاوت کو رگ عقل پہ خنجر سمجھوں　　اس بغاوت کو روایات کا آزر سمجھوں
سینہ ارض پہ تخریب کا محور سمجھوں　　اس بغاوت کو سیاست کا مقدر سمجھوں
نام ابھرا اسی تحریک میں دیوانوں کا
اس بغاوت نے لہو پی لیا فرزانوں کا(۶۱)

قیصرؔ بارہوی کا سماجی شعور بہت پختہ ہے اس قلم کار نے بغاوت کا اصلی چہرہ درج بالا اشعار میں دکھایا ہے۔استحصالی طاقتوں نے جس طرح دین اسلام کو نقصان پہنچایا اس اعتبار سے مرثیہ ''سیّد مسموم'' میں مزاحمتی عناصر جابجا موجود ہیں وہ اس جبری بغاوت کے سامنے خاموش رہنے کو حرف ملامت سمجھتے ہیں اور اسلام دشمن عناصر کے خلاف احتجاج و مزاحمت کرنا وہ فرض عین سمجھتے ہیں:

اس بغاوت کی کڑی دھوپ میں گلزار جلے　　اس بغاوت کی قلمرو میں فسادات پلے
کبر و نخوت اسی تقصیر کے سانچے میں ڈھلے　　اس بغاوت میں کٹے اہل دیانت کے گلے
اس دہشت وقت نے بازار کرم لوٹ لیا
اس بغاوت نے مورخ کا قلم لوٹ لیا(۶۲)

قیصرؔ بارہوی کا دکھ انسانیت کا دکھ ہے وہ دنیا کی حقیقت، انسان کا قدم، قابیل کے قتل سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان تاریخی مقامات کی بھی پہچان رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنے رثائی کلام میں ایک ماہر فنکار کی طرح بغاوت کی ساری پرتوں سے نقاب الٹ دی اور اسے باطل کا سمبل قرار دیا ہے ملاحظہ کیجئے:

اس بغاوت سے ہے تاریخ کے ہونٹوں پہ دھواں　　اس بغاوت سے ہے دنیا میں اندھیروں کی زباں
اس بغاوت سے ہے پامال، وقار انساں　　اس بغاوت سے زمانے میں ہے باطل کا نشاں
کشتی نوحؑ کا ہم مثل سفینہ لوٹا
اس بغاوت نے محمدؐ کا مدینہ لوٹا (۶۳)

قیصرؔ بارہوی نے بغاوت کی جلوہ گری کے ہر منظر کی اس انداز میں منظر کشی کی ہے کہ ہر سننے اور دیکھنے والا متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا درج ذیل بند میں تلمیاتی انداز اختیار کرتے ہوئے انہوں۔ے بغاوت کے بھیس بدلنے کی خوبصورت عکاسی کی ہے اس اعتبار سے وہ حق بیان کرنے سے نہیں گھبرائے:

اس بغاوت کا علم شام کے محلوں سے اٹھا　　　جس کو کعبے نے جھکایا تھا وہ گھر پھر اُبھرا
خواہش تخت میں انسان خدا کو بھولا　　　اب خلافت کی قبا تھی ہدف اہل جفا
ظلم کے نام پہ سجدے ہوئے، تکبیر ہوئی
سازش کفر بھی شرمائے وہ تدبیر ہوئی(۶۴)

اپنی قلمی توانائیاں صرف کرتے ہوئے قیصرؔ بارہوی نے دین اسلام سے عداوت رکھنے والے شر پسند عناصر کو یہ بات باور کرائی ہے کہ ان کی دین اسلام سے تعصب کی عفریت کی وجہ سے آج دین اسلام بہتر گرہوں میں بٹ چکا ہے مرثیہ "سیّد مسموم" کا مندرجہ بالا بند بارہوی کے ذاتی مشاہدے کا عکاس ہے:

یہ عداوت تھی جو بر بادی گلشن ٹھہری　　　یہ عداوت تھی جو تخریب کا مخزن ٹھہری
یہی تدبیر ہم آواز برہمن ٹھہری　　　یہ عداوت تھی جو اسلام کی دشمن ٹھہری
ہر نظر مائل تفریق، تو گھر گھر فرقے
اس عداوت نے دکھائے ہیں بہترّ فرقے (۶۵)

قیصرؔ بارہوی کے رثائی مجموعے کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی آبیاری کے لیے، حق و انصاف کے بول بالا کے لیے اپنی تخلیقی قوتیں صرف کیں یہی وجہ ہے کہ وہ کلمہ گویوں کو اسلام دشمن عناصر کے مکروہ عزائم کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرثیہ نگار بلا خوف وخطر مذہبی منافرت کے سبھی رنگ دکھاتا ہے:

کلمہ گو جس کو سمجھتے ہیں بہار اسلام　　　جلوہ افروز ہے قربانی معصوم کا نام
آج کہتے ہیں جسے ختم نبوّت کا نظام　　　خون تہذیب سے ہے پوری عمارت کا قیام
غور سے دیکھیے ماضی کی زبوں حالی میں
زہر کا رنگ بھی ہے باغ کی ہریالی میں (۶۶)

ہمارے ملک میں کئی کردار ایسے ہیں جن کو اگر مداری کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا جنہوں نے منافقت کا لبادہ اوڑھ کے اسلام کو نقصان پہنچایا جن کا ڈھونگ رچانے کا مقصد درپردہ اسلامی شعار کا قلع قمع کرنا اور ایسی تنظیموں کا قیام عمل میں لانا قرار پاتا ہے جو مسلمانوں کو دین اسلام سے غافل کر دے اسی لحاظ سے قیصرؔ بارہوی کے ہاں مزاحمتی عناصر اور رویے موجود ہیں اور وہ اصلاحی انداز میں اپنے وطنی بھائیوں کو دشمن کے مطمع نظر کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

مقصد فوج تھا زنجیر خلافت ٹوٹے　　روشنی ختم ہو معیار صداقت ٹوٹے
ساغر عیش رہے جام شریعت ٹوٹے　　جو مسلمان بنائے وہ قیادت ٹوٹے
اس طرح دولت دنیا کی فروانی ہو
صبح محکوم رہے شام کی سلطانی ہو(٦٧)

قیصرؔ بارہوی اپنے موقف کی پر زور تائید کے لیے اہل حق کو دشمن کی منافقانہ روش دکھاتے ہیں۔ وحدت والے اس خارزار کو کبھی اپنا نہیں کہیں گے:

اے مسلمانو مرے سامنے ہیں وہ چہرے　　اپنی آنکھوں پہ جوڈالے ہیں ہوس کے پردے
جن کے اعمال کی قسمت ہوں سنہری سکےّ　　اُن کو اپنا کبھی کہتے نہیں وحدت والے
حوصلے پست ہیں تیغیں ہیں غلافوں کے لئے
یہ برائی تو کھلا زہر ہے اچھّوں کے لیے (٦٨)

قیصرؔ بارہوی بنیادی طور پر ایک نظریاتی مرثیہ نگار ہے اس لیے اپنے نظریے کو فکری اخلاص، سچائی اور صداقت سے اپنے کلام میں پیش کیا ہے یہ فن انہی سے مخصوص ہے اسی بناء پر انہیں پاکستان کے منتخب مرثیہ نگاروں میں صف اول کے مزاحمت نگاروں میں شامل کیا جاتا ہے اس لیے ان کے مرثیے عصری شعور سے بھرپور آگاہی رکھتے ہیں ان کا دردمندانہ لب و لہجہ قاری کی نس نس میں سرائیت کر جاتا ہے وہ کھرے انسان پر قدغن لگانے والوں کے خلاف یوں احتجاج کرتے ہیں:

اُف یہ مکار زمانہ یہ زمانے کے ستم　　گنبد فکر کے ٹکڑے ہوں تڑپ جائے قلم
جس کے کردار سے ہو سینہ اسلام میں دم　　ہائے افسوس وہ انسان ہو گرفتار الم

جس کے قدموں پہ ریاست کی ہوا گرد ملے
ایسے قائد کو زمانے سے فقط درد ملے(۶۹)

iii۔ اُجالوں کا سفر

قیصؔر بارہوی کے مرثیے ''اُجالوں کا سفر'' کا زیادہ تر مرکز و محور دین اسلام پر مبنی ہے دین اسلام جو حق کا راستہ ہے جس کی ضیاء باٹنے والوں کو ہمیشہ ستایا جاتا رہا۔ حق بولنے والوں اور حق کی تصویر دکھانے والوں کو کبھی برداشت نہیں کیا گیا اس لیے باطل کے نمائندوں کی بھرپور کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسے مٹا دیا جائے کلمہ گو اسلام کو اپنی میراث سمجھ کی مختلف ٹولیوں میں بٹ کر اسے نقصان پہنچاتے رہے اہل حق کو کبھی مقتل میں زہر کے پیالے پلوائے گئے اور کبھی انہیں درد کی ترازو میں تلوایا گیا قیصرؔ بارہوی اس حقیقت کو یوں آشکار کرتے ہیں:

شمع توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں دین پروان چڑھا ظلم کے طوفانوں میں
کبھی مقتل میں کبھی زہر کے پیمانوں میں حق ہمیشہ سے تلا، درد کی میزانوں میں
سرخیاں دیکھیئے تاریخ کی دیواروں پر
شہر کردار بسایا گیا انگاروں پر (۷۰)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سچ کا راستہ پر خطر راستہ ہے اس کی راہ پہ چلنے والوں کا مسلسل استحصال ہوتا چلا آرہا ہے تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس کے ماننے والوں کے ساتھ جو ظلم روا رکھا گیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں حالانکہ اسلام امن و محبت کا دین ہے امن کے بغیر کوئی بھی ملت، قوم اور ملک ترقی نہیں کر سکتا لیکن مذہبی تعصب کی وجہ سے وحشی صفت درندوں نے ظلم و زیادتی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا ظالم لوگوں کو حرف ملامت کرتے ہوئے منتخب مرثیہ نگار ظلم کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

سبز کانٹوں پہ چلائے گئے گلشن کے امیر سنگ خاروں پہ سلائے گئے وحدت کے سفیر
آگ میں ڈالے گئے نخل کتاب و تفسیر دار پر کھینچے گئے امن کے تابندہ ضمیر
چشم آفاق میں پھیلے ہوئے سناٹے ہیں
خنجر وقت نے معصوم گلے کاٹے ہیں (۷۱)

زندگی صرف خوشیوں سے عبارت نہیں بلکہ دکھ درد، مصائب اور کرب و الم کا نام بھی ہے۔ مصائب، کرب، درد وہ سوغات جاں ہیں جسے ہر تخلیق کار نے اپنے کلام میں موضوع بحث بنایا ہے طاہر حسین کاظمی کا کہنا ہے: ”قیصرؔ کے مراثی میں زبان کی سادگی، لطافت اور شیرنی کے ساتھ شعور کی گہرائی موجود ہے مصائب کے بیان میں بھی زود گوئی سے کام لیا ہے جس سے سوز والم اور یاس وحسرت کا ماحول پیدا ہوا ہے ان کا شمار پاکستان کے نمائندہ مرثیہ گو شعراء میں ہوتا ہے“(۷۲)

اگر دنیا کے عظیم مرثیہ نگاروں کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو ان میں ایک نام قیصرؔ بارہوی کا بھی ہو گا جس کا کل تخلیقی سرمایہ دنیا بھر کے انسانوں کی فلاح کے لیے تسلسل سے جدوجہد کی روایت میں نظر آتا ہے ہر زمانے میں جبری طاقتیں مختلف صورت میں رہیں ہیں اور ہر دور میں اپنی شکل وصورت، ہیئیت بدلتی رہی ہیں اس کے پیروکار حق والوں کو ستاتے رہے حق شناسوں کا درد محسوس کرتے ہوئے قیصرؔ بارہوی یوں کہتے ہیں:

چاہ زمزم پہ ہے توحید پرستوں کا ہجوم روح کی پیاس بجھاتے ہیں عقیدت کے رسوم
شور لبیک ہے بیداری اسلام کی دھوم حق نگاہوں کو ہے یہ حقیقت معلوم
زخم اسلام نے کھائے ہیں مسلمانوں سے
پانی چھینا گیا کعبہ کے نگہبانوں سے (۷۳)

قیصرؔ بارہوی تاریخ کے ظالم رہزنوں کو یوں ہدف تنقید بناتے ہیں:

ہم نے تاریخ میں دیکھے ہیں وہ ظالم انساں نام لیجیے تو اٹھے ذہن کی بستی سے دھواں
کیا مسلماں کہے ان کو مسلماں کی زباں جو تڑپتی ہوئی لاشوں پہ رہے رقص کناں
تیغ وحشت سے شرافت کا گلا کاٹ گئے
وہ درندے جو غریبوں کا لہو چاٹ گئے(۷۴)

درج بالا اشعار میں مرثیہ نگار نے بنی عباس کے جبری رحجان کے خلاف رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۶۱ھ میں رونما ہونے والا خونی معرکہ کرب وبلا جو ایک ایسی اساس پر مبنی تھا جس کی مثال دنیا نے آج تک نہیں دیکھی جس کے لیے بغداد کے محلوں میں سازش بنی گئی اس معرکہ کو موضوع بحث بناتے ہوئے قیصرؔ بارہوی نے ظلم کے تمام عناصر کو یوں بے نقاب کیا:

ظلمت شام کی خونخوار ستمگر آندھی   ارض بغداد کے محلوں میں جنم لینے لگی
بر بریت کے سمندر میں نئی لہر اٹھی   کفر نمرود کی مانند حکومت ابھری
آگیا دور تشدّد نئے احساس کے ساتھ
ظلم رقصاں ہوا ساز بنی عباس کے ساتھ(۷۵)

آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل جس طرح کلمہ گو طاغوت کے تابع ہوئے اور ایک سرکش شرابی کا ساتھ دیا مرثیہ نگار نے اس دور کے کلمہ گویوں کے مزاج کی حقیقت کو بیان کیا ہے جن کی خود غرضی اور کمینہ پن درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے یزیدی وحشت کو کامیاب بنایا جس کا خمیازہ آج کا مسلمان بھگت رہا ہے:

نشہ زر میں اچھالے گئے زریں ساغر   چھا گیا ذہن ریاست پہ شرابی منظر
فکر ٹھہری جو چمکتے ہوئے دیناروں پر   کھا گیا غیرت انساں کو سنہرا خنجر
غرق باطل ہوئے کیفیت حق بھول گئے
کلمہ گو،اجر رسالت کا سبق بھول گئے (۷۶)

مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' کے ان اشعار میں توحید کا نور مٹانے والے انسان نما جانور حاکم جو اسلام کے لبادے میں اسلام کی جڑیں کاٹ کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی محنتیں برباد کر رہا تھا اور اسلامی معاشرہ کی رگ رگ میں زہر بھر رہا تھا ایسے بدکردار فاجر شخص کی حکمرانی کا نقشہ دیکھئے:

حکمراں تن پہ سجائے ہوئے پوشاک غرور   پوری قوت سے مٹانے لگے توحید کا نور
طاق نسیاں جو ہوا دین خدا کا دستور   آمریت کا ہدف بن گیا حق جمہور
شدت جبر ہر اک فکر کا منہ موڑ گئی
جو بھی آواز اٹھی راہ میں دم توڑ گئی (۷۷)

بنی امیہ کی جابر و ظالم اور لادین حکومت کے اس دور میں احکامات خداوندی اور سنت رسولؐ کو پشت ڈال دیا گیا اور اسلام عزیز کے قلب میں خنجر گھونپا گیا یزیدی استحصال کی داستان قیصؔر بارہوی کی زبانی سنیئے:

اہل دربار کو خوشنودی حاکم کا خیال   جیسے تکمیل پہ تہذیب فروشی کی مثال
کشت دنیا کیلئے جنت عقبیٰ پامال   عزت نفس کا نیلام شرافت کا زوال

منہ سے حق بات ادا کرے کی جرأت نہ رہی
بے حسی رہ گئی ایمان کی قوت نہ رہی (۷۸)

جہاں دیگر اردو زبان کے منتخب مرثیہ نگار نسیمؔ امروہی، عبدالرؤف عروج، جوش ملیح آبادی، وحید الحسن ہاشمی، ہلاؔل نقوی نے دین اسلام کی پاسداری کے لیے مسلمان قوم کی فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیا وہیں قیصرؔ بارہوہ نے بھی اسلام دشمن قوتوں کے مکروہ عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے ان پر اپنے قلم سے بھرپور حملے کیے اور کسب فیض واقعہ کربلا سے لیا اس ضمن میں شبیہ الحسن لکھتے ہیں: ''قیصر بارہوی سلطنت مرثیہ کے قیصر بن کر نصف صدی تک دنیائے مرثیہ پر حکومت کرتے رہے ہیں'' (۷۹)

قیصرؔ بارہوی کا رثائی کلام خاص طور پر مرثیہ لکھنے والوں نے اسلوب کے تجربوں کی شکل میں نئے نئے اضافے کئے مصرعوں کی توڑ پھوڑ علامتوں کی بازی گری دکھائی۔ منتخب مرثیہ نگار نے واقعہ کربلا کو عصری تقاضوں کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس سے سبھی مستفیض ہوں اس کے لیے انہوں نے یزیدی تعصب کا منظر نامہ نہایت تفصیل سے پیش کیا اور موضوع کی وسعت کے باوجود ان خصائص کو نمایاں کیا جو اس وقت کے کلمہ گویوں کا خاصہ تھیں یہ مرثیہ باطل کے شکست خوردہ نمائندوں کے حال کا ہے اس کا بیانیہ بنو عباس کی سازش سے شروع ہو کر حق و باطل کے احوال سناتا ہوا امام تقیؑ کی شہادت پر ختم ہوتا ہے یہ بیانیہ اعتبار سے قابل توجہ ہے کیونکہ ابتداء اور اختتام دونوں مواقع پر باطل پرستوں کی تنبیہ کرنے سے مرثیہ نگار نے گریز نہیں کیا ملاحظہ کیجیے:

گفتگو علم پہ ہوتی تھی جہالت کی طرح   تبصرہ فہم پہ کرتے تھے حماقت کی طرح
روح وابستہ پیکر تھی خباثت کی طرح   اپنی دولت کے اجالوں میں تھے ظلمت کی طرح
گردش عقل سے الجھا ہوا پیرایہ تھے
آدمی کیا تھے ابو جہل کا سرمایہ تھے

پھر وہی فرش زمیں پھر وہی سامان عزا   پھر وہی اشک رواں، سینہ زنی، جوش بکا
پھر وہی نوحے، وہی قصہ باغ زاہرا   پھر وہی چاروں طرف ہائے حسیناً کی صدا
آہیں بھرتی ہوئی یثرب کی ہوائیں نکلیں
سامرہ سے کسی قیدی کی دعائیں نکلیں (۸۰)

یہ مرثیہ اپنی معراج کمال پر اس وقت پہنچتا ہے جب قیصر بارہوی نے نہایت کامیابی کے ساتھ یزیدی دور کے مختلف پہلوؤں کو قارئین کے سامنے یوں رکھا کہ وہ اس کے ظلم سے واقف ہوں:

وقت بدلا متوکل کی نگاہیں بدلیں بھر گیا درد کے سیلاب سے دامان زمیں
جو تصور میں نہ آئیں وہ جفائیں ابھریں پشت گردن سے شریفوں کی زبانیں کھینچیں
رنج سے دارین کو بہتر سمجھا
اپنی اولاد کو حسنینؑ سے بہتر سمجھا (۸۱)

جذبات نگاری کے فنکارانہ مظاہرے کے باعث مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' کا یہ پہلو اس انسانی حادثے کی یاد دلاتا ہے جہاں بعد وفات پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم آل نبوت کو جس طرح ستایا گیا:

ذہن سفاک سے تخریب کے شعلے بھڑکے لفظ ہونٹوں سے چلے آتش سیال ہوئے
قلب مغرور سے یوں قہر کے طوفان اٹھے کانپ اٹھی ارض مدینہ در و دیوار ہلے
موت کی طرح ستم نامہ شاہی آیا
پھر مدینے کے لئے حکم تباہی آیا (۸۲)

مقصد کے اظہار اور مزاحمتی تاثر کے اعتبار سے باطل کے دربار کا منظر اس مرثیہ کا کلائمکس ہے:

وہ تعصب کے طلسمات وہ جشن دربار وہ بھری بزم پہ چھایا ہوا جادو کا خمار
ایک ساحر سے امامت کی نرالی پیکار کہہ گیا دیدہ ہستی سے عدم کا مختار
روح بے جان لکیروں میں مچل سکتی ہے
ایک تصویر بھی انسان کو قتل کر سکتی ہے

اُف وہ ظالم کی حراست میں زمانے کا امام اُف وہ ایذاؤں کی بارش وہ نبیؐ کا گلفام
کیا بھلا سکتی ہے تاریخ وہ خونی ہنگام جس کی ظلمت سے گلے ملتی ہو تاریکی شام
غل یہ تھا فرد شہادت سر گیتی نہ رہے
کربلا والوں کی قبروں کا نشاں بھی نہ رہے (۸۳)

مندرجہ ذیل بند بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں قیصر بارہوی اپنے دور کے مسلماں کو حق کا درس دیتے نظر آتے ہیں:

پھر بھی سمجھے نہ مسلماں کہ حقیقت کیا ہے　　جس کا دستور ہے قرآں وہ خلافت کیا ہے
آدمی جس سے ہو انساں وہ شریعت کیا ہے　　جس پہ نازاں ہے رسالت وہ امامت کیا ہے

پیشوا مان لیا زر کے پرستاروں کو
دے دیا تاج اولی الامر گنہ گاروں کو (۸۴)

قیصؔر بارہوی کے یہاں صبر وضبط کی اس جہت کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو ان کے معاصرین میں شاید کسی کو نصیب نہ ہو سکی قیصؔر بارہوی شہیدان کربلا کے صبر وضبط اور مظلومیت کا ہی تذکرہ نہیں کرتے وہ جہاں بھی دین کے معماروں کے ظلم دیکھتے وہیں ان کے زخموں کا جو نقشہ پیش کرتے ہیں وہ سننے والوں کے خون میں حرارت اور دلوں میں زندگی پیدا کر دیتا ہے مختصراً یہ کہ انہوں نے مرثیے کو خالص فکری رخ دے کر تاریخ مرثیہ میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے:

لاکھ خاموش رہے نوحہ پڑھا دیواروں نے　　درد کو جیت لیا دین کے معماروں نے
زخم پر زخم لگائے ہیں ستم گاروں نے　　چین پایا ہی نہیں فاطمہؑ کے پیاروں نے

آج بھی چشم وفا مثل حسنؑ روتی ہے
بیکسی آج بھی میت پہ فدا ہوتی ہے (۸۵)

قیصؔر بارہوی کا کہنا ہے کہ دین اسلام کو اپنی میراث سمجھنے والے الٹا کلمہ حق کہنے والوں پہ ظلم ڈھاتے رہے اپنے دور میں دین اسلام کے ماننے والوں کی حالت دیکھتے ہوئے انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں شدت پسند عناصر کی سرگرمیاں بڑھ گئیں جن کو مرثیہ نگار نے کسی فارمولے سے نہیں بلکہ اپنے حساس دل آئینے میں پہچانا۔ پاکستان میں ضیاء حکومت نے ۱۹۸۰ء میں اسلامیانے کی مہم چلا کر نمائشی طور پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے مطالبے کو تقویت بخشی۔ مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' قیصؔر بارہوی نے ۱۹۸۱ء میں تخلیق کیا اور اس دور کے س مذہبی جبر کی کہانی کو بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

حق نمائی ہے اگر جرم تو ہر جرم بجا　　بے گناہی کو خطا کہیئے تو برحق ہے خطا
خنجر و زہر ہیں قرآں کی حفاظت کا صلہ　　یہ ہے اسلام کا دستور تو اسلام ہے کیا

اس شب فکر میں کیوں عالم صید پاس نہ ہو
روشنی خاک میں چھپ جائے اور احساس نہ ہو (۸۶)

اس دور میں قیصر بارہوی سمیت ہر حساس پاکستانی نے محسوس کیا کہ یہ وطن عزیز اور اس میں بسنے والے سادہ لوح عوام کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے کہ انہیں ۱۹۴۸ء کے بعد سے بد ترین حالات کا سامنا کرنا پڑے گا گویا مرثیہ نگار اس کرب کو بیان کرتا ہے جس کا سامنا روزِ اول سے ہی حق کی راہ اختیار کرنے والوں کو کرنا پڑتا ہے قیصر بارہوی کو شدت سے احساس فکر ہونے لگا کہ یہ کہانی صرف اس کے دور کی نہیں بلکہ صدیوں سے دوہرائی جارہی ہے یہ ایک فطری بات ہے کہ چند لمحوں کی مصیبت صدیوں کی آفت معلوم ہوتی ہے اور یہ تو ظلمت کی داستاں لمحوں پر تو محیط نہ تھی اس حوالے سے مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' کے یہ اشعار قابل دار ہیں:

کتنی ظالم ہے اندھیروں کی پجاری دنیا　　پھر گئی نور کے مینار سے ناری دنیا
دین والوں نے کچھ اس طرح گزاری دنیا　　سچی باتوں پر مخالف ہوئی ساری دنیا

شدت ظلم پہ توثیق ہے تنسیخ نہیں
فکر کی لاش نظر آتی ہے تاریخ نہیں(۸۷)

قیصر بارہوی نے اپنے افکار سے صنف مرثیہ کو جو مزاحمتی رنگ عطا کیے ہیں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں منتخب مرثیہ نگار نے مرثیہ کی صنف کو جدید تقاضوں کی پیش کش کا ذریعہ بنایا اور اسے عصر حاضر سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ عطا کیا ہے۔

ج۔ جبری استحصال بحوالہ مرثیہ جوش ملیح آبادی

i۔ آوازہ حق

جوش ملیح آبادی بڑی انفرادیت کے مالک تھے وہ مراثی کلام میں معاشرے کے اس طبقے کی زندگی کے سارے خدوخال کو بے نقاب کرتے ہیں جو جبر و استبداد کے پیروں تلے بری طرح روندا گیا ہے اور آج بھی جس کی یہی حالت ہے اور جس کو وہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کے دور کی سچی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور یہی ان کا خاص رنگ ہے مرثیے میں اکثر جگہ ایسے مناظر کی مزاحمتی تصویر کشی کرتے ہیں جن کو پڑھ کر اسی کیفیت کا پیدا ہو جانا یقینی ہے ان کے مرثیوں میں مزاحمت اور حقیقت کا امتزاج ملتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کا فن اس لحاظ سے اردو کے لیے مایہ ناز ہے کہ وہ ہماری ساری زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے مظلوم کا تحفظ اور ظلم سے جنگ جوش کی مرثیہ نگاری کا اہم موضوع ہے جس کے لیے مرثیہ نگار نے مرثیہ ''آوازہ حق'' کو مذہبی تشبیہات و استعارات سے نظم کیا

ہے جوش نے بہت تھوڑے مرثیے لکھے لیکن اپنی انفرادیت کو تسلیم کروایا انہوں نے مرثیہ ''آواز حق'' میں واقعہ کربلا کو علامتی انداز میں پیش کرتے ہوئے جبری استحصال کو یزید کا استعارہ قرار دیا ہے مرثیہ ''آوازہ حق'' کے درج ذیل بند میں قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے:

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علیؑ ہو (۸۸)

مرثیہ ''آوازہ حق'' ہمیں زمانہ تقسیم سے پہلے یعنی ۱۹۴۷ء کے فسادات و ہجرت سے پہلے کی کہانی، قتل و غارت گری، ہیبت اور ظلم کی داستان سناتا ہے یہی وجہ ہے کہ جوش جیسا حساس و دور رس مرثیہ گو جان گیا ہے انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ ظالم بن کر دوزخ میں اترے یا زندگی کا دوسرا رخ حق کی راہ اختیار کرے منتخب مرثیہ نگار ظلم و باطل کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

احساس نہیں جس میں وہ تاریک ہے سینہ
دوزخ میں اترتا ہے سدا ظلم کا زینہ
پستی کی علامات ہیں انصاف سے کینہ
جو حق سے لڑا ڈوب گیا اس کا سفینہ
ہاں پیرو باطل کو ابھرتے نہیں دیکھا
جب زلف یہ بگڑی تو سنورتے نہیں دیکھا (۸۹)

فقط مسلمان قوم یہ کیسے ممکن تھا کہ جوش جیسا حساس انسان اپنے معاشرے میں اپنے ارد گرد ہونے والے حادثات پر کچھ نہ لکھتا؟ ظالم کی چال بازیوں کے قصے ان کے قلم کی نوک تک بھلا کیسے نہ آتے؟ وہ ظلم کو کاغذ کی ناؤ قرار دیتے ہیں اپنے ادر گرد ظالموں کو دیکھتے ہوئے بہت دور یزیدی عہد میں نکل جاتے ہیں جہاں خانوادہ رسولؐ نے باطل کے قبیح ہتھکنڈوں کو ناکام بنایا تھا گویا کہ منتخب مرثیہ نگار درج بالا اشعار میں ظلم کی حقیقت بتاتے ہیں:

بے درد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا
کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
ٹھوکر ہے یہ وہ جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا
وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے
اے خاک بتا زورِ یزید آج کہاں ہے (۹۰)

منتخب اردو مرثیہ نگاروں نے اپنے زمانے کے جبری ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشعار کے ذریعے معاشرے کو ذہنی بیداری کی دولت سے نوازا۔ جوش نے اپنے جرات مندانہ موقف کی بدولت عوام کو ظالموں کے فریب سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ مسلسل ظلم سہنے کی بجائے ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونا ہی وقت کی آواز ہے بھلے شمر کی طرح کوئی کتنے ہی لالچ دلائے لیکن حق گو ہمت کر کے آگے آتے ہیں دراصل یہی بے خوف نڈر پاسباں ظلم کو کچل دیتے ہیں:

کفار کو یہ شمر نے لالچ جو دلائی
دنیا نے بصد ناز جھلک اپنی دکھائی
جھنکار میں تیغوں کی بڑے ناز سے آئی
سینوں میں در آئی تو کلیجوں میں سمائی
مت بھول کے دنیا کی طرف ہو گئے ظالم
کروٹ ابھی بدلی تھی کہ پھر سو گئے ظالم (۹۱)

درج بالا اشعار میں جوش ہمیں دنیا کی حقیقت سنا رہے ہیں:

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار
خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مردار
ناپاک ہے بداصل ہے کم ظرف ہے بدکار
مردار شکم اس کا، تو پشت اسکی ہے بیمار
مبروص کے داغوں سے غفونت میں سدا ہے
ذلت کا یہ لقمہ ہے سگوں کی یہ غذا ہے (۹۲)

زمانے کے ہاتھوں قوم کو تباہ ہوتا دیکھ کے جوش مزاحمتی رویہ اختیار کرتے ہیں وہ مسلمانوں کی بقا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی سوچ میں تبدیلی لانا ہوگی جن ہتھکنڈوں سے انہیں پھنسایا جارہا ہے ان سے آگاہی دلانا ضروری ہے اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ کیجئے:

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجکو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ
دولت ہی کوئی اصل شے ہے نہ خزانہ
دھوکا ہے یہ دھوکا، بہانہ ہے بہانہ
واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے
حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے
اے بندہ زر چونک مناسب نہیں غفلت
معلوم نہیں کیا تجھے دنیا کی حقیقت
کس نیند میں ہے؟ چھوڑ بھی باطل کی محبت
آ حق کی طرف دیکھ یہ حوریں ہیں یہ جنت
حوریں ہوں کہ فردوس یہ ادنیٰ ساصلا ہے
خود حق میں وہ لذت ہے جو ان سب سے سوا ہے
دنیا ہے دنی ہیچ ہے دنیا کا زر و مال
تزلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی چیز ہے دراصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال
بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں
غدار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار
بیدار ہو، بیدار ہو، ہوشیار ہو ہوشیار
جھوٹی یہ امیدیں ہیں پریشان ہیں افکار

کس نشے میں بدمست ہے دنیا کے طلبگار
یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دنیا تجھے نادان کدھر لے کے چلی ہے (۹۳)

جوش کے مرثیے میں قوت حق کا احساس ہی مرثیے ''آوازہ حق'' کا محرک بنا ہے اور اس سے جو منظر نامہ تشکیل پاتا ہے ملاحظہ کیجئے:

جو لوگ کہ ڈر جاتے ہیں بادل کی صدا سے
کانپ اٹھتے ہیں بچوں کی طرح ذکر وغا سے
جب ہوتی ہے مذہب کی کشش فضل خدا سے
مڑ جاتے ہیں دبتے نہیں ارباب جفا سے
ہر گز نہ ڈرو کفر سے ایماں کا سبق ہے
ان کی یہ شجاعت نہیں یہ قوت حق ہے (۹۴)

اسی منظر نامے کو علامت بنا کر وہ دراصل ہمارے سامنے کربلائی حالات کی تصویر کشی کرتے ہیں اور ہمیں حق و باطل کی جنگ کا منظر بھی جمالیاتی رنگ لئے نظر آتا ہے۔ میدان جنگ جیسے ہولناک تصور میں بھی مرثیہ نگار کی جمالیاتی حس کا جاگنا ہی تو اصل میں اسے ایک اونچے درجے کا مرثیہ نگار بناتا ہے کہ وہ زندگی کی تلخ سے تلخ حقیقت میں بھی جمالیاتی پہلو ڈھونڈ لاتا ہے جس سے انسان میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ جرات سے کرنے کا حوصلہ ملتا ہے جیسے وہ کہتے ہیں:

بزدل میں بھی جب قوت حق بھرتی ہے جرات
اتنا بھی نہ حق کیا مجھے بخشے گا جلالت
دکھلا دوں میں تم کو کہ یہ ہوتی ہے شجاعت
حاصل ہے مجھے قوت زور امامت
یہ جنگ کا طوفان ہے کچھ سیر نہیں ہے
میداں سے ہٹ جاؤ کہ اب خیر نہیں ہے (۹۵)

درج ذیل بند میں منتخب مرثیہ نگار نے امام حسینؑ کی میدان جنگ میں کی گئی تقریر کو موضوع بناکر دکھایا ہے مکالماتی انداز اختیار کرتے ہوئے جوشؔ نے حق و باطل کی کشمکش کو پیش کیا ہے۔ باطل کے نمائندوں نے کس طرح فوج کو دولت، انعام کے چکر دے کر اکسایا اور آل رسولؐ کے استحصال کے لیے آواز بلند کی:

تقریر میں کامل ہیں بہت حضرت شبیرؑ
ہو جاؤ گے گمراہ اگر ہو گئی تاثیر
کیا دیر ہے؟ میداں میں بڑھو تول کے شمشیر
یہ زر ہے یہ دولت ہے یہ منصب ہے یہ جاگیر
ہو جاؤ گے بشاش وہ انعام ملے گا
کہتا ہوں کئی پشت تک آرام ملے گا(۹۶)

منتخب مرثیہ نگار قوم میں اصلاح کے عناصر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں بیداری و شعور بخشنے میں پختہ اور سخت نظر آتے ہیں کبھی کبھی تو مسلمان قوم کو خواب غفلت سے جگانے اور اپنے حق کے حصول کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا درس دیتے ہوئے مزاحمتی لہجے کے ساتھ ساتھ درشتی پر بھی اتر آتے ہیں مگر یہ بس پر کاریاں ان کی فلاح و بہتری کی غرض سے ہی ہیں جوشؔ کا اصلاحی و مزاحمتی لہجہ ملاحظہ کیجیے:

جا گو غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت
کھل جائے گی تجھ پر بر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈو کسی شاہ کی تربیت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شان حکومت
کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے
اے کاسہ سر بول ترا تاج کہاں ہے(۹۷)

جوشؔ کے مزاحمتی مرثیوں نے تحریک آزادی میں بھی اہم کردار ادا کیا اس سخن ور کے مرثیے میں ایک خاص قسم کی انقلابی، باغیانہ تڑپ و کسک کی لے اور لحن پایا جاتا ہے درج ذیل اشعار میں ان کی شعلہ بیانی اپنے حقیقی عروج پر پہنچ جاتی ہے:

یوں سامنے آ آ کے اکڑنا نہیں اچھا
ایماں سے اس طرح بگڑنا نہیں اچھا

نادان بری بات پہ اڑنا نہیں اچھا
دنیا کے لئے دین سے لڑنا نہیں اچھا
ناپاک نہ بن دولت ناپاک کے بدلے
اکسیر کو ٹھکراتا ہے کیوں خاک کے بدلے[۹۸]

درج ذیل اشعار میں جوؔش کی لفظی گھن گرج اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے:

ثروت جو زیادہ ہو تو ایماں نہیں رہتا
انساں یہ وہ شے ہے کہ انساں نہیں رہتا
آسودگی روح کا ساماں نہیں رہتا
دل انجمن حسن کے شایاں نہیں رہتا
دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر بک رہا ہے[۹۹]

یوں لگتا ہے کہ جوؔش قوم کی ہتک، عزت اور اہانت کر رہے ہیں یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے حس قوم کو سوئے عمل بلانے کے لیے سخت سخت الفاظ اور لہجے سے پکارنا اور مخاطب کرنا شروع کر دیتے ہیں مرثیہ نگار میں باغیانہ و مزاحمتی خوبی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب وہ قوم کو اپنے مقصد کی طرف لانا چاہتے ہیں تو لفظی للکار جیسے مصرعہ ''سلطاں بھی ہو صاحب حاجت تو گدا ہے'' جس سے ظاہری تو قوم کی اہانت اور مزاحمت ہوتی نظر آتی ہے مگر بیباطن دیکھا جائے تو مرثیہ گو کی داخلی کیفیات کو سمجھا جا سکتا ہے منتخب مرثیہ گو قوم کے افراد میں بھی یہی جذبہ دیکھنے کا متمنی نظر آتا ہے قوم میں باطل سے ٹکرانے کا ولولہ پیدا کرنے کے لیے اپنے اسلاف کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے امام حسینؑ کی شجاعت کو پیش کیا ہے اسی لہجے کے متعلق گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں: ''عوام سے خطاب کرتے ہوئے اکثر جوؔش کا لہجہ اتنا تلخ ہو جاتا ہے کہ ان کی ہمدردی اور خلوص پہ شبہ ہونے لگتا ہے ایسے مقامات پر ان کا رویہ اپنے ہم وطنوں کے لیے اہانت آمیز ہو جاتا ہے اصلاً وہ ایسا غیرت دلانے اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کرتے تھے''[۱۰۰]

مرثیہ آوازہ حق کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہوں خواہش محدود تو ایذا نہیں ہوتی
ارماں جو ہوں کم زر کی تمنا نہیں ہوتی
قانع کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی
مومن پہ مسلط کبھی دنیا نہیں ہوتی
سلطاں بھی ہو صاحب حاجت تو گدا ہے
جس کو کوئی حاجت ہی نہیں وہ خدا ہے (۱۰۱)

جبر و استحصال پر جو مرثیے لکھے گئے ان میں ''آوازہ حق'' میں جوش کی باغیانہ و مزاحمتی روش اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور آزادی کی تمنا انہیں اپنے مقصد کی طرف رواں دواں رکھتی ہے درج ذیل بند میں مرثیہ نگار نے امام حسینؑ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے جنہوں نے باطل قوت یعنی یزیدی جبر کے تخت کو مٹادیا اور میدان جنگ میں تلوار کے سائے میں نعرہ حق بلند رکھا ضیاء الحسن کا کہنا ہے: ''یہ اسلوب (باغی و انقلابی) ان کی ذہنی اور روحانی نشو نما کے نتیجے میں بننے والی شخصیت کا عکس ہے اس میں جوش صاحب کی شخصیت کے تمام بنیادی عناسر شامل ہو گئے ہیں آپ چاہیں تو ان میں سے بعض عناصر کو ان کے عہد کے زایدہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے عہد کے وہ عناصر ہیں جنہیں انہوں نے اپنے مزاج سے مطابق دیکھ کر خود میں جذب کر لیا ان میں سے کچھ عناصر کا شعوری اظہار ہوا ہے اور کچھ لاشعور طور پر ان کے اسلوب کا حصہ بنے ہیں''(۱۰۲)

جوش نے جس معاشرے میں مرثیہ گوئی کا آغاز کیا اور حالات سے ان کا سامنا رہا اور جیسا انہوں نے فطرتاً مزاج پایا تھا تو ان کے اسلوب میں مزاحمتی و باغیانہ روش کا آجانا بالکل عین فطرت کے مطابق ہے اور بعینہ بالکل ایسا ہی ہوا جوش کے رثائی کلام میں نو مرثیے شامل ہیں دو مرثیے ہندوستان کی سرزمیں پر لکھے اور سات مرثیے پاکستان آکر کہے مرثیہ ''آوازہ حق'' میں انقلابی الفاظ سے قوم میں جذبہ حریت بیدار کرنے کا کام لیا گیا ہے فضل امام کا کہنا ہے: ''مرثیہ ''آوازہ حق'' میں جوش نے تمہید کے لیے اس موضوع کو منتخب کیا ہے جس سے ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ انسان کشمکش سود و زیاں، دہم و گمان، ظل ت اور روشنی میں الجھا رہتا ہے جوش نے اسی اہم مسئلے کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے اور پھر بغیر کسی اجزائے ترکیبی کی طوالت کے براہ راست گریز کرتے ہیں اور اپنے ممدوح کو تلاش کر لیتے ہیں جو ان مسائل سے نبد آزما رہتا ہے اور جو سبھی راہ دشوار و خار زار سے مسکراتا ہوا گزر جاتا ہے اس کا نام کشتگان حق و صداقت کی فہرست میں سب سے جلی

حروف میں ''حسینؑ ابن علیؑ'' لکھا ہوا ہے اور جس نے شمشیر کے سایہ میں بھی نعرہ حق بلند کیا اور خشک ہونٹوں سے بھی صداقت کا پیغام دیتا رہا۔ اس مرثیہ میں قدیم مرثیہ نگاری کے سبھی اجزا ملتے ہیں''(۱۰۳)

درج ذیل اشعار میں سانحہ حق و باطل کو نقل کرتے ہوئے واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کی بے مثال شجاعت کی طرف اشارہ کیا کہ جنہوں نے باطل جابر حکمران کے دست یزید پہ بیعت کرنے سے انکار کیا اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے ہوئے حق کے راستے کو نہ چھوڑا اس کی مثال دیکھیے:

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تو نے
سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تو نے
وہ کون سا غم تھا جو اٹھایا نہیں تو نے
بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا نہیں تو نے
دامن وفا گھیر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا[۱۰۴]

جوشؔ کو مسلمان قوم اور خاص کر نوجوان طبقہ سے ایک خاص طرح کی امید اور توقع تھی انہوں نے اردو ادب کی صنف شاعری کی تمام اصناف پر طبع آزمائی کی خواہ وہ نظم ہو یا مرثیہ انہوں نے اپنی تمام امیدوں کا مرکز نوجوان نسل کو ہی تصور کیا اور نوجوانوں کو جبری طاقتوں سے ٹکرانے کے لیے انہیں اصلاحی درس دیا مزاحمتی انداز اختیار کرتے ہوئے منتخب مرثیہ نگار نے اپنے مذہبی پیشوا امام حسینؑ کی شجاعت و بہادری کو بیان کیا ہے ان کی ذات سے کسب فیض لیتے ہوئے نوجوانوں کو آگے بڑھنے کا درس دیتے ہیں جوؔش کے انہی جذبات و تصورات کی جانب یحییٰ احمد توجہ مبذول کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جوش عزم جواں کے شاعر ہیں ایک تو پیری مخالف ہیں پرانی سوچ کے قاطع اور فکر نو کے پرچارک ہیں۔ دوم وہ نوجوانوں سے امید وابستہ کرتے ہیں کہ نئی دنیا، نئے طریقے بسائیں گے، وہ تقلید کے منکر ہیں ان کے خیال میں زندگی بدلتی ہے اس کے تقاضے بدلتے ہیں ہر دور کی اپنی فکر جواں ہوتی ہے ان کے نظریہ عزم جو ان میں تسلسل اور ربط ہے وہ اسے مشیت اور کائنات میں جاری وساری قانین کی روشنی میں دیکھتے ہیں وہ حرکت سے متاثر ہیں انہیں نوجوانوں میں دم خم نظر آتا ہے۔ آج تک جتنی تحریکیں چلیں انقلابات آئے نوجوانوں نے ان میں اہم کردار ادا کیا۔ جوش کی نظر میں ان کے زمانے کا سب سے بڑا رحجان سبقت ہے اور نوجون اگر خود پر غور کرے تو یہ رکاوٹیں عارضی ہیں وہ آزادی میں نوجوان کے کردار کو مانتے ہیں ان کے

خیالات کا دوسرا حصہ پیری مخالف ہے"[۱۰۵] جوش کے مرثیے مذہبی حلقوں میں مولویوں کے عتاب کا نشانہ بنے رہے لیکن جوش کی مزاحمتی فکر کسی بھی دور میں ختم نہ ہوئی بلکہ شدید بار مخالف کا مقابلہ کرتے کرتے یہ فکر اور بھی پروان چڑھی مسلمان قوم کو جبری استحصال سے نجات دلانے کے لیے انہوں نے مرثیہ "آوازہ حق" میں چراغ راہ حق معرکہ کربلا کے ہیرو امام حسین علیہ السلام کی شجاعت کے کارناموں کو بیان کیا ہے ساتھ ہی نام نہاد سیاسی مفاد پرستوں کے استحصالی ہتھکنڈوں کی اصلی صورتیں دکھائی ہیں۔

ii۔اے حسین علیہ السلام

انسانی معاشرے کی شیشہ گری میں طرح طرح کے رنگ ملتے ہیں ہر رنگ اپنا ہی ایک تسلسل اور جمال رکھتا ہے شاعر اور مرثیہ نگار معاشرے ہی کے افراد ہوتے ہیں اس لیے لامحالہ طور پر مرثیہ نگار اپنی تخلیقات میں اپنے تاثرات، جذبات اور احساسات کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے اس طرح دیکھا جائے تو جوش کا مقصد زندگی کے ہر گوشے، ہر پہلو کو منظر عام پر لانا ہے ان کے جذبات کو نہ جبری حد بندیاں روک سکیں اور نہ جغرافیائی حدود قید کر سکی بلا تامل کہا جا سکتا ہے جوش کے مزاحمتی مرثیوں کے پانچ موضوعات بنتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔سامراج دشمنی

۲۔عوامی انقلاب

۳۔مزاحمتی شاعری

۴۔جبری استحصال

۵۔انسان پرستی

مرثیہ "اے حسین" کے تمام اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوش انسانیت کے استحصال پر کڑھتے تھے اور مسلمان قوم کی فلاح چاہتے تھے یہی ایک مزاحمتی مرثیہ گو کا اصل درد ہوتا ہے کہ وہ انسان کا استحصال نہیں دیکھ سکتا اس لیے مرثیوں میں وہ مختلف مثالوں سے اس استحصال کو نمایاں کرتے ہیں۔انسانیت کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

ہو نکلتا پھرتا ہے پھر سرمایہ داری کا وقار
اٹھ چکا ہے پھر عوامی برتری کا اعتبار
پھر خزاں کی آستاں بوسی پہ نازاں ہے بہار

پھر خدا کا ذوق تخلیق بشر ہے شرم سار
پھر زبوں ہے نفس انسانی کی حالت یا حسینؑ
آ کہ پھر دنیا کو ہے تیری ضرورت یا حسینؑ(۱۰۶)

مرثیہ ''اے حسین'' اک واشگاف الفاظ میں نعرہ مزاحمت ہے جو لوگوں یں مزاحمتی فکر اجاگر کرنے کے لیے لکھا گیا۔ جبری استحصال کرنے والوں کا نقشہ جوش نے درج ذیل بند میں کچھ اس طرح سے کھینچا ہے:

جہل پھر رکھے ہوئے ہے علم کے سر پر قدم
خاک میں پھر مل چکا ہے آدمیت کا بھرم
زندگی پر مارتے پھرتے ہیں ٹھونگیں درم
کھل چکا ہے پھر دل انساں میں سونے کا علم
پھر دف بج رہا ہے شور ہے اشرار کا
صف شکن یہ وقت ہے پھر تیغ کی جھنکار کا(۱۰۷)

جوؔش انسانی آزادی کے قائل نظر آتے ہیں ان کے مرثیوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تاج ملوکیت، مغربی جبر، لشکر و سپاہ اور وقت کے ظالمانہ سلوک کے خلاف مزاحمتی علم بلند کر رہے تھے سقراط جیسے نامور حریت آزادی کے رہنماؤں کی محفل کا یہ فرد جوانمرد معلوم ہوتا ہے۔ یونانی ادیبوں کے دور میں ہر ادیب اور شاعر اپنی مرضی کے اپنے خیالات کو بیانگ دہل کہہ سکتا تھا اور یہی ادا بیسویں صدی کے منتخب مرثیہ نگار جوؔش کے رثائی کلام کا خاصہ تھی یحییٰ احمد لکھتے ہیں: ''جب ہم جوؔش کی حریت فکر کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی تہہ میں اترتے ہیں تو یہ جراتِ انکار ہمیں سقراط اور اس سے قبل یونانی ادیبوں اور شاعروں میں ملتی ہے جوش جرأت انکار کا خزانہ وہیں سے لیتے ہیں

صبر مسیح جرأت سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم''(۱۰۸)

بلا شبہ جوش کا انداز فکر بہت بڑی جبری طاقتوں کے خلاف رثائی کلام کی بدولت مزاحمتی تیر برساتے رہے۔ مرثیہ ''اے حسین'' کے سبھی بندوں میں لفظی نعرہ بازی کی تکرار دیکھنے کو ملتی ہے اور خطیبانہ انداز کو بھی مرثیہ نگار نے اپنائے رکھا ہے:

دیکھ پھر قصر جہنم بن چکا ہے روز گار
آنچ میں غلطیدہ ہے پھر خیمہ لیل ونہار
سرزمیں پر حکم راں ہے باہزاراں اقتدار
آتش ودود ودود خان وشعلہ وبرق وشرار
زندگی ہے بر سر آتش فشانی یا حسینؑ
آگ دنیا میں لگی ہے آگ پانی یا حسینؑ(۱۰۹)

مرثیہ ''اے حسینؑ'' منتخب مرثیہ نگار کے رثائی کلام کے بغاوتی مرثیوں میں سے ہے جس میں ان کے بغاوتی ومزاحمتی خیالات کا ایک تسلسل نظر آتا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ جتنا بھی بے حس کمزور یا ضمیر فروش ہو مگر جب اس کی عزت یا نسل واولاد کی بات آتی ہے تو کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا اور اپنی نسل کی بہتر زندگی، پرورش اور آزادی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے اپنے دور میں عوامی جبری استحصال کی صورت حال کو جب جوش نے ملاحظہ کیا تو جوش سے رہا نہ گیا جوش جبری استحصال کی قلعی ان الفاظ میں کھولتے ہیں:

ہو چکے ہیں غرق پھر شیرازہ بندی کے عروق
پھر رواں ہیں ذلتیں سوئے تشفرّ جوق در جوق
پھر شریعت ہے مساوات بشر کی بے وثوق
پھر خجل ہیں نوع انسانی کے بنیادی حقوق
پھر بغاوت کر رہا ہے زندگی سے آدمی
دیکھ پھر ٹکرا رہا ہے آدمی سے آدمی(۱۱۰)

مرثیہ نگار معاشرے کا نباض اور حکیم ہوتا ہے اپنی فکری صلاحیتوں کو معاشرے کے ظلم وزیادتی میں منقسم کر کے احساس کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے اور شعری ترغیب سے معاشرے کی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے بیسویں صدی میں ویسے ہی مزاحمتی نظریات نے بہت عروج حاصل کر لیا تھا اور اس حوالے سے پس پردہ حقائق کو سمجھنا اسے قبول کرنا اور ان سے بغاوت کرنا ایک طرح کا عجیب نفسیاتی الجھاؤ تھا۔ اقبال حیدر لکھتے ہیں:

'شاعر کی فکر تو احساس کی رو پر چلتی ہے وہاں تو معقول کو محسوس بنانا ہی اصل فن ہے۔
ادھر محسوسات کی اپنی مجبوریاں ہیں حواس کے حوالے سے حقیقت کو آشکار یا قبول
کرنا بیسویں صدی میں یوں بھی ایک اہم فلسفیانہ الجھاؤ رہا ہے"(۱۱۱)

جوش جبری استحصال کرنے والی قوتوں کے خلاف جب آواز اٹھاتے ہیں تو ان میں ان کا ایک دینی پس منظر بھی ہے چونکہ وہ دین اسلام کے پیروکار تھے۔ اسلام امن چاہتا ہے اور ہر ذی روح کے لیے امن کا پرچار کرتا ہے جوش بھی اجتماعی انسانیت کی فلاح چاہتے ہیں اس لیے ان کے رثائی کلام میں انسانیت کا درد جابجا ملتا ہے انسان کو جبری طاقتوں سے نجات دلانے کے لیے، ان میں جوش آزادی پیدا کرنے کے لیے وہ حوصلہ و امید دلاتے رہے کہ امام عالی مقام حسین علیہ السلام سے کسب درس لے کے زندگی کی تابندگی کی طرف لوٹا جا سکتا ہے جوش امام حسینؑ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے یادوں کی برات میں جوش کا یہ بیان بھی اسی عقیدت کا مظہر ہے جوش نے لکھا ہے:

"اب دل تھام کر نگاہ اٹھایئے، علی کے سورما بیٹے اور محمدؐ کے لہولہان نواسے حسینؑ کی جانب جو گریاں تاریخ کے سینے کا ناسور اور گزراں وقت کی پیشانی کا نور ہے وہ حسین جس کے نظام انفاس کی اطمینان آمیز ہمواری کی زد میں میدان کربلا کی باد سموم کا دم ٹوٹ گیا تھا جس کے لبوں کی خشکی دیکھ کر فرات کی موجیں آب آب ہو کر رہ گئی تھیں اور جس کے چہرے کی شادابی کو دیکھ کر کربلا کے تپتے سورج کے ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگی تھیں وہ حسینؑ جس نے اس ارادے سے کہ ایوان حق کے چراغاں پر کوئی آنچ نہ آسکے اپنے گھر کے تمام چراغوں کو بجھا دیا تھا اور ناموس انسانی کو بچانے کی خاطر جس نے فولاد کو پگھلا دینے والے عزم اور زلزلوں کی سانس اکھاڑ دینے والے ثبات کے ساتھ موت سے ٹکر لی تھی اور ایسی ٹکر کہ موت کی پیشانی سے لہو کا فوارہ جاری ہو گیا تھا ای حسینؑ! اے دریائے زہر سے آب حیات پینے والے اے بپھرے طوفان کو اپنے سفینے میں ڈبو دینے والے اے حریم شہادت کے سب سے اونچے منارے، اے ہمت مردانہ کے اوتار اور اے ثبات و عزم کے پروردگار، ازل سے لے کر ابد تک کی انسانیت کا غلامانہ سلام قبول کر"(۱۱۲)

اس ضمن میں انسانی غلامی کو نئی حیات بخشنے کے لیے جوش کی تخلیق فیاضی دیکھئے:

پھر حیات نوع انسانی ہے کجلائی ہوئی
گل پڑے ہیں ولولے جرأت ہے مرجھائی ہوئی
پھر زمین و آسماں پر موت ہے چھائی ہوئی
موت بھی کیسی خود اپنے ہات کی لائی ہوئی
چہرہ امید کو رخشند گی دے یا حسینؑ
زندگی دے زندگی دے زندگی دے یا حسینؑ (۱۱۳)

جوشؔ نے مرثیے میں کلاسیکی علائم، تلمیح و استعارات کا سہارا لیا اور نئے معانی ان کو پہنائے ہیں درج ذیل اشعار میں جوشؔ نے منزل کی نشاندہی کے لیے بڑے جاذبانہ انداز میں کہا" سینکڑوں گردوں مٹا کرتے ہیں تیرے نام سے" مرثیہ گو نے امام حسین علیہ السلام کی ذات اقدس سے گہری انسیت و وابستگی کا اظہار کیا ہے مرثیہ "اے حسینؑ" کے بیشتر اشعار میں امام حسینؑ کی براہ راست ترجمانی کو پیش کیا ہے اس حوالے سے یہ بند دیدنی ہے:

سینکڑوں قلزم ملا کرتے ہیں تیرے جام سے
سینکڑوں گردوں مٹا کرتے ہیں تیرے نام سے
کس غضب کی نو کھلتی ہے تیرے پیغام سے
زندگی کو جھرجھری آتی ہے تیرے نام سے
گونجتا ہے روح میں ہر نغمہ تیرے ساز کا
آج بھی کوندا لپکتا ہے تیری آواز کا (۱۱۴)

جوشؔ کا واسطہ برصغیر کے لوگوں سے تھا اس لیے جوشؔ نے مرثیے میں خودی سے آگاہی دلانے کے لیے اور عوامی بہتری کے لیے مرثیے میں حسینی انقلاب کی راہ دکھائی ہے قوم کو سمجھانے کی خاطر امام عالی مقام سے فریاد کر رہے ہیں گویا وہ درپردہ مسلمان قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ دنیا میں بلند آہنگی سے بچنے کے لیے امام حسین علیہ السلام کا شعار اپنانا بہت ضروری ہے ان کے نزدیک غلام قوم کے ذہنوں کو بدلنے کے لیے زور حیدر بخشنے والی ذات اقدس صرف امام حسینؑ کی ہے مندرجہ ذیل ذیل دو بند اسی ذیل میں لکھے گئے ہیں:

عکس اپنا ڈال پھر اس خاک داں پر اے حسینؑ
پھر عطا فرما حدیث دل کو ممبر اے حسینؑ
بخش دے پھر بستہ قطرے کو سمندر اے حسینؑ
زور حیدر، زور حیدر، زور حیدر اے حسینؑ
خشک ہونے پر ہے جوئے عزم انساں یا حسینؑ
موج طوفاں موج طوفاں موج طوفاں یا حسینؑ
ک دیا تو نے یہ ثابت اے دلاور آدمی
زندگی کیا موت سے لیتا ہے ٹکر آدمی
کاٹ سکتا ہے رگ گردن سے خنجر آدمی
لشکروں کو روند سکتے ہیں بہتر آدمی
ضعف ڈھا سکتا ہے قصر افسر و اورنگ کو
آبگینے توڑ سکتے ہیں حصار سنگ کو (۱۱۵)

کسی حکومت اور آئین کے خلاف کھل کر اظہار مزاحمت کرنا اور جبری استحصال کے علمبر داروں پر چوٹیں کرنا یہ جوش جیسے منتخب مرثیہ نگار ہی کا حوصلہ اور ہمت ہے انہوں نے رثائی کلام کے ذریعے جبری طاقتوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے مزاحمتی مرثیے کہے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کا درد رکھتے تھے ان کی نگاہیں ان بے راہ رویوں، بدعنوانیوں کو دیکھ لیتی تھیں جن سے ملک و ملت اور قوم کا کسی بھی لحاظ سے استحصال ہو رہا ہو ان کے کلام کا تجزیہ کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ جبری استحصال کرنے والوں کی حقیقی تصویریں جو کرب کی پردہ پوشی کرنے کی بجائے انہیں اور بھی واضح کر دیتی ہی اور اس جبری استحصال کے ناسور کو ختم کرنے کا درس دیتی ہیں۔

iii۔ منافقین اسلام

جوش نے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۸۴ء تک کم و بیش چونسٹھ سال مرثیہ کی زلفیں سنواریں اور یہ جوش ہی کا کارنامہ ہے کہ مرثیہ نے عصری حالات کی ترجمانی کرنا شروع کی جوش نے جدید مرثیہ کو استحکام بخشنے میں نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں اور جدید مرثیے کو بحیثیت ایک صنف ادب اردو ادب کی تاریخ میں جگہ دلا گئے ہیں۔ منتخب مرثیہ نگار کے مرثیوں میں سیاسی جہات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے سے بیشتر یہ ضروری ہے

کہ اس دور کی سیاسی صورت حال پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تا کہ جوش کی ذہنی سوجھ بوجھ کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔ اردو ادب میں حالی، آزاد اور سرسید وغیرہ نے ادب کو زندگی سے قریب لانے کی جو تحریک شروع کی تھی اس کے اثرات بیسویں صدی کے آغاز تک تقریباً ہر صنف میں سرایت کرتے جارہے تھے خود مرثیے نے اثر قبول کرنا شروع کر دیا تھا نیز آزادی کو ایک ممکن الحصول نعمت سمجھ کر انگریزوں کے خلاف مہم تیز کرنے کے لئے انقلاب کے تصور کو ایک مذہبی اور آئینی جواز دینے کے لیے اہل قلم ماضی کی تاریخ سے اپنے ذہنی رشتے استوار کر رہے تھے جس میں واقع کربلا سے استفادہ کرنے والوں میں محمد علی جوہر، ابو الکلام آزاد اور علامہ اقبال سرفہرست ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ واقعہ کربلا کے منشور کو عام کرنا شروع کر دیا تھا اس ماحول میں جوش نے عزم حسینؑ کے تصور کو دنیا کے سامنے پیش کیا جو ان کا مقصد اول تھا۔ مرثیہ ''منافقین اسلام'' جوش کے رثائی کلام کا وہ حصہ ہے جو فنی نقطہ نظر سے نہایت کامیاب ہے اس مرثیہ کے ابتدائی بندوں میں منافقین اسلام کا تذکرہ بہت واضح ہے:

اہل دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں
بعد پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کسی طرح دولت کا دھواں
کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں
اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انہیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا (۱۱۶)

مرثیہ ''منافقین اسلام'' میں جوش نے اپنے مذہبی افکار کو نہایت منظم اور مربوط انداز میں پیش کیا ہے احادیث، تفاسیر اور تاریخ اسلام پر ان کی گہری نظر ہے اپنے دور کے سیاسی حالات اور گردوپیش کا جائزہ لے کر جبری استحصال کرنے والوں کے لیے اپنی مزاحمتی تاویل پیش کی ہے اس سلسلے میں عصر حاضر کے بیشتر نقاد متفق ہیں جیسا کہ فضل امام کا کہنا ہے ''ان کے مراثی کی سب سے بڑی صفت سماجی اور سیاسی شعور و احساس ہے''(۱۱۷)

سیرت نگاری ادب کا ایک مشکل حصہ مانا جاتا ہے اکثر سیرت نگار اصل موضوع سے ہٹ کر دوسری طرف بہہ جاتے ہیں لیکن منتخب مرثیہ نگار جوش مرثیے میں جس فرد کی سیرت دکھاتے ہیں اس کی شخصیت اور درجہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اس کی جذباتی کشمکش، نفسیاتی کیفیت، اس کی بات چیت کا انداز ویسا ہی ہوتا ہے

جیسا کہ اس شخصیت کا ہونا چاہیے اس کی چھوٹی سی مثال درج ذیل بند کے مصرعہ ”جس کا قرآں میں ہے ذکر اس داوری سے جنگ تھی“ کا پورا بند ملاحظہ کیجئے اور جوش کی تصویر کشی کی داد دیجئے:

کربلا میں امر حق کی برتری سے جنگ تھی
طاقت نان شعیر حیدری سے جنگ تھی
عظمت دیرینہ پیغمبری سے جنگ تھی
جس کا قرآں میں ہے ذکر اس داوری سے جنگ تھی
کب نفاق ارباب حق سے بر سر پیکار تھا
وہ خدا پر آخری لات و ہبل کا وار تھا (۱۱۸)

جوش اپنے معاصرین میں انداز بیاں اور قادر الکلامی میں بے مثال تھے درج بالا مرثیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات صاف طور سے واضح ہو جاتی ہے کہ جوش اس فن میں نہایت کامیاب اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے. اس حوالے سے کاظم علی خاں نے ان کے مرثیوں کو پرکھا، تجزیہ کیا اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:”روایتی مرثیہ جن قدیم صنائع و بدائع سے گراں بار تھا جدید مرثیے میں انہیں اس حد تک بار نہیں ملا لیکن جوش نے اپنے جدید مرثیوں میں تشبیہ و استعارہ اور مناظر قدرت کو جن نئے نئے دل نشیں پیرایوں میں پیش کیا ہے اور زبان کو جس فن کارانہ مہارت اور چابک دستی سے استعمال کیا ہے وہ ان کی قادر الکلامی پر دال ہے“(۱۱۹)

جوش نے عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اردو مرثیے کو نیا رنگ دینے کی کوشش کی ہے جوش ہر بات کو بیباک اور نڈر ہو کر کہنے کی جرات رکھتے تھے اس لیے ان کا مرثیہ ”منافقین اسلام“ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے مرثیے میں مختلف مقامات پر منافقین اسلام کے چہروں سے نقاب اٹھائی ہے::

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحف ناطق کا سر
اصل میں قرآں وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر
حملہ آور ابن حیدر پہ نہ تھے ارباب شر
ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر
چند جاں بازوں کی جانب رخ نہ تھا آفات کا
دن پہ وہ دراصل دھاوا تھا اندھیری رات کا(۱۲۰)

جو لوگ خدا شناس ہوتے ہیں وہ خدا پر ہی اعتماد کرتے ہیں اور توکل علی اللہ میں انہیں سب کچھ نظر آتا ہے اور حق بات کو وہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں چاہیے اس میں انہیں کتنا ہی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے اسی بنیاد پر جوش کے رثائی کلام پر فضل امام نے اپنے خیالات کو یوں بیان کیا ہے: ''مراثیؔ جوش میں حقیقت نگاری کا عنصر بحیثیت فن نظر آتا ہے جس میں انسانی فطرت کی مطابقت کے ساتھ اشیاء کی فطرت اور اس کا لازمی نتیجہ بھی پیش کیا گیا ہے لیکن تاریخی حقائق اور اصل پیدا شدہ نتائج میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا دراصل جوش کے مرثیے حقیقت نگاری کا اچھا اور دل کش نمونہ ہیں''(۱۲۱)

درج ذیل اشعار میں ؔجوش نے یوم عاشورہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے ابتدا سے انتہا تک کے حق و باطل کے حالات و واقعات کو پیش کر دیا ہے کہ صبح صادق سے لیکر عصر کے وقت تک خاندان نبوت پر جو ظلم روا رکھا گیا جس کی سچی تصویر ؔجوش نے مندرجہ ذیل اقتباس میں کی ہے:

وہ نہ تھا افتاد طشت حق کا صوتی ارتعاش
مصطفیؐ سے دشمنی کا وہ ہوا تھا راز فاش
خیمہ شبیرؑ کو گھیرے نہیں تھے بد قماش
گردن حق کے لیے تھی ریسماں کی وہ تلاش
اشقیاء جھپٹے نہ تھے ابن شہ لولاک پر
اصل میں بت آستینوں سے گرے تھے خاک پر (۱۲۲)

کیسے پر درد اس خاندان کے واقعات ہیں جن سے اہلبیت کو گزرنا پڑا حضرت علی علیہ السلام شہید کر دیئے گئے قیادت امام حسن علیہ السلام کے سر پہ آگئی آپ کو زہر دیا گیا اور خلافت امیر معاویہ کے ہاتھ لگ گئی اس کے انتقال کے بعد یزید نے خلیفہ رسول بننے کا اعلان کیا اور امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنے لگا آپؑ نے بیعت سے انکار کیا تو آپ کو شہید کر دیا گیا۔ یہاں ایک بات قابل غور یہ بھی ہے کہ ؔجوش نے ایک بات صاف کر دی ہے کہ ان کا مقصد امام حسین علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف ہے جنھوں نے میدان کربلا میں حق کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں وہ نا قابل فراموش ہیں یزید نے جو انسانیت کے استحصال کی بنیاد ڈالی تھی اس کے خلاف امام حسین علیہ السلام نے استغاثہ حق بلند کیا اور باطل قوت کو اپنی مقتولیت کی ضرب سے فنا کیا گویا اس مرثیے میں ؔجوش نے مسلمان قوم کو منافقین اسلام کے بارے میں بتایا ہے اور اپنے مقصد و حصول کے

لیے موضوع سخن پر کھل کر بات کی ہے مرثیے کا ہر شعر دوسرے شعر سے پیوست ہے جس کا مقصد قوم میں جذبہ بیداری پیدا کرنا تا کہ وہ اپنے حق کے لیے نامساعد حالات سے لڑ سکیں۔

iv۔ حسینؑ اور انقلاب

انسان کے جبری استحصال کی داستاں بالعموم مرثیہ نگاروں کے زیر بحث رہی ہے۔ مرثیہ نگاری کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ پیام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے اس اعتبار سے جوؔش نے مرثیہ نگاری کو پہلی بار عوامی رابطے کا ایک موثر ذریعہ بنایا اور اسے امام باڑے کی دیوار بندی سے آزاد کیا جوؔش بیسویں صدی میں اردو ادب کی تمام اصناف سخن میں اپنے منفرد مزاحمتی لہجے سے آگے بڑھے کرشن چندر نے کہا:

''کہ اس برصغیر میں انہوں نے اس وقت حریت، صداقت اور آزادی کا علم بلند کیا
جب دوسرے لوگ انگریزوں کی شان میں قصیدے کہتے تھے''[۱۲۳]

راقمہ کو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ بڑی حد تک جوؔش کا مرثیہ ''حسین اور انقلاب'' نے مشرق و مغرب کے ایوانوں میں تزلزل پیدا کیا اور امت مسلمہ کو بیدار و ہشیار کیا یہی وجہ ہے کہ جوؔش کا مزاحمتی لہجہ ان کے کلام میں سوال پہ سوال کرتا ہے جس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے ہوتا ہے جن میں جوؔش کی روح بولتی نظر آتی ہے ان اشعار کی طرز ادا، اسلوب اور لب و لہجے کی خصوصیات وہی ہیں جو اقبال کے کلام شکوہ و جواب شکوہ کی ہیں اپنے موقف کی وضاحت کے لیے انسان کے تاریخی جبری استحصال پر گہرا طنز کیا ہے چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہمراز یہ فسانہ آہ وفغاں نہ پوچھ
دو دن کی زندگی کا غم این و آں نہ پوچھ
کیا کیا حیات ارض کی ہیں تلخیاں نہ پوچھ
کس درجہ ہولناک ہے یہ داستاں نہ پوچھ
تفصیل سے کہوں تو فلک کانپنے لگے
دوزخ بھی فرط شرم سے منھ ڈھانپنے لگے
دنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دوچار
ہر قہقہے کی گونج میں ہے چشم اشکبار
کیا خار و خس کہ وہ تو ہیں معتوب روزگار

نسرین و نسترن میں بھی پنہاں ہے نوک خار
نغمے ہیں جنبش دل مضطر لئے ہوئے
گل برگ تک ہے برش خنجر لئے ہوئے
امراض سے کسی کا بڑھاپا ہے اک وبال
آلام سے کسی کی جوانی ہے پائمال
اس کو ہے خوف ننگ اسے نام کا خیال
روزی سے کوئی تنگ کوئی عشق سے نڈھال
ہر سانس ہے نوید عذاب عظیم کی
گھبرا کے دو دہائی خدائے رحیم کی
اس خوں چکاں حیات کے آلام کیا کہوں
قدرت نہیں فسانہ ایام کیا کہوں
دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں
یہ داستان مرحمت عام کیا کہوں
کہہ دوں تو دل سے خون کا چشمہ ابل پڑے
اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے [۱۲۴]

جدید مرثیے نے جس طرح تخلیق کے ذریعے انسان کی تشنہ خواہشوں ،اس کے نہاں خانہ دل کی اذیتوں اور جبر و تشدد کو کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ بیان کیا ہے اس نے ادب کو بے شمار وسعتوں سے ہم کنار کر دیا ہے عصر حاضر کے حالات کی عکاسی جوش کے رثائی کلام میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں انساں بظاہر ٹیکنا لوجی کی جدت طرازیوں سے بہرہ مند ہو رہا ہے لیکن اپنی ذات کے حوالے سے اس کی زندگی کا تعلق نفسا نفسی اور موت تک نہ ختم ہونے والی دوڑ سے ہے یہی احساس جوش کو خود کلامی پر مجبور کرتا ہے اور وہ بنی آدم کو اس کی زندگی کی کہانی کا حقیقی آئینہ دکھاتے ہیں:

نوع بشر پہ ہے جو عقوبت نہ پوچھیئے
سفاک زندگی کی شقاوت نہ پوچھیئے
جور حیات و جبر مشیت نہ پوچھیئے

کتنا رقیق ہے دل قدرت نہ پوچھیے
سو سال اگر خزاں کے تو دو دن بہار کے
قرباں ہجوم رحمت پروردگار کے
یوں تو غم معاش کا سوز نہاں ہے اور
تکلیف جاں گدازی عشق بتاں ہے اور
لب تشنگی شیب وعذاب خزاں ہے اور
اعلان امر حق کی مگر داستاں ہے اور (۱۲۵)

درج ذیل اشعار ملاحظ کیجیے جن میں مرثیہ نگار انسانی زندگی کی اس تلخ حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ تواتر کے ساتھ انسانی زندگی کے مخمصے مثبت اور منفی کا تصادم، حاصل اور لاحاصل کی الجھنیں، خود پرستی، گریز، احساس برتری یہ سب الجھنیں ان کی کشمکش کی وجہ وہ خون ہے جو انسان کی رگ میں دوڑ رہا ہے ان کیفیات کی آنچ محسوس کرتے ہوئے جوش کہہ گئے:

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
گھٹی میں تھے جو حل وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج باپ کی عادات چھوڑ دے
کس جی سے کوئی رشتہ ادہام چھوڑ دے
ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے
اوہام کا رباب قدامت کا ارغنوں
فرسودگی کا سحر روایات کا فسوں
اقوال کا مراق حکایات کا جنوں
رسم و رواج و محبت و میراث و نسل و خوں
افسوس یہ وہ حلقہ دام خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے (۱۲۶)

موجودہ صدی انسانی زندگی کے جذبات واحساسات کے حوالے سے تبدیلیوں کی صدی ہے دور حاضر کا انسان جتنا زیادہ علم و تحقیق کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہے اور ہل من مزید کی آرزو میں چین نہیں پا رہا مسلسل معاشرے میں ایسی ہولناکیاں دیکھ کر جوش جیسے حساس تخلیق کار کے دل پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور بے تاب ہو کر کہہ اٹھتے ہیں:

اس بزم ساحری میں جہالت کا ذکر کیا
خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا
اوہام جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرہ
عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں رقص کے سوا
تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں (۱۲۷)

درج ذیل اشعار میں جوش زندگی کی اقدار کی شکست اور جہالت کے سبب روایات کی زبوں حالی کا نوحہ پڑھتے ہیں یہ لمحہ فکریہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ جہالت کے اندھیروں کی لپیٹ میں آجاتا ہے جہاں کے باسی لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور استحصال کی کوئی پرواہ ہی نہیں کرتے وہاں استغاثہ حق بلند کرنا اپنی موت کو آواز دینا ہے بقول جوش:

جس دائرے میں قصر قدامت کا ہو طواف
جدت کے جرم کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف
آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خلاف
آواز اٹھائے موت کی جو آرزو کرے
ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے (۱۲۸)

انقلاب اردو مرثیے کا ایک اہم بڑا موضوع ہے جسے جوش نے اپنے کلام میں خوب برتا ہے یہ حقیقت بھی ہے کہ ناساز گار حالات میں حق کے داعی کو بہت سے تحائف سے نوازا جاتا ہے معاشرے کے منہ زور انسان انسانیت کے حق میں آواز اٹھانے والوں کو کس طرح عتاب کا نشانہ بناتے ہیں جس کا خاکہ جوش نے مرثیے میں کچھ اس طرح سے کھینچا ہے ملاحظہ ہوں چند اشعار:

ہو تا ہے جو سماج میں جو یائے انقلاب
ملتا ہے اس کو مرتد و زندیق کا خطاب
پہلے تو اس کو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شباب
اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب
بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لئے ہوئے
تشنیع و طعن و دشنہ و خنجر لئے ہوئے (۱۲۹)

جوش نے دور فرنگ دیکھا ان کے دور حکومت اور اس زمانے کی پستی کو بہت قریب سے دیکھا کہ کس طرح نظام حکومت میں سب کچھ خاک میں مل رہا تھا جس کے خلاف منتخب مرثیہ گو نے مزاحمتی و احتجاجی اشعار کہے اور اس جبر کی فضا کو توڑنے کے لیے انہوں نے مرثیہ "حسین اور انقلاب" کے ایک بند میں کہا:

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیق نامراد
کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد
پھیلا رہا ہے عالم اخلاق میں فساد
اے صاحبان جذبہ دیرینہ جہاد
ہاں جلد اٹھو تباہی باطل کے واسطے
جنت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے (۱۳۰)

جوش نے پوری انسانیت کو اپنے مزاحمتی مرثیوں کا ہدف بنایا ہے مرثیہ نگار نے اپنے دل کی بات اپنے احساسات اور حکومت کے ظلم کو اشعار کی شکل دی ہے جوش نے مرثیے میں ظلم کے ہر پہلو پر اشعار کہے ہیں اور کبھی ظالم کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا درس دیا ہے اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ذرا بھی جھجھک نہیں دکھائی۔ فیض نے اپنے ایک مضمون میں جوش کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے "جوش طبعاً انانیت پسند اور انفرادیت کے مدح خواں واقع ہوئے ہیں جب وہ انقلابی تگ و دو کا ذکر کرتے ہیں تو عام طور سے اس تگ و دو کا ہیرو کوئی طبقہ نہیں بلکہ کوئی فرد ہوتا ہے مثال میں فیض نے حسین اور انقلاب کا یہ بند نقل کیا ہے" (۱۳۱)

اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا
رعب و شکوہ و جاہ و جلالت کا سامنا
شاہان کج کلاہ کی ہیبت کا سامنا
قرنا و طبل و ناوک ورایت کا سامنا
لاکھوں میں ہے وہ ایک کروڑوں میں فرد ہے
اس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے (۱۳۲)

چند اشعار بطور مثال ہیں جہاں جوؔش نے مرد حق کی پہچان کراتے ہوئے کہتے ہیں:

اور بالخصوص بند ہو جب ہر در نجات
حق تشنہ لب ہو دشت میں باطل لب فرات
دست اجل میں ہو زن و فرزند تک کی ذات
حائل ہو مرگ و زیست میں لے دے کے ایک رات
یہ وہ گھڑی ہے کانپ اٹھے شیر نر کا دل
اس تہلکے کو چاہیئے فوق البشر کا دل (۱۳۳)

اپنے پر آشوب دور کی عکاسی کرنے میں جوؔش نے بزم حق کے رکھوالوں کی پیکر تراشی پر بہت زور دیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والے سانحے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یزید کی مکاری وریاکاری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ابن زاہرؑ نے ایک کے بعد ایک کئی مظالم کا سامنا کیا اور حق بات کو تلواروں کے سایے میں بھی کہتے رہے اس منظر کی پیش کش میں جوؔش نے مرثیہ میں رزمیہ نظم کو داخل کرکے نہایت بہترین شکل میں پیش کر دیا ہے:

وہ اہل حق کی تشنہ دہاں مختصر سپاہ
باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ ظلمتوں کے دام میں زہرؑ کے مہر و ماہ
تارے وہ فرط غم سے جھکائے ہوئے نگاہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی (۱۳۴)

یہاں مرثیہ نگار نے ابتدا سے انتہاء تک تشبیہ و استعارہ کا استعمال کرتے ہوئے کرب و بلا میں برپا جنگ کی تصویر کشی کرتے ہوئے اپنے انداز بیان کو اجاگر کیا ہے بطور نمونہ مرثیہ کا یہ بند پیش ہے:

لبریز زہر جور سے وہ دشت کا ایاغ
دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ
پرہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے (۱۳۵)

درج ذیل بند کے حوالے سے مصطفیٰ زیدی کی رائے نقل کی جاتی ہے وہ لکھتے ہیں " میں حسین اور انقلاب کا صرف ایک بند ہی پڑھتا ہوں اس میں ہر مصرعے کے مدوجزر کو دیکھتے جایئے اندرونی ہیجان اور بیرونی اضطراب کی یک رنگی کی اس سے بہتر مثال ہو سکے تو بتایئے "(۱۳۶)

وہ رات وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار
عابد کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار
اصغر کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار
اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا(۱۳۷)

ان اشعار میں مرثیہ گو نے نہایت بہترین اسلوب بیان میں امام حسینؑ کی بہادری کو اجاگر کیا ہے شروع سے آخیر تک ابن زاہراؑ نے حق کو بچانے کی خاطر پوری جدوجہد سے کام لیا دشمنوں کی لاکھووں کی تعداد کے گھیرے میں سب کچھ لٹوا کر حق کا علم بلند رکھا درج زیل بند میں جوش نے امام حسینؑ کی معرکہ کشی جس انداز میں پیش کی ہے یہ ایک ایسی تصویر ہے کہ دنیا کے بقاتک مثال کے طور پر پیش کی جائے گی:

جس کا ہجوم درد و علم سے یہ حال تھا
سینہ تھا پاش پاش جگر پائمال تھا
رخ پر تھا تشنگی کا دھواں دل نڈھال تھا

اس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا
آتش برس رہی ہے تو برسے خیام پر
آنے نہ پائے آنچ مگر حق کے نام پر (۱۳۸)

مصائب انسان کے ذہن کے ساتھ ساتھ جسم پر بھی گہرا اثر چھوڑتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ سخت دکھ یا صدمے نے کسی کو چند گھنٹوں میں بدل ڈالا لیکن اہل بیت اطہار پر یزیدی فوج نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی لیکن خاندان اہل بیت کے عزائم میں کوئی فرق نہ آیا درج ذیل اشعار میں مرثیہ نگار نے امام حسینؑ کے عزم کی شدت اور صداقت کو عزم پروردگار کی شکل میں پیش کیا ہے:

ہر چند ایک شاخ چمن میں ہری نہ تھی
ماتھا عرق عرق تھا لبوں پر تری نہ تھی
باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی
یہ داوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی
رنگ اڑ گیا حکومت بدعت شعار کا
عزم حسین عزم تھا پروردگار کا (۱۳۹)

مرثیہ ''حسینؑ اور انقلاب'' کے بعض مصرعوں میں جوش نے امام حسینؑ کے مصائب کی منظر کشی اس بے ساختہ انداز میں کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے دیکھنے کی خاص چیز یہ ہے کہ اپنے بھائی عباسؑ بھتیجے نشانی حسنؑ، انصار، اقربا، غرضیکہ بہتر شہداء کی لاشیں اٹھانے والا حسینؑ اپنے مقصد کو پانے کے لئے اور اپنے فرض کی تکمیل کے لیے کس قدر صبر سے کام لے رہا ہے صبر امام حسینؑ کا مرقع جوش نے درج ذیل اقتباس میں پیش کیا ہے:

تھی جس کے دوش پاک پر اہل ولا کی لاش
انصار سر فروش کی لاش اقرباء کی لاش
عباس سے مجاہد آزما کی لاش
قاسم سے شاہزادہ گلگوں قبا کی لاش
پھر بھی یہ دھن تھی صبر کی زلفوں سے بل نہ جائے
اس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل جائے (۱۴۰)

تاریخ گواہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں شاعروں، مرثیہ نگاروں نے اپنی تخلیقات سے بڑے بڑے کرشمے دکھائے ہیں اس ضمن میں جوؔش کی مرثیہ نگاری کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جوؔش کی نظریں دیکھتی ہیں کہ پھر انسانی آزادی گھائل ہے وہ حق کے تابناک ستارے کو آواز دیتے ہیں جنھوں نے اکسٹھ ہجری میں یزیدی باطل قوت کا قلع قمع کیا اور ایک عظیم انقلاب برپا کیا اپنے اردگرد کے حالات کی تصویر کھینچتے ہوئے جوؔش نے جس طرح امام حسینؑ پکارا چند اشعار یہاں ''حسین اور انقلاب'' سے پیش ہیں اپنے دور کے استحصالی ٹھیکیداروں کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے جوؔش قوم کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے امام حسینؑ سے مدد کی استدعا کر رہے ہیں:

پھر حق ہے آفتاب لب بام اے حسین
پھر بزم آب و گل میں ہے کہرام اے حسین
پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسین
پھر حریت ہے مورد الزام اے حسین
ذوق فساد و ولولہ شر لئے ہوئے
پھر عصر نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے (۱۴۱)

منتخب مرثیہ نگار کی مرثیہ نگاری بیسویں صدی میں عدل و انصاف کی منفی صورت حال کو بیان کرتی ہے جو ہمارے معاشرے میں عام طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جوؔش خاموش تماشائی نہیں بنتے بلکہ وہ بیسویں صدی کے معاشرے میں پھیلے انتشار اور بدامنی کی جانب ارہ کرتے ہیں یہ مرثیہ نگار کی انفرادی خوبی سمجھی جاتی ہے کہ وہ مرثیوں میں تہذیبی انداز میں حق و باطل کے نمائندوں کا تقابل اس انداز میں کرتے ہیں کہ خیر و شر کا ایک افسانہ مرتب ہوا نظر آتا ہے ایسے خیالات ذہنی انتشار کو فروغ دیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی اور تزبذب پیدا ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں جبری استحصال بڑھ جاتا ہے وہاں پر انسانیت کی اقدار بھی موت کا شکار ہو جاتی ہیں مصرعہ ''اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسین ددے'' مرثیہ نگار کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے عزم حسینؑ کی ضرورت ہے جو باطل کے ظلم کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن جائے خیر و شر کا منظر نامہ ملاحظہ کیجئے:

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دوچار
اے زندگی جلال شہ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسین دے (۱۴۲)

جوش کے مرثیے "ادب برائے زندگی" کے نظریے کی تائید معلوم ہوتے ہیں اور یہ فلسفہ آرنلڈ کی سوچ کی پیروی میں ہے جہاں پر جوش اپنے وطن میں برپا فساد کو ہدف مزاحمت بناتے ہیں اور وطن میں نافذ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف قلم کے زریعے آواز حق بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تاکہ حق اور باطل آپس میں امتزاج نہ کر سکیں اپنی فکر کی فتح کے لیے مرثیہ نگار تاریخ کے آئینے میں چھپی اس تلوار کی جانب قوم کو کو توجہ دلاتے ہیں جس نے باطل کا سر کاٹا تھا لیکن باطل کے آگے جھکنا کسی صورت قبول نہ کیا عصر حاضر کے حالات کی عکاسی درج ذیل بند میں دیکھی جا سکتی ہے اور مرثیہ گو کے کلام کا فکری تسلسل بھی ملتا ہے جہاں جوش آنے والے زمانے کے لوگوں کے ہاتھ میں حق کی تلوار تھماتے ہیں جو جبری استحصال کرنے والوں کو کاٹ کر رکھ دے اسی پس منظر کے تحت جوش مرثیہ "حسین اور انقلاب" میں للکارتے ہیں:

پھر گرم ہے فساد کا بازار دوستو
سرمایہ پھر ہے بر سر آزار دوستو
تا کئے یہ خوف اندک و بسیار دوستو
تلوار ہاں اپی ہوئی تلوار دوستو
جو تیز تر ہو خون امارت کو چاٹ کر
رکھ دے جو سیم و زر کے پہاڑوں کو کاٹ کر (۱۴۳)

درج بالا اشعار میں صنعت تضاد کا استعمال کیا گیا ہے درج بالا اشعار میں جبری استحصال کرنے والے ان تمام عوامل کی نشاندھی کی گئی ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا ہے اس مرثیے کا کچھ حصہ شکوہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اسی طرح ان عوامل کے استحصالی عمل کو روکنے کے لیے مندجہ بالا بند کے آخری

اشعار میں مرثیہ نگار نے اس پنپتے فتنے کو روکنے کا حل بتا دیا ہے جس کو جواب شکوہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے مذکورہ اشعار میں منتخب مرثیہ نگار کے بیان کی موزونیت اور موضوع کی موافقیت اپنے کمال پر معلوم ہوتی ہے:

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم وزر کے ناگ
گونجے ہوئے ہیں گنبد گرداں میں غم کے راگ
پھر موت رخش زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ
تا آسماں بلند ہوا ہے زندگی کی آگ
فتنے کو اپنی آنچ کے جھولے میں جھونک دے
ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے (۱۴۴)

اس مسدس میں مرثیہ نگار نے تاریخ کے اہم سانحے کربلا کی جانب اشارہ کیا ہے جس میں جوؔش کا ہر شعر اس واقعہ کے آفاقی کرداروں کو آشکار کرتا ہے جو اپنی مخصوص خوبیوں کے ساتھ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں یہ بند یزید کے جبری استحصال کو بھی آشکار کرتا ہے جس نے حق کو مجروح کرنے کی غلیظ کوشش کی اسی طرح مرثیہ نگار حق کی بلندی کے لیے ان تاریخی کرداروں کے واسطے دے کر ملت اسلامیہ کو امام حسینؑ کی نیابت اختیار کرنے کا پیغام دیتا ہے ملاحظہ کیجیے چند اشعار:

اے دوستو فرات کے پانی کا واسطہ
آل نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ
اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ
بڑھتی ہوئی جوان اُمنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو حسینؑ کے دامن کو تھام لو (۱۴۵)

جوؔش نے مرثیہ ''حسین اور انقلاب'' میں امام حسینؑ کی راہ پر چلنے کو وقت کی ضرورت قرار دیا ہے بدر و حنین کی تاریخی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے مرثیہ نگار مرد جری امام علیؑ کے اوصاف سے بالخصوص آگاہی دلاتا ہے اس ضمن میں جوؔش کی کوشش ہے کہ وہ اپنے مرثیوں سے علیؑ و حسینؑ کے افکار و کارناموں سے ایسی سوچ کو پروان چڑھائیں جو ساری انسانیت کے لیے امن کا باعث ہو۔ جوؔش ان اشعار میں اپنی انقلابی فکر کو ہر ایک سے منسلک کرنا چاہتے ہیں تا کہ حق کا بول بالا ہو سکے:

آئین کشمکش سے ہے دنیا کی زیب وزین
ہر گام ایک بدر ہو ہر سانس اک حنین
بڑھتے رہو یوں ہی پئے تسخیر مشرقین
سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ حسینؑ
تم حیدری ہو سینہ اژدر کو پھاڑ دو
اس خیبر جدید کا در بھی اکھاڑ دو(۱۴۶)

جوؔش ترقی پسند تحریک کے بہت بڑے علمبردار اور نمائندہ مرثیہ نگار تھے انہوں نے اپنے انقلابی رثائی کلام میں بلند آہنگ باغیانہ انداز اپنایا جس کے سبب ان کے مرثیوں نے گھن گرج، مزاحمتی وانقلابی شکل لے لی ہے جوؔش نے جبری استحصال کے خلاف آواز بلند کی اور اپنے حقوق کا مطالبہ کیا سماج کے جبری طبقہ نے ہر ممکن ان کی آواز دبانے کی کوشش کی اور ان کی ہر مہم کو ناکام بنانے کے لیئے طاقت کا استعمال کیا لیکن ان کے جذبات میں کوئی تبدیلی نہ آئی وہ مزید حوصلہ اور شجاعت کے ساتھ اس جبری نظام کا خاتمہ کرنے اور جبری استصال کرنے والوں سے انتقام لینے کے لیے بے تاب رہے:

جاری رہے کچھ اور یوں ہی کاوش شبیرؑ
ہر وار بے پناہ ہو ہر ضرب لرزہ خیز
وہ فوج ظلم وجور ہوئی مائل گریز
اے خون اور گرم ہو اے نبض اور تیز
عفریت ظلم کانپ رہا ہے اماں نہ پائے
دیو فساد ہانپ رہا ہے اماں نہ پائے(۱۴۷)

جوؔش کے رثائی کلام کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ مرثیہ "حسین اور انقلاب" میں مرثیہ نگار نے انسانی استحصال کرنے والوں کو ہدف مزاحمت بنایا ہے ااور اپنی قوم کو یہ ترغیب دلائی کہ خانوادہ رسولؐ کی راہ پہ چلتے ہوئے ایسی پوزیشن اختیار کرو کہ لوگ حالات کے مطابق اپنے افکار کی درستگی کر سکیں اس لیے انہوں نے مرثیے میں قوم کا استحصال کرنے والوں کا خاکہ مزاحمتی انداز میں پیش کیا ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرثیہ انیسؔ و دبیرؔ کی قائم کردہ فصیل سے باہر نکل آیا ہے فکری وسیاسی مضامین کے لئے اس نے

اپنے دروازے وا کر دئے ہیں۔ کردار حسینؑ و اصحاب حسینؑ کی پیروی کی ترغیب دے کر مرثیے نے جوش و ولولہ کی دولت سے ہمیں مالا مال کیا اور اپنا رشتہ پھر عوام سے استوار کیا ہے۔

د۔ ریاستی استحصال بحوالہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی

i۔ قیادت

ریاست کے ارتقاء پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ ادارہ خونی ہے اس کی تشکیل، استحکام اور بقاء میں قتل و غارت گری شامل ہے۔ بادشاہت اور آمریت سے لے کر دور حاضر کی جمہوری ریاستوں کی تہہ میں خون کا دریا بہہ رہا ہے ریاست نے انسانوں پر جتنے مظالم کیے ہیں اتنے شاید افراد اور گرہوں نے نہ کئے ہوں ریاست سے اختلاف بغاوت تصور ہوتا ہے۔ دور حاضر میں اگرچہ ریاست اور حکومت کے فرق کو واضح کیا گیا ہے اور حکومت سے اختلاف کو جمہوری حق قرار دیا گیا ہے لیکن حکومتیں اس اختلاف کو آسانی سے ریاست سے اختلاف کی شکل قرار دیتی ہیں ریاست کے پاس بے پناہ وسائل ہوتے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ جارحانہ اور متشدادانہ عزائم رکھتی ہیں اس لئے بعض گروہ جب پر امن ذرائع سے ریاست کو قائل نہیں کر سکتے تو پھر مسلح جدوجہد شروع کرتے ہیں جو ریاستی استحصال کے خلاف ایک رد عمل ہوتا ہے دنیا میں مختلف خطوں میں ریاستی استحصال کے خلاف مسلح تحریکیں چل رہی ہیں ان میں نمایاں امریکہ، روس، ہندوستان اور اسرائیل کی ریاستیں مجرم ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کم طویل مگر مزاحمتی اسلوب وضع کرتے نظر آتے ہیں ان کے مرثیوں کی فضا بندی مزاحمتی انداز میں منظر کو پیش کرتی ہے وحید الحسن ہاشمی نے مرثیہ ''قیادت'' میں ایسے عصری واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور ریاستی استحصال کرنے والوں پر شدید تنقید کی ہے وحید الحسن ہاشمی کے مرثیہ ''قیادت'' کو عصر جدید کے معاشرے میں دیکھا جائے تو ہمیں ہر انسان پریشانیوں اور مشکلات میں گھرا ہوا نظر آتا ہے ان میں کثیر تعداد ریاستی جبر کی قیدی نظر آتی ہے۔ مرثیہ نگار کے ارد گرد کے حالات بھی حساس نوعیت کے ہیں جن کو جھیلنا ان کے لیے مشکل ہو چکا جس کی وجہ سے منتخب مرثیہ نگار کا قلم کچھ یوں اپنا درد بیان کرتا ہے:

جس طرف دیکھئے دنیا میں عجیب ہلچل ہے　　دور خوش رنگ میں انساں ہے مگر بیکل ہے
آنکھ اٹھاتا ہے جدھر منظر صد مقتل ہے　　کشتی دل نہیں بڑھتی کہ ہوا پاگل ہے

گردش وقت کا ذہنوں پہ اثر کچھ بھی نہیں
سر پہ طوفاں ہے مسافر کو خبر کچھ بھی نہیں (۱۴۸)

اس بند میں وقت کے فتنوں کا ذکر کیا گیا ہے طاقت ور ریاستوں نے اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیے پس ماندہ ملکوں میں ظلم و جبر کے جال بچھائے ہوئے ہیں جن سے ہر آدمی متاثر ہو رہا ہے اپنے وطن کے حاکم ہی کو دیکھئے جس کے حکم کی بجا آوری کے لیے جبراً لبیک کروایا جاتا ملاحظہ کیجئے:

ظلمت شب نے بچھا رکھے ہیں تزویر کے جال   صبح امید کا اب اس سے نکلنا ہے محال
وہ تکدّر ہے کہ ممکن نہیں پرواز خیال   طائر فکر ہے آزاد مگر بے پر و بال
بستر خار دل افگار کو مسکن سمجھو
حکم حاکم ہے قفس ہی کو نشیمن سمجھو(۱۴۹)

درج ذیل اشعار میں دو طبقوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں ایک طبقہ ظالم جبکہ دوسرا طبقہ مظلوم افراد کا ہے معاشرے میں چاروں طرف نافذ ظلم کا نظام دیکھ کر منتخب مرثیہ نگار جب عادلانہ معیارات کو دیکھتا ہے تو صورت حال مایوس کن نظر آتی ہے جہاں انصاف دینے کی بجائے ظالم کی بالا دستی کی جاتی ہے۔ باضمیر مرثیہ نگار نے عالمی ریاستوں کے عدالتی نظام کی مزاحمت اس انداز میں کی ہے:

شمع ادراک کو گھیرے ہے اندھیروں کا ہجوم   ہے خرد سوز جہالت کی ہوائے مسموم
دہر میں چار طرف جشن شقاوت کی ہے دھوم   زیب تن کر لیا ظالم نے لباس مظلوم
ایسے رجحان کو کیا سادگی دل سمجھے
جب عدالت کسی مقتول کو قاتل سمجھے (۱۵۰)

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ معاشرہ افراد سے تخلیق پاتا ہے اور انہی افراد کی خوبیاں اور خامیاں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اس بند میں وحید الحسنؔ ہاشمی نے ان افراد کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا اوڑھنا اور بچھونا جھوٹ پر مبنی ہے جھوٹی سیاست کرنے والے معاشرے میں بد امنی اور بے سکونی پھیلاتے ہیں اس بات کا بین ثبوت دور حاضر کی صورت حال ہے جہاں ریاستوں کے ملاعین کی غلیظ سیاست کی زد میں ہر خاص و عام آچکا جس پر تبصرہ منتخب مرثیہ نگار نے ان الفاظ میں کیا ہے:

آتش زہر میں غلطاں ہے سیاست کاری گھر کے ہر فرد کو لاحق ہے یہی بیماری
کلمہ کزب زبانی ہے زباں پر جاری قلب ہے معتقد نور عمل ہے ناری
کچھ دنوں کے لئے گھر بار سے غفلت ہی سہی
مشغلہ کوئی نہیں ہے تو سیاست ہی سہی (۱۵۱)

وحید الحسن ہاشمی اس بند کے ذریعے اپنی قوم سے مخاطب ہیں اور آواز بلند کر رہے ہیں کہ دیکھو یہ کیسی فضا پھیل گئی ہے کہ ہر طرف نفسا نفسی پھیلی ہوئی ہے ہر ایک کے لیے اپنے مفادات سب سے زیادہ اہم ہیں اور ان مفادات کو حاصل کرنے کے لیے بھلا کتنا ہی خون بہانا پڑے اس ظلمت کے دور میں سب بغض اور نفرت کے الاؤ میں جل رہے ہیں درج اشعار میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ کہ آج کل کے دور میں احساس کی کتنی کمی ہے اور ظلمت کا کیسا دور ہے کہ ایک ساتھ رہنے والے انسان ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ بھائی ہی بھائی کی لاش پر ہنتا نظر آتا ہے بے حس معاشرے کی اس ضعیف صورت حال کو ملاحظہ کیجیے:

اب نہ احساس دلوں میں ہے نہ ذہنوں میں رچاؤ فرقہ بندی کے سمندر میں ہے اسلام کی ناؤ
خون پینے کی طرف سارے جہاں کا ہے جھکاؤ موت کے کھیل میں شامل ہے تعصب کا الاؤ
محو حیرت ہے بقا اور فنا ہستی ہے
بھائی کی لاش پہ بھائی کی انا ہستی ہے(۱۵۲)

اس مسدس میں مرثیہ نگار ان بھٹکے ہوئے لوگوں کی حالت بیان کرتے ہیں جن کے ہوش وحواس پر پردے پڑ گئے ہیں مغربی ریاستوں نے پس ماندہ مملک میں انسانی حقوق کے نام پر جو تنظیمیں بنائی ہیں پس پردہ ان کا مقصد شر پسند عناصر کو فروغ دینا ہے یوں ہاشمی صاحب استعماریت کے خلاف مزاحمتی انداز میں قارئین کو اس جانب متوجہ کرتے ہیں کہ وہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے مغربی ریاستوں کی چال بازیوں کو سمجھیں جن کی سازشوں کی وجہ سے معاشرہ تنزلی کی طرف جا رہا ہے اور ہم انتشار کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں بقول ہاشمی:

بڑھ گئی اس قدر آزاد خیالی کی روش آتش کفر سے کم ہو گئی ایماں کی تپش
جانب وہم و گماں کھنچنے لگی دل کی کشش جم گئی برف کی مانند ہدایت کی خلش

خوئے تفریق محبت کا شجر کاٹ گئی
اپنی ہی کم نظری تار نظر کاٹ گئی(۱۵۳)

وحیا الحسن ہاشمی نے مرثیہ ''قیادت'' میں ریاستی افکار کو موضوع بناتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جب ممالک میں ریاستی جبر بڑھ جاتا ہے وہاں پر حق وباطل کا جو ٹکراؤ ہوتا ہے اس تناظر میں ہاشمی ان عوامل کی جانب اشارہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے آج لوگوں میں لڑائی اور جھگڑے فروغ پارہے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں سے چمن کو اجاڑنے والوں کی توجہ ان عالمی ریاستوں کے علمبرداروں کی جانب کراتے ہیں جنہوں نے ان کے ہاتھوں میں خنجر تھمایا درج ذیل اشعار میں وحید الحسن ہاشمی ان پوشیدہ منفی کرداروں کو واضح دکھاتے ہیں:

تیزی فکر بشر نے یہ دکھایا ہے کمال اپنے ہی ہاتھ سے خود اپنا چمن ہے پامال
روز غیروں سے تصادم ہے تو اپنوں سے جدال اپنے خنجر کا ہو مقتول تو چہرہ ہے محال
جوش وحشت میں مکافات کی خو بھول گیا
یاد سب ہے کف قاتل کا لہو بھول گیا (۱۵۴)

درج ذیل اشعار میں دکھایا گیا ہے کہ قوم کی مفاد پرستی بڑھ چکی ہے حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ جہاں اپنے مفاد دیکھے وہیں رخ موڑ لیا منتخب مرثیہ نگار نے مفاد پرست عناصر کو اس طرح بے نقاب کیا ہے:

تیز تر ہو گئی اس درجہ مفادات کی جنگ خندہ زن گل کی نزاکت پہ ہے اب سختی سنگ
چھا گیا اصل حقائق پہ قیاسات کا رنگ اپنی تشہیر پہ قرباں ہوئی ملت کی امنگ
جہل کے بل پہ یہ خواہش کہ خرد بڑھ جائے
قد بڑھے یا نہ بڑھے سایہ قد بڑھ جائے(۱۵۵)

''قیادت'' نامی مرثیے میں مرثیہ نگار نے ریاستی حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اس ضمن میں ہاشمی صاحب نے کوشش کی ہے کہ مرثیے میں اس سوچ کو پروان چڑھائیں کہ قوم اس جھوٹی قیادت کے علمبرداروں کی چال بازیوں کو سمجھے دور حاضر میں یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ پاکستان میں بسنے والے افراد کی زندگیوں میں سکون کا خاتمہ ہو رہا ہے اور اس خاتمے کی وجہ ہماری معاشرتی زندگیوں کی موت ہے نصیر عالم زیدی کا کہنا ہے:

''ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں قیادت کا فقدان ہے جو لوگ قائدین کے روپ میں منظر عام پر آتے ہیں یا لائے جاتے ہیں شومئ قسمت سے لوگ انہیں اپنا قائد تسلیم نہیں کرتے اور جو افراد حق شناس عوام کے نزدیک قائدین کہلانے کے اہل ہیں یہ کم فہم معاشرہ انہیں قیادت کے مواقع فراہم نہیں کرتا۔سید وحید الحسن ہاشمی نے ''قیادت'' کے عنوان سے جو مرثیہ تخلیق کیا ہے اس میں یہی پس منظر کار فرما ہے۔ہاشمی صاحب نے متنوع شعری تلازمات،نادر تشبیہات و استعارات اور فکر انگیز تلمیحات کے ذریعہ یہ بات اجاگر کرنے کی سعی بلیغ کی ہے کہ عوام کے رہبر ورہنما کا تاج اسی کو زیب دیتا ہے جو اعلیٰ نسب،دور اندیش اور حق شناس ہو اس صورت حال میں ہاشمی صاحب کے نزدیک دین و دنیا میں محمدؐ وآل محمدؐ سے بہتر قائدین کا میسر ہونا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے''(۱۵۶)

منتخب مرثیہ نگار کی سوچ خیالی نہیں بلکہ حقیقت پر منحصر تھی اب وہ مختلف علائم اور رموز سے اپنی قوم کو سمجھ بوجھ کا درس دے رہے ہیں انہیں احساس تھا کہ بے لاگ قیادت کے بغیر منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا ان کا انداز بہت سنجیدہ ہو گیا جس کا نمونہ مرثیہ ''قیادت'' کا یہ بند ہے اس اعتبار سے ان کی شعلہ بیانی دیکھئے:

نفرتیں آج ہی مٹ جائیں مروت بھی تو ہو　　ایک ہوں سارے مسلماں محبت بھی تو ہو
قدر انساں ہو فزوں قدر شرافت بھی تو ہو　　دن پھریں قوم کے بے لاگ قیادت بھی تو ہو
منتشر قوم سبک وضع ہے وقعت جو نہیں
اسکی قسمت میں قیامت ہے قیادت جو نہیں (۱۵۷)

مزاحمت مرثیہ کا وہ کارگر حربہ ہے جس کے ذریعہ نوع بشریت کو تزکیہ نفس کی منزل سے گزارا جا سکتا ہے وحید الحسنؔ ہاشمی نے اپنے دور کا بخوبی مطالعہ کیا ان کا نظریہ اسلامی تھا وہ چاہتے تھے کہ دنیا میں سب کچھ اسلامی نقطعہ نظر سے ہو انہوں نے مسلمانوں کی بربادی کے اسباب پر غور کیا تو انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ مسلمان بے عملی کا شکار ہیں وہ ایسے موقع پر اشعار کہے بغیر نہیں رہ سکتے جب ہر ایک اپنے مفادات کو عزیز رکھ رہا تھا انہوں نے اپنی سوچ کو اہل وطن کے سامنے یوں رکھا اس اعتبار سے یہاں چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

جب کسی قوم کا ہو جائے پراگندہ ضمیر　　لوگ اپنے ہی مفادات کے ہو جائیں اسیر
کوششوں سے نہ ملے خواب گراں کی تعبیر　　لوگ کہنے لگیں ملّت کا بنے کوئی امیر

جو زمانے میں نئی شان ہو یدا کر دے
سارے بکھرے ہوئے افراد کو یکجا کر دے (۱۵۸)

درج ذیل اشعار میں ملک کی خود غرض قیادت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے منتخب مرثیہ نگار کے کلام میں ہمیں ان کی فکر کا تسلسل نظر آتا ہے ان کا یہ انداز قارئین کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ بحیثیت مسلمان وہ اس جھوٹی قیادت کے خلاف استغاثہ حق کو بلند کریں اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس قیادت کے جھوٹے پلندوں کو بے نقاب کریں:

کیا تماشا ہے کہ قائد وہی بن جائے بشر   مدتوں جس نے جھکایا ہو در کفر پہ سر
پیش یاران کہن اٹھ نہ سکے جس کی نظر   جس کے آنگن میں نہیں کوئی فضیلت کا شجر
وہ بڑا کب ہے جسے کوئی بڑا کہتا ہے
دیکھنا یہ ہے کہ قرآں اسے کیا کہتا ہے (۱۵۹)

مرثیہ قیادت مکمل مزاحمتی مرثیہ ہے ہاشمی نے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے 'قیادت' لفظ کا انتخاب کیا ہے ان کا خیال ہے کہ حق مانگنے سے نہیں ملتا بلکہ اس کے لیے قربانیاں دینا پڑتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام دنیا و آخرت میں کامیابی کا وسیلہ ہیں لہذا لوگوں کو اپنی منازل کا احیاء اور اقدار کا حصول کربلا کے افکار کے تناظر میں کرنا چاہیے۔ مرثیہ نگار نے مرثیے کے ہر شعر میں مزاحمتی لحن اختیار کرتے ہوئے اپنی قوم کو یہ ترغیب دلائی کہ نام نہاد ریاستیں جس طرح ان کے ممالک میں گھناؤنی سازشیں کرانے میں ملوث نظر آتی ہیں ان کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک باضمیر قائد کا ہونا ضروری ہے جس کی بے لوث قیادت میں حق کی فتح کا اعلان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید تنویر بخاری، ڈاکٹر، اسلام اور جدید افکار، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور، ص ۵۱۱

۲۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر، اذان مقتل، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸۸

۳۔ محولہ بالا، ص ۱۹۰

۴۔ محولہ بالا، ص ۱۹۲

۵۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر، اذان مقتل، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء، ص فلیپ

۶۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۱۹۲

۷۔ محولہ بالا، ص ۱۹۲

۸۔ محولہ بالہ، ص ۱۹۲

۹۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر، اذان مقتل، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء ص فلیپ

۱۰۔ ہلال نقوی، مرثیہ، طاقت، ص ۱۹۴

۱۱۔ محولہ بالا، ص ۱۹۴

۱۲۔ سحر انصاری، پروفیسر، افق مرثیہ اور طلوع ہلال، محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۹

۱۳۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۱۸۸

۱۴۔ محولہ بالا، ص ۱۸۹

۱۵۔ محولہ بالا، ص ۱۸۹

۱۶۔ محولہ بالا، ص ۱۹۰

۱۷۔ محولہ بالا، ص ۱۹۳

۱۸۔ محولہ بالا، ص ۱۹۱

۱۹۔ محولہ بالا، ص ۱۹۴

۲۰۔ محولہ بالا، ص ۱۹۵

۲۱۔ محولہ بالا، ص ۱۹۵

۲۲۔ محولہ بالا ص ۱۹۵

۲۳۔ سحر انصاری، پروفیسر، افق مرثیہ اور طلوع ہلال، محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۴

۲۴۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۱۹۶

۲۵۔ نصیر المہدی، حسینؑ فرزند مصطفیٰ، ایم ایس پرنٹرز، ۲۰۰۲ء، ص ۶

۲۶۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۱۹۶

۲۷۔ علی ارشاد نجفی، اہلبیت اطہار کی مختصر سوانح حیات، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۵ھ، ص ۴۷

۲۸۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۲۰۶

۲۹۔ محولہ بالا، ص ۲۰۶

۳۰۔ محولہ بالا، ص ۲۰۶

۳۱ محولہ بالا، ص ۲۰۷

۳۲ محولہ بالا، ص ۲۰۸۔۲۰۹۔۲۱۰

۳۳۔ حسن عابدی، پاکستانی ادب ۱۹۹۱ء، حصہ نثر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۲۲۹۔۲۳۰

۳۴۔ ہلال نقوی، مرثیہ طاقت، ص ۲۱۰

۳۵۔ محولہ بالا، ص ۲۰۸

۳۶۔ محولہ بالا، ص ۲۱۰۔۲۱۱

۳۷۔ خلیل الرحمٰن چشتی، قیادت اور ہلاکت اقوام، الفوز اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۱۸۲۔۱۸۴

۳۸۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، وحدت مذہب، ص ۹۰۱

۳۹۔ محولہ بالا، ص ۹۰۱

۴۰۔ محولہ بالا، ص ۹۰۵

۴۱۔ محولہ بالا، ص ۹۰۶

۴۲۔ محولہ بالا، ص ۹۱۱

۴۳۔ محولہ بال، ص ۹۱۵

۴۴۔ شمیم انوار الحق، پروفیسر، معراج بشر ایک ساتھ، ماہنامہ شام و سحر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۹۵

۴۵۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، وحدت انسانی، ص ۹۱۰

۴۶۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، سیّد مسموم، ص ۲۲۸

۴۷۔ ہلال نقوی،ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، محمدی ٹرسٹ، کراچی،۱۹۹۸ء، ص فلیپ

۴۸۔ قیصر بارہوی کے مرثیے، سیّد مسموم، ص۶۲۸

۴۹۔ محولہ بالا، ص۶۴۸

۵۰۔ مرزاامیر علی جونپوری، تذکرہ مرثیہ نگاران اردو(جلد اول)، دانش محل، لکھنؤ،۱۹۸۵، ص۴۰۳

۵۱۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، سیّد مسموم، ص۶۲۷

۵۲۔ محولہ بالا، ص۶۲۷

۵۳۔ محولہ بالا، ص۶۲۶

۵۴۔ محولہ بالا، ص۶۲۶

۵۵۔ مظفر عباس،ڈاکٹر، معتبر مرثیے، قیصر بارہوی پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۸ء، ص فلیپ

۵۶۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، سیّد مسموم، ص۶۲۵

۵۷۔ محولہ بالا، ص۶۲۹

۵۸۔ محولہ بالا، ص۶۲۹

۵۹۔ محولہ بالا، ص۶۲۹

۶۰۔ ہارون قادر،ڈاکٹر، قیصرؔ بارہوی کی مرثیہ نگاری، الحبیب پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۸ء، ص۱۰۴

۶۱ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، سّید مسموم، ص۶۲۹

۶۲ محولہ بالا، ص۶۳۰

۶۳۔ محولہ بالا، ص۶۳۰

۶۴۔ محولہ بالا، ص۶۳۰

۶۵۔ محولہ بالا، ص۶۳۱

۶۶۔ محولہ بالا، ص۶۳۱

۶۷۔ محولہ بالا، ص۶۳۳

۶۸۔ محولہ بالا، ص۶۳۵

۶۹۔ محولہ بالا، ص۶۳۷

۷۰۔ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے، اُجالوں کا سفر، ص۴۰۷

۷۱۔ محولہ بالا،ص۴۰۷

۷۲۔ طاہر حسین کاظمی،ڈاکٹر،اردو مرثیہ میر انیس کے بعد،ایرانین آرٹ پرنٹرز، دہلی،۱۹۹۷ء، ص۳۷۸

۷۳۔ قیصر بارہوی کے مرثیے،اُجالوں کا سفر،ص۴۰۹

۷۴۔ محولہ بالا،ص۴۰۹

۷۵۔ محولہ بالا،ص۴۱۰

۷۶۔ قیصر بارہوی کے مرثیے،اُجالوں کا سفر،ص۴۱۰

۷۷۔ محولہ بالا،ص۴۱۰

۷۸۔ محولہ بالا،ص۴۱۰

۷۹۔ شبیہ الحسن،ڈاکٹر،قیصر اقلیم مرثیہ،الحسن پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۶ء،ص۱۲

۸۰۔ قیصر بارہوی کے مرثیے،اجالوں کا سفر،ص۴۱۹،۴۱۱

۸۱۔ محولہ بالا،ص۴۱۳

۸۲۔ محولہ بالا،ص۴۱۳

۸۳۔ محولہ بالا،ص۴۱۶۔

۸۴۔ محولہ بالا،ص۴۱۹

۸۵۔ محولہ بالا،ص۴۲۰

۸۶۔ محولہ بالا،ص۴۲۱

۸۷۔ محولہ بالا،ص۴۲۱

۸۸۔ عصمت ملیح آبادی،ڈاکٹر،کلیات مراثی جوش ملیح آبادی،فرید بکڈپو،۲۰۰۷ء،دہلی،ص۱۶۳

۸۹۔ محولہ بالا،ص۱۶۳

۹۰۔ محولہ بالا،ص۱۶۳

۹۱۔ محولہ بالا،ص۱۵۰

۹۲۔ محولہ بالا،ص۱۴۸

۹۳۔ محولہ بالا،ص۱۴۷،۱۴۸

۹۴۔ محولہ بالا، ص۱۵۳

۹۵۔ محولہ بالا، ص۱۵۳

۹۶۔ محولہ بالا، ص۱۵۰

۹۷۔ محولہ بالا، ص۱۴۹

۹۸۔ محولہ بالا، ص۱۴۶

۹۹۔ محولہ بالا، ص۱۴۶

۱۰۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جوش کی شاعری، مشمولہ "باغیانہ اور منظریہ حیات"، ادبیات جوش نمبر، شمارہ ۸۷، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص۲۲

۱۰۱۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ آوازہ حق، ص۱۴۹

۱۰۲۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، جوش کے شعری اسلوب کا پس منظر، مشمولہ، "ادبیات"، اسلام آباد، جوش نمبر شمارہ، ۸۷، ص۱۶۸

۱۰۳۔ فضل امام، ڈاکٹر، ص۱۲۴

۱۰۴۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ آوازہ حق، ص۱۴۳

۱۰۵۔ یحییٰ احمد، جوش کا لسانی مطالعہ، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، پشاور یونیورسٹی، پشاور، ۲۰۰۱ء، ص۲۲۴

۱۰۶۔ عصمت ملیح آبادی، ڈاکٹر، کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، فرید بکڈپو، ۲۰۰۷ء، دہلی، ص۱۲۹

۱۰۷۔ محولہ بالا، ص۱۳۰

۱۰۸۔ یحییٰ احمد، ڈاکٹر، "جوش کی حریت فکر کے خدوخال" مشمولہ ادبیات، جوش نمبر شمارہ ۸۷، سالانہ اکادمی ادبیات، پاکستان اسلام آباد، ص۲۰۶

۱۰۹۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ اے حسینؑ، ص۱۳۱

۱۱۰۔ محولہ بالا، ص۱۲۸

۱۱۱۔ اقبال حیدر، جوش ایک مفکر شاعر، مشمولہ "جوش ملیح آبادی فکر و فن" مرتبہ، شاہد ماہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص۶۷

۱۱۲۔ مرثیہ اے حسینؑ، ۱۲۸

۱۱۳۔ محولہ بالا، ص۱۲۴

۱۱۴۔ محولہ بالا، ص۱۱۹۔۱۲۹

۱۱۵۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ منافقین اسلام، ص۱۱۴

۱۱۶۔ فضل امام، ڈاکٹر، شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص۱۵۰

۱۱۷۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ منافقین اسلام، ص۱۱۴

۱۱۸۔ کاظم علی خاں، مرتبہ، جوش شناسی، مشمولہ، "جدید اردو مرثیے کے خدوخال مراثی جوش کے آئینے میں"، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۶، ص۲۰۴

۱۱۹۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ منافقین اسلام، ص۱۱۵

۱۲۰۔ فضل امام، ڈاکٹر، شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص۱۴۳

۱۲۱۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ منافقین اسلام، ص۱۱۵

۱۲۲۔ کرشن چندر، پیغامات و تاثرات، افکار جوش نمبر، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۶۳۵

۱۲۳۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ حسین اور انقلاب، ص۴۹۔۵۱

۱۲۴۔ محولہ بالا، ص۵۱۔۵۲

۱۲۵۔ محولہ بالا، ص۵۳

۱۲۶۔ محولہ بالا، ص۵۳

۱۲۷۔ محولہ بالا، ص۵۴

۱۲۸۔ محولہ بالا، ص۵۴

۱۲۹ محولہ بالا، ص۵۴

۱۳۰ محولہ بالا، ص۵۴

۱۳۱۔ فیض احمد فیض، مضمون، جوش شاعر انقلاب کی حیثیت سے، مشمولہ، ماہنامہ آجکل، دہلی، شمارہ جون ۱۹۴۶ء، ص۹

۱۳۲ محولہ بالا، ص۵۵

۱۳۳ محولہ بالا، ص۵۵

۱۳۴ محولہ بالا، ص۵۶

۱۳۵ محولہ بالا، ص۵۶

۱۳۶۔ مصطفیٰ زیدی، خطبہ صدارت بہ عنوان جوش اور ان کا فن، بہ موقع جشن جوش گرنمنٹ ممتاز کالج، خیر پور میر تھ سندھ، مشمولہ ماہنامہ نئی قدریں، حیدرآباد، ریڈرس گلڈ، کراچی، مطبوعہ، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص۳۸

۱۳۷۔ محولہ بالا، ص۵۶

۱۳۸۔ محولہ بالا، ص۶۳

۱۳۹ محولہ بالا، ص۶۳

۱۴۰۔ محولہ بالا، ص۶۳

۱۴۱۔ محولہ بالا، ص۶۸

۱۴۲۔ محولہ بالا، ص۶۸

۱۴۳۔ محولہ بالا، ص۶۹

۱۴۴۔ محولہ بالا، ص۶۹

۱۴۵۔ محولہ بالا، ص۶۹

۱۴۶۔ محولہ بالا، ص۷۰

۱۴۷۔ محولہ بالا، ص۷۰

۱۴۸۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، اظہار سنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۵۶۱

۱۴۹۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ قیادت، ص۵۶۱

۱۵۰۔ محولہ بالا، ص۵۶۱

۱۵۱۔ محولہ بالا، ص۵۶۲

۱۵۲۔ محولہ بالا، ص۵۶۲

۱۵۳۔ محولہ بالا، ص۵۶۲

۱۵۴۔ محولہ بالا، ص۵۶۲

۱۵۵۔ محولہ بالا، ص۵۶۷

۱۵۶۔ نصیر عالم زیدی، ڈاکٹر، مرثیہ "قیادت" العطش (کلیات) سید وحید الحسن ہاشمی، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص۴۹۰

۱۵۷۔ وحید الحسن ہاشمی، مرثیہ قیادت، ص ۵۶۳

۱۵۸۔ محولہ بالا، ص ۵۶۳

۱۵۹۔ محولہ بالا، ص ۵۶۷

باب چہارم:

پاکستانی اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمتی عناصر: فکری جہات تجزیاتی مطالعہ

عالمی ادب عالیہ کی طرح اردو مرثیہ کی ابتدا سے اب تک مزاحمت کئی صورتوں میں اپنے وجود کا احساس دلاتی رہی ہے یعنی ہر دور کے مرثیہ نگار نے اپنے عہد اپنی ذات اور سماج کے تقاضوں کے عین مطابق مزاحمتی رویہ اپنائے رکھا ہے کہیں میرؔ انیس اور دبیؔر نے معرکہ کرب و بلا میں ہونے والے ظلم کے خلاف مرثیے کہے تو کہیں جوؔش ملیح آبادی جیسے مرثیہ گو نے اپنے زمانے کے حالات کو قدرے واضح مزاحمتی انداز میں پیش کیا ہے مرثیوں میں منتخب مرثیہ نگاروں نے مزاحمتی لب و لہجہ کے ساتھ رثائی ادب اہل اردو کے حوالے کیے ہیں ان کے رثائی کلام کے مطالعے سے نہ صرف اس زمانے کے حالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں گراوٹ کا ذکر، بدانتظامی، اقدار کا خاتمہ، حقیقی آئینی نظام کی بے حرمتی کی مزاحمت کو اس انداز میں سمویا کہ جس سے مرثیہ کو عالمی سطح پر شہ ملی۔ پاکستان میں مزاحمت ایک رجحان کی صورت میں ابھری جس کا سہرا جوؔش ملیح آبادی کے سر جاتا ہے ان کی راہ پر چلتے ہوئے نسیؔم امروہی، قیصؔر بارہوی، وحیدؔ الحسن ہاشمی اور ہلال نقوی نے اپنے عہد کو سمجھتے ہوئے ایسے مزاحمتی مرثیے کہے جن کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی یوں وہ کشادہ فکری مزاحمت کے ساتھ ساتھ اہل ظلم و جور کے خلاف مزاحمت کرتے رہے تب ہی ان کے مرثیوں میں عوام کے لیے درد اور تڑپ دیدنی ہے۔

الف۔ عوامی انتشار بحوالہ مرثیہ جوؔش ملیح آبادی:

i۔ زندگی و موت

زوال پزیر ممالک میں زندگی کے ہر شعبے میں زیادہ تر منفی رجحانات فروغ پاتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ جن ممالک میں ظلم بڑھ جاتا ہے وہاں پر اخلاقی اقدار بھی موت کا شکار ہو جاتی ہیں ایسی صورت حال وہاں کے بسنے والوں کی پستی کی جانب اشارہ کرتی ہے انسانی اقدار کی شکست نے انسان کے اندر بے چینی اور اضمحلال پیدا کیا جس سے قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر، شہر شہر اور ملک ملک میں عوامی انتشار بڑھتا گیا اس انتشار کا سامنا شاعر کائنات جوؔش ملیح آبادی نے بھی کیا ہے مرثیہ ''زندگی و موت'' میں جوؔش نے اپنے اندرون کی کشمکش اور بیرون کی آویزش کو اپنے فکری احساس کی آمیزش سے ظاہر کیا ہے ان کے مزاحمتی مرثیے کی بات ہو رہی ہے

تو منتخب مرثیہ نگار کا دور دور ابتلا سے کم نہ تھا کہ ہر آن بنی نوع انسان انتشار کے گھیراؤ میں تھا اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جوش کا مرثیہ "زندگی و موت" میں اپنے ارد گرد کے عوامی انتشار کی عکاسی کی گئی ہے عوام اور عوامی زندگی کی پریشانیوں اور الجھنوں کا غم جوش کا ایک اہم موضوع ہے ان کے دل میں مظلوم عوام کے لیے جو ہمدردیاں ان کی فلاح کے لیے ہیں اور انصاف کا جو جذبہ موجود ہے اس نے غم کی صورت اختیار کی ہے ان کا یہ غم انسانی زندگی کے ایسے عرفان کا پتہ دیتا ہے جو زندگی کی اصلیت کو بے نقاب کرتا ہے جب ہم حقیقت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو ان کا کرب زمانے کی تلخیوں کا پیدا کردہ ہے جو کہ ان کی فکری بصیرت کے لئے نت نئے دریچے وا کرتا ہے جوش نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے مرثیہ کو اپنے دور میں سب سے زیادہ متاثر کیا ہے ان کے رثائی کلام میں مزاحمتی عناصر کی کار فرمائی کی گنجائش بھی اوروں کی نسبت زیادہ نظر آتی ہے گویا ان کے مرثیے ایک خاص طرز کا نصب العین رکھتے ہیں مذکورہ بالا اشعار میں براہ راست اسلوب اور وضاحتی پیرایہ کے ساتھ ساتھ مزاحمت بھی موجود ہے ان اشعار میں مرثیہ نگار کی انسانی خود غرضی کے حوالے سے خیالات ملاحظہ کیجئے:

یہ عجب دھن ہے کہ ہر فرد بشر کے روبرو
صرف اپنا مدعا ہے صرف اپنی آرزو
صرف اپنا کروفر ہے صرف اپنی آبرو
صرف اپنا ذکر اپنی فکر اپنی گفتگو
کان دھرتا ہی نہیں کوئی کسی کی بات پر
کس قدر لہلوٹ ہے انسان اپنی ذات پر
شادماں ہوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
نقد جاں کھوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
کانٹا بوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
جاگتا سوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
کام رکھتا ہے فقط اپنے ہی مرغوبات سے
کس قدر انسان کو ہے عشق اپنی ذات سے (۱)

مرثیہ نگار کا کہنا ہے کہ مومن کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے جو حیات و موت کا مختار کل ہے جوش نے واشگاف الفاظ میں اپنے فکری جذبے کو کچھ اس طرح واضح کیا ہے جوش نے مرثیوں میں اپنے فکری پیغام کو بطریق احسن الفاظ کی عمدہ ترتیب اور مناسبت کے ساتھ پیش کیا ہے الفاظ کے استعمال میں عمدگی جہاں پر مرثیے میں کربلائی سوچ کا پیغام ہے وہاں پر ان کا پیش کردہ ہر مصرعہ ان کی آزادانہ رائے کی ترجمانی کے جذبے کو واضح کرتا ہے بقول محمد رضا کاظمی ''جوش نے اپنے سرمایہ شعری کے مجموعی وقار کو بلند کیا ہے اور ان کا یہ سرمایہ خود ان کے لیے اور ہمارے ہنگامہ آفریں عہد کے لیے سرمایہ نجات ہے''(۲)جوش نے نہ صرف اردو میں جدید مرثیے کی بنیاد ڈالی بلکہ اس کو ایک نئی مزاحمتی راہ پر بھی ڈال دیا ان کے پیش نظر نوع بشر کے لیے ایک خاص فکر تھی وہ مرثیے کے فن کو محض تفنن طبع کی خاطر استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مرثیے کو اپنی فکر کے پیچھے لگا دیا اور اس کے لیے نئی راہیں متعین کیں اور نئے حدود قائم کیے اس لحاظ سے ان اشعار میں ان کا فکری و مزاحمتی عنصر کچھ یوں نظر آتا ہے:

سانس لینے کو نہیں کہتے دانا زندگی
ہر نفس اک طرح نو کی ہے تمنا زندگی
ہر قدم تسخیر قدرت کا ہے سودا زندگی
خون میں ہے ارتقا کا شور و غوغا زندگی
سرد ہے جس کا لہو وہ آدمی بے جان ہے
بے دلوں پر زندگی دراصل اک بہتان ہے (۳)

منتخب مرثیہ نگار نے براہ راست طریقہ پر عوام کو حق کی راہ پر رہنے کی تلقین کرنے کے لیے مزاحمت کا سہارہ لیا ہے یہی وجہ ہے کہ مرثیہ ''زندگی و موت'' کے بیشتر اشعار میں مزاحمتی عناصر موجود ہیں اور ان کا لہجہ حد سے زیادہ وضاحتی اور کاٹ دار ہو جاتا ہے درج ذیل اشعار جوش کے فکری پہلو کا ایک عمدہ اور کامیاب نمونہ ہیں:

اہل نخوت ہیں سوار ابلق لیل و نہار
اور تو فقدان جرأت سے مجسم انکسار
تیری آنکھوں میں نہیں رقصاں بغاوت کے شرار
سر ہے تیرا اور پائے صاحبان اقتدار

قوت باطل پہ جو انسان چھا سکتا نہیں
حشر میں وہ مصطفٰے کو منہ دکھا سکتا نہیں (۴)

جہاں مرثیہ ''زندگی و موت''، جوش کی فکری باز گشت سنائی دیتی ہے وہیں اشعار میں مزاحمتی انداز میں کمال عصبیت کا ثبوت ملتا ہے درج ذیل بند میں جہاں ایک طرف منتخب مرثیہ نگار کا فکری احساس جھلکتا ہے وہیں مزاحمت کا عمل دخل بھی موجود ہوتا ہے اس ضمن میں ان کی کیفیت کو درج ذیل بند میں محسوس کیا جا سکتا ہے:

دل جراحت سے اگر بھاگے تو راحت کفر ہے
غم سے اکتائے طبعیت تو مسرت کفر ہے
تخت پر قابض ہو جابر تو اطاعت کفر ہے
جو شہادت سے ڈرے اس کی عبادت کفر ہے
دامن صد پارہ غیرت کو سی سکتا نہیں
موت سے جو منہ چھپاتا ہے وہ جی سکتا نہیں (۵)

خیالات کی ترتیب ہی حالات کا تعین اور تفہیم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اس حوالے سے جوش کے خیالات ان کے دور کے حالات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں انہوں نے مرثیہ ''زندگی و موت'' میں مسلم امہ کے پوشیدہ حالات کا مداوا کرنے کی کارآمد کوشش کی ہے تاکہ ان کی فکر کا ادراک ممکن ہو سکے۔ محمد رضا کاظمی کا کہنا ہے:''اور جب جوش اپنے مقصد اصلی یعنی قوم کے ہاتھ میں تلوار دینے پر آتے ہیں تو اس مقام پر بھی فلسفہ کا رنگ غالب رہتا ہے اور وہ مرثیہ میں بلند آہنگی، جوش اور ولولہ انگیزی کو معنوی اصطلاحوں میں فروغ دیتے رہے ہیں''(۶) جوش کے یہاں خوش آئند بات یہ ہے کہ جہاں ان کے مرثیے میں مزاحمتی عناصر جا بجا نظر آتے ہیں وہاں مرثیے کے فنی لوازمات کا بھی خاص التزام نظر آتا ہے منفرد علامتوں، استعاروں اور تلمیحات کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار اور فکری تہہ داری کا صحیح استعمال جوش کے مرثیے کو مختلف طرح کے معایب سے دامن گیر نہیں ہونے دیتا۔ جوش نے مرثیہ ''زندگی و موت'' میں اپنی فکری و مزاحمتی ساخت کو استعمال میں لاتے ہوئے نہایت ہی فن کارانہ ذکاوت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ درج ذیل اشعار میں قوم کو مخصوص فکری انداز میں وعظ و تلقین کچھ اس انداز میں کرتے نظر آتے ہیں:

پھر تمدن کی طرف پھنکار کر جھپٹے ہیں ناگ
جل رہا ہے پھر عروس زندگانی کا سہاگ
کانپتی راتیں صدائیں دے رہی ہیں آگ آگ
جاگ اے ابن علیؑ کے نوحہ خوان خفتہ جاگ
اٹھ بھڑکی آگ کو پانی بنانے کے لیے
کربلا آئی ہے بالیں پر جگانے کے لیے (۷)

یوں تو مرثیہ ایک الگ طرح کا فن ہے اس کا پیرایہ نثر سے الگ ہوتا ہے غرض اردو مرثیہ میں داخلی و خارجی دونوں سطح پر منتخب مرثیہ نگار نے اس کی فکری تعمیر و تشکیل میں برابر کا حق ادا کیا ہے ان کے مرثیے میں ایک طرف مزاحمتی عنصر غالب ہے دوسری طرف سماج کی اخلاقی بہتری کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ محسن احسان نے کہا''جوش عدل وانصاف، اخوت و ہمدردی عالمگیر انسانی اقدار کے جویا ہیں انہیں انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر جبر ااستبداد سے نفرت ہے آزادی کے بعد میرے خیال میں انہوں نے ٹیگور اور گاندھی سے اثر لیا نہرو سے دور رہے، لالچ مفاد اور سرمایہ داری کے مخالف رہے۔ سرمایہ داری نظام سے متعلق ان کا کہنا ہے ''یقین مانیے جب تک آدمی ہلاکو، چنگیز، نادر، ابن زیاد اور یزیدیت کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر لیتا سرمایہ دار، صنعت کار نہیں بن سکتا''(۸) جوش نے مرثیے کے ذریعے اپنا فکری پیغام قارئین اور سامعین تک واضح، آسان اور سہل طریقے سے پہنچایا چناچہ اسی کوشش میں ان کے یہاں کہیں شعوری تو کہیں غیر شعوری طور پر مرثیہ ''زندگی و موت میں مزاحمتی بیان غالب نظر آتا ہے مرثیے کے درج ذیل اشعار دراصل جوش کے وقت کے ظلم کا المیہ ہیں۔ عوامی افراتفری، بے چینی، گھبراہٹ اور انسانی کرب کی گھمبیر صورت حال کو دیکھتے ہوئے جوش کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے آخر کار وہ المیاتی صورت اختیار کرتے ہوئے انسان کے ستم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

آج پھر دنیا میں ہے انسان کی مٹی پلید
ڈاکوؤں کی جیب میں ہے عصر حاضر کی کلید
ہاں بہ جذبات جہاں سوز بہ ضربات شدید
آج پھر بیعت طلب ہیں عصر حاضر کے یزید

فوج باطل شاد ہے سیر اب ہے خورسند
ہاں پھر اہل حق پہ سنتے ہیں کہ پانی بند ہے(۹)

درج ذیل بند میں جوش قوم کے بے عمل افراد کو نصیحت کرتے ہوئے ایک علامتی کربلائی کردار حضرت عباسؑ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ظلم کے وجود کے تحفظ کو ناکام بنانے کے لیے میدان کربلا میں نہر فرات کے کنارے اپنے شانے کٹوائے جوش ہمیں اسی جذبے کو پروان چڑھانے کا سبق دیتا ہے مرثیہ نگار کے نزدیک حق بات کو برملا کہنا چاہیے کہ اعلا کلمتہ الحق افضل جہاد ہے۔ مصباح رضوی کا کہنا ہے: ”ہمارہ معاشرہ ظالم کو ظالم کہنے سے کتراتا ہے اور اس اکتاہٹ کا نتیجہ افراد نہیں بلکہ قومیں برداشت کرتی ہیں“(۱۰) ان اشعار میں مرثیہ گو نے اپنے مرثیہ کے موضوع کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے چھپے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی فکر کو پیش کیا ہے تاکہ آنے والے وقت میں افراد حق اور باطل میں تمیز کرتے ہوئے ایک متعین راہ پر چل سکیں بقول جوش:

وقت ہے عباسؑ کی مانند پھر دریا پہ جا
ہاتھ کٹ جائیں اگر تو مشک دانتوں میں دبا
اشقیا چیں بر جبیں ہیں آستینوں کو چڑھا
اپنی شمعوں کی لوؤں پر آندھیوں کو تو نچا
دہر کی ٹھنڈی رگوں کو خون سوز و ساز دے
مرد اگر ہے تو مری آواز پر آواز دے(۱۱)

جوش ملیح آبادی مرثیوں میں ان موضوعات کا چناؤ کرتے ہیں جن میں ادب اور مرثیے کا وجود ان کی فکری پختگی کی صفات کے ساتھ نظر آئے ان معیارات کو مد نظر رکھیں تو مرثیہ ”زندگی و موت“ اپنے اندر مخصوص پیغام اور مفاہیم کا حامل ہے۔ درج ذیل اشعار میں خیر و شر کا ایک افسانہ مرتب ہوتا ہوا نظر آتا ہے ایسے حالات عوامی انتشار کو فروغ دیتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی اور تذبذب پیدا ہوتا ہے اس تناظر میں مرثیہ نگار ان عوامل کی جانب اشارہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں میں شور برپا ہے اور معاشرے کا امن برباد ہو چکا ہے اس منفی صورت حال کو دیکھ کر جوش بے بسی کی حالت میں اپنے احتجاج کو خداوند متعال کی بارگاہ میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے کرب ملاحظہ کیجیے:

دہر کو گھیرے ہوئے ہے شور طبل و برق وبار
گھر میں برپا ہے تلاطم در پہ ہے ابن زیاد
فوج میری سو رہی ہے اور سر پر ہے جہاد
کس طرف یارب نکل جائے یہ عہد نامراد
الاماں حد نظر تک ہے سیاہی کیا کروں
کوئی سنتا ہی نہیں میری الٰہی کیا کروں (۱۲)

اس بند میں جوش نے ان غداروں کو بے نقاب کیا ہے جو باطل پر ڈٹے ہوئے ہیں جن کے ظاہری رویوں کے پیچھے صرف اور صرف اپنی مادی خواہشات نظر آتی ہیں ان عوامل کا اثر ہمیں سازشوں کی صورت میں ہمارے ماحول پر مرتب ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور یہ عناصر ایک دن میں اپنے اثرات واضح نہیں کرتے بلکہ اس کے پیچھے کثیر تعداد میں سرمایہ کاری اور کثرت افراد کی شرکت پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کے اثرات سالوں بعد ظاہر ہوتے ہیں اور صدیوں تک محسوس کیے جاتے ہیں انہیں محبان حسین سے گلہ ہے کہ وہ امام عالی مقام کے افکار کی ترجمانی کرنے سے گھبراتے ہوئے نظر آتے ہیں ان اشعار میں منتخب مرثیہ نگار کی فکر کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام حسینؑ کی معیت خوش نصیبی اور سعادت ہے جبکہ ان کا ساتھ چھوڑنا شقاوت اور بدبختی ہے لہذا ہمیں اپنے آپ کو امام کی معیت میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ حق کی واضح پہچان امام ہیں لیکن جوش نے محبان امام کے ایمان کا پردہ ان الفاظ میں چاک کیا ہے:

داورا ہلچل ہے پھر برپا میان مشرقین
ہر نظر ہے ایک ماتم ہر نفس ہے ایک بین
تخت پر سرمایہ داری ہے بصد اجلال و زین
اور ٹس سے مس نہیں ہوتے محبان حسین
ہے یہی ایمان تو ایمان کو میرا سلام
اک فقط ایمان کیا قرآن کو میرا سلام (۱۳)

منتخب مرثیہ نگار نے مرثیے میں ایسے الفاظ ترتیب دیتے ہیں جن سے جذبات کی ترجمانی دکھ اور تکلیف کے احساسات کے ساتھ ہو سکے اور خاص کر مرثیہ نگاری میں جدت وقت کو فروغ دیا ہے تاکہ دیگر اہل سخن اس ادبی صنف کی جانب متوجہ ہوں اس اعتبار سے محمد رضا کاظمی کا کہنا ہے: ”جوش نے اپنے انقلابی دور مرثیہ

نگاری میں مرثیہ کو جدید نہج پر اس لئے ڈالا تھا کہ اس میں فکری شاعری کی گنجائش وسیع ہو سکے اس مقصد میں وہ کامیاب رہے"(۱۴)

ii۔ ذاکر سے خطاب

مرثیہ نگار معاشرے میں سب سے زیادہ حساس طینت ہوتے ہیں جوؔش بھی اپنے دور کے عوامی انتشار سے متاثر ہوئے تو جابجا اپنے تخلیق کردہ رثائی کلام میں عوومی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مزاحمتی تبصرے کیے۔ مرثیہ "ذاکر سے خطاب" میں مرثیہ نگار نے اپنی تخلیقی فکر کے بل بوتے پر ان تلخ حقائق کو بے نقاب کیا ہے جو اخلاقی اقدار کو پاش پاش کر دیتے ہیں انہوں نے مرثیے میں اپنی فکری بصیرت اور تجربے کی تجسیم کاری کے ساتھ اپنے گرد و نواح میں ہونے والے واقعات کو موضوع بحث بنایا بنابریں جوش نے اپنے معاشرے میں پنپنے والی ان تمام برائیوں کی مخالفت کر کے ان کا قبلہ درست کرنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ عوامی افراتفری، استحصال، بیرونی سازشوں کا قلع قمع ہو سکے جو دراصل اس دور کے عوامی انتشار و شکست کا نوحہ بھی ہے انہوں نے مرثیے میں مزاحمت کے تیروں سے ان عوامل کو آڑے ہاتھوں لیا جن کی وجہ سے معاشرے میں مذہبی تنگ نظری، ظواہر پسندی اور کٹر پسندی کو فروغ حاصل ہوا ان تمام عناصر کے خلاف جوؔش اپنی آواز بلند کرتے رہے حالانکہ ان عوامل کی عکاسی دیگر اصناف ادب کے اکابرین اور ناقدین نے بھی کی ہے لیکن جوؔش کی آزاد طرز فکر ان سب سے آگے اور نمایاں رہی کہ انہوں نے عوامی انتشار سے پر ماحول کو اپنی تخلیق کا حصہ بنایا مرثیہ نگار نے مرثیہ "ذاکر سے خطاب کے پہلے بند میں بے باکانہ انداز سے مذہبی ٹھیکیداروں کے کردار کو پیش کیا ہے اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کی وہ اپنے وقار کا لحاظ کرتے ہوئے مذہب اسلام پر براجمان نہ ہوں بلکہ مقصد حسینؑ کو سمجھیں جوؔش مرثیہ کے اس بند میں وہ وجہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسی کیا وجہ ہے کہ ہمارے عاشرے میں اصلاح کرنے والے افراد حق و باطل کی تمیز کرنا ہی بھول گئے ہیں ان کے اندر یہ شعور ہی باقی نہیں رہا کہ وہ حق و باطل میں فرق دیکھ سکیں ایسی ضعیف صوتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے ایسے افراد کی اصلاح ان الفاظ میں کی ہے:

ہوشیار اے ذاکر افسردہ فطرت ہوشیار
مرد حق اندیشہ اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

جو حسینؑ ہے کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساونت مر سکتا نہیں (۱۵)

ان اشعار میں جوش ان بزدل بھٹکے ہوئے لوگوں کی حالت بیان کرتے ہیں جن کے ہوش و ہواس پر پردے پڑ گئے ہیں حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ مذہب کو بھی معاف نہیں کیا جارہا اگر یوں کہا جائے تو بے جانہ ہو گا دین کو بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا ہے اس تناظر میں جوش مذہبی سطح پر قارئین کو واضح فکری پیغام دیتا ہے کہ کربلا کا واقعہ صرف مذہبی تناظر نہیں رکھتا بلکہ تمام امور میں اپنی اہمیت اور طاقت رکھتا ہے جس کو محسوس کر کے اپنے امور کو بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے تا کہ لوگ نواسہ رسولؐ کے پیغام کو مان کر انسانیت کے جذبے کو سمجھ سکیں:

تو نہیں روح شہید کربلا سے بہرہ مند
تیرے شانوں پر تو زلف بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ورماتم
پیرو ضیغم کے سینے میں ہو قلب گوسفند
ننگ کا موجب ہے یہ اہل دغا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہید کربلا کے واسطے (۱۶)

جوش کربلا کے واقعے کو اس کے اسباب کے ساتھ سمجھنے کا شعور دیتے ہیں جس سے کربلائیت کا مفہوم واضح ہوتا ہے یوں ہمیں مرثیہ "ذاکر سے خطاب" میں جوش کی فکر میں انقلابی سوچ نمودار ہوتی ہوئی نظر آتی ہے یہ حقیقت ہے کہ یوم عاشورہ خانوادہ رسولؐ پر مظالم ڈھائے گئے لیکن امام عالی مقام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ظلم کے آگے ڈٹے رہے اور صبر کے ساتھ حق کی فتح کے لیے لاکھوں کا مقابلہ کیا نواسہ رسولؐ میدان کربلا کی تپتی ریت پر تین دن کی بھوک و پیاس برداشت کرتے ہوئے نام نہاد مسلمانوں کے درمیان رضائے خداوند سر تسلیم کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرماتے ہیں آپ کی شہادت پر انبیاء نے غرضیکہ کائنات کی ہر شے نے گریہ کیا۔ مرثیہ نگار کا کہنا ہے کہ امام عالی مقام کے نصب العین کو نہیں بھولنا چاہیئے واقعات کربلا کو بیان کرنے کرنے کے ساتھ ساتھ کربلائیت کی فکر کو بھی پروان چڑھانا چاہیے:

مانع شیون نہیں میرا پیام مستقل
گریہ فطری شے ہے دشمن پر بھی آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے مولیٰ پر نہ ہو جو مضمحل
گریہ مومن سے ہے تزئین بزم آب و گل
کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں
پھر بھی شغل گریہ نصب العین بن سکتا نہیں (۱۷)

مرثیہ نگار نے مرثیے کے ذریعے تاریخی غلطی کرنے والوں کی خوب خبر لی ہے اور اپنی فکری چاہت کے مصداق کو حاصل کرنے کے لیے بے باکانہ انداز میں ذاکرین اور ملا کی خوب خوب خبر مزمت کی ہے ایسے افراد اپنے مطالب حاصل کرنے کی لگن میں لگے رہتے ہیں وہ جہاں اپنا کردار مشکوک کرتے ہیں وہاں راہ حق پر رہنے والوں کے لیے بھی مشکلات پیدا کرتے ہیں ''ذاکر سے خطاب'' کے آغاز میں ان کا جو نثری اعتراف ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے معاشرے میں ہو رہیں بے روح مجالس انھیں پسند نہ تھیں اس لیے جوؔش ایک مبلغ کی طور پر ان کا انتساب کرتے دکھائی دیتے ہیں اور مجالس میں بیان پڑھنے والے مرثیہ خوانوں کو غیرت دلانے کی فکر کرتے ہیں اس ضمن میں محمد رضا کاظمی کا کہنا ہے: ''کسی بھی معاشرے میں لوگوں کا رویہ ہی معاشرے کی خرابی کا ذمہ دار ہے جوش کے نزدیک مرثیہ نگاری ہی ایسی صنف ہے جو اپنے فن میں مستحکم ہے لہذا ہمیں اپنی منازل کا احیاء کربلائی فکر کے تناظر میں اپنانا چاہیے تاکہ عوامی انتشار کو کم کیا جا سکے'' (۱۸) درج ذیل اشعار مرثیہ نگار کی فکری مہارت کو ظاہر کرتے ہیں اس طرح وہ حساس موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مذہبی ٹھیکیداروں کی برائیوں کو ہدف مزاحمت بناتے ہیں جوؔش اس بند کے ذریعے ذاکر سے مخاطب ہیں اور اس چیز کی آواز بلند کر رہے ہیں جہاں اپنے مفادات کے لیے خانوادہ رسولؐ کے نام پر تاجری کی جارہی ہے آج کل کے دور میں احساس کی کتنی کمی ہے خون اہل بیت کو بھی بیچا جارہا ہے جوؔش کا کہنا ہے ''ذاکر بد بختا ور غلام ہندوستان کا جو خود اپنی وسعت سے برباد اور اپنے ہی بوجھ کے نیچے کچلا ہوا ہے ایک ایسا سست رگ اور زمہریر فطرت فرد ہے جو واقعات کربلا کو صحت اور عدم صحت سے بے نیاز ہو کر روح شہادت امام سے بیگانہ رہتے ہوئے ماہ محرم کی مجلسوں میں محض اس لیے بیان کرتا ہے کہ سامعین روتے روتے بے ہوش ہو جائیں اس شدت کے ساتھ رلانے کی اچھی طرح مول تول کر کے فیس بھی لیتا ہے فیس کے ساتھ ساتھ انعام و تحائف کے واسطے بھی غیر ملفوظ طور سے مصر رہتا ہے اس ناجائز فیس اور ان ناروا تحائف کو شرمناک جمود اور

عبرت انگیز بے حسی کے ساتھ اپنے ہی نفس کی خاطر دوسرے محرم تک صرف کرتا رہتا ہے۔ ملت کو بیدار کرنے کے عوض تھپکتا اور لوریاں دیتا ہے اور فاتح اور جنگجو بنانے کے بدلے بزدل و مظلوم بنانے کی سعی میں سر گرم رہتا ہے۔ شہید اعظم کی قربانی کے مغز اور روح کو خلقت کی نظروں سے بصد ہزار اہتمام مخفی رکھتا ہے حق کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور باطل سے بے حد ڈرتا ہے اور اپنے ان خدمات کا صلہ پانے کے لئے آستان حکومت پر بھی ناصیہ فرسائی کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے"[۱۹] سوچ اے ذاکر تو اتنا خود غرض ہو چکا ہے کہ ذاتی فائدے کی تکمیل کے لیے شہداء کے خون کو نیلام کرتا ہے جہاں اپنے مفادات دیکھے وہیں منبر پہ نت نئ تحریریں بنالیں تب ہی جوش نے اس انتشار کو روکنے کی ان الفاظ میں مزاحمت کی ہے:

سوچ تو اے ذاکر افسردہ طبع نرم خو
آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو
فیس کا در یوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالم اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خون اہل بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو[۲۰]

جوش ایسے افراد کی طمع و لالچ کو بے نقاب کرتے ہوئے مجموعی طور پر معاملات کا جائزہ لیتے ہیں ان کے نزدیک ایسی باطل سوچ رکھنے والے نمائندے جو بظاہر خود کو باعزت سمجھتے ہیں کہ وہ مشن امام حسینؑ کو بیان کرتے ہیں در حقیقت ایسے لوگ انتشار پھیلاتے ہیں اس لیے مرثیہ نگار کا کہنا ہے کہ کربلا کے میدان میں حق کی منزل کو پہچانو اور حسینی فکر اپناؤ مرثیہ نگار نے اس گروہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو سکوں کے لالچ میں حسینی افکار کو نظر انداز کر چکے ہیں ایسے افراد کی مثالیں دور حاضر میں بکثرت موجود ہیں درج ذیل اشعار میں جوش کی فکر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے:

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دنائت کا سبق
کربلا کے ذکر میں لینا نہیں کیوں نام حق
چشمہ دولت ہے تیرا سیل اشک بے قلق
خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق

خانہ برباد ہے دولت سرا تیرے لیے
اک دفینہ ہے زمین کربلا تیرے لیے (۲۱)

شیعت محض ایک مذہب نہیں ایک تحریک بھی ہے اور ایک تہذیب بھی۔ تحریک یوں کہ کربلا سے آج تک شیعت ظلم، جبر، ملوکیت، استبداد، استحصال اور ناانصافی کے خلاف جہاد کرتی رہی ہے۔ عدل توحید کے ساتھ شیعہ عقیدے کے اصول دین میں دوسرا رکن ہے اس کے زیر اثر ہی امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی اصول دین میں سے ہیں جس عقیدے کی بنیاد ان اصولوں پر ہو حیرت نہیں کہ اس کے ماننے والے تاریخ اسلام میں عقلیت روشن خیال اور انقلابی خیالات کے نقیب رہے ہیں لیکن حیف مجالس عزا کے توسط سے ذاکرین حضرات نے اپنے فرائض منصبی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جوش خود بھی مجالس پڑھتے تھے اس لیے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ممبر حسین کی عظمت کیا ہے اس کا احساس کرتے ہوئے ممبر کا حق ادا کرنے کی بجائے اپنے مفاد و ذاتی غرض، طمع و لالچ کا جذبہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ درج ذیل اشعار میں جوش نے ذاکرین کی دھلائی کرتے ہوئے ان کے کئی خصائل سے پردہ ہٹا کر ہمارے سامنے کچھ یوں آشکار کئے ہیں:

کیا بتاؤں کیا تصور تو نے پیدا کر دیا
غیرت حق کو بھلا کر حق کو رسوا کر دیا
کربلا و خون مولیٰ کو تماشا کر دیا
آب رکنا باد و بستان مصلیٰ کر دیا
مشق گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرہ ماہ محرم عید ہے تیرے لیے (۲۲)

جوش نے ذاکرین سے خطاب کو مرثیے کا موضوع بنا کر مرثیے میں فکری کشش پیدا کی ہے درج ذیل اشعار میں ذاکرین حضرات کی متضاد کیفیتوں اور صورتوں کی جلوہ گری دکھائی دیتی ہے اس بند میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مرثیہ نگار نے ممبر حسین کے تقدس کا بامقصد اور قابل تحسین تصور پیش کیا ہے ایک خود دار اور باضمیر انسان کی طرح جوش نے ان اجرت داروں کو مزاحمت کا کفن پہنا کر اپنی فکر کی گہرائی کا ثبوت پیش کیا ہے وہ اقبال کی طرح ایسے فضول مذہبی پروپگنڈوں کرنے والے ملاؤں، ذاکروں کو خوب سمجھتے تھے اس لیے ان کی سوچ میں مثبت ابھار لانے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاق راہ مستقیم
مومنوں کے دل ہوں اور داماندہ امید و بیم
شدت آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دو نیم
کیوں یہی لے دے کے تھا کیا مقصد ذبح عظیم
خوف ہے قربانی اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابن حیدرؑ کے لہو پر دیکھ پانی پھر نہ جائے (۲۳)

مرثیہ ذاکرین سے خطاب کا فکری ارتقاء آغاز مرثیہ سے اختتام مرثیہ تک ملاحظہ کیا جا سکتا ہے وہ اپنے مراثی میں نئی نئی معنی خیز تراکیب کا استعمال کرتے ہیں جن سے کئی فکر انگیز مطالب کا ادراک ممکن ہو پاتا ہے فکر کا یہ ادراک دیگر مراثی میں موجود ہے ادریس صدیقی جوش کو الفاظ کا خزانچی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "جوش نے بہت سی چیزوں سے بغاوت کی ہے مثلاً خدا سے، مذہب سے، حکومت سے، بعض خاندانی روایات سے اور مروّجہ اخلاقی و سماجی اقدار سے لیکن انہوں نے فن سے بغاوت نہیں کی انہوں نے شاعری کی تمام مروّجہ پابندیوں میں کر خیال و بیان کی آزادیاں حاصل کیں اور اپنے تخلیقی ذہن سے فن کو نکھارا زبان پر انہیں بے پناہ قدرت ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے قلم سنبھالتے ہی الفاظ، بندشیں، ترکیبیں اور تشبیہیں ان کے سامنے قطار اندر قطار ہاتھ باندھے کھڑی ہو جاتی ہیں اور جنبش ابرو کی منتظر رہتی ہیں۔ انہوں نے زبان و بیان کے دریا بہا دیئے ہیں اور کہیں بھی فن پر ان کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوتی بلکہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی ہے ان کا سارا کلام فنّی محاسن اور لطافتوں سے پر ہے"(۲۴) جوش کا موقف مرثیوں میں حقیقت پسندانہ رہا اس لیے مرثیے کے اشعار میں ذاتی جذبہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کا وسیع و عریض تصور دکھائی دیتا ہے انہوں نے اپنی وسعت فکر سے اردگرد کے حالات کا ابلاغ کیا ہے ایسا طرز سخن اپنایا ہے جس میں جذبات کی شدت، احساسات کی پختگی اور ان کے خیالات کی بلندی نظر آتی ہے جو ان کی فکری صلاحیت کی نشاندہی کرتی ہے ادریس صدیقی کا کہنا ہے "جوش نے گزشتہ برسوں میں جو مرثیے لکھے ہیں ان میں فنی نفاستوں ن کے علاوہ فکر کی رعنائیاں بھی ایک نئے انداز سے جلوہ گر ہیں ان مرثیوں میں ماتم اور ملال کے بجائے عظمت انسانی کا جلال ہے، صداقت کی اعلیٰ قدروں کی ترجمانی اور خود شاعر کی فکر بلند اور پختہ شعور کی نشانیاں ہیں"(۲۵) معاشرہ اپنے انسانوں کے لیے کچھ اصول و ضوابط، اقدار و روایات اور پابندیاں عائد کرتا ہے جن کی پاسداری سے ہی سماجی نظام میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے ورنہ روگردانی سے سماجی نظام زوال کا شکار ہو

جاتا ہے ایک حساس ادیب معاشرے سے نظریں چرا کر مرثیہ تخلیق نہیں کر سکتا اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو اس کا تخلیق کردہ فن تادیر دم خم نہیں رکھتا تاہم جوش اردو مرثیہ نگاری کی ایک ایسی ہی معتبر شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مرثیوں کا خمیر اپنے ارد گرد کے ماحول سے تیار کیا ادریس صدیقی کا کہنا ہے: "جوش فلسفہ انقلاب کی موشگافیوں میں نہیں پڑتے بلکہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کے لئے برہنہ تلوار لیکر نکلتے ہیں جس کی جھنکار سے میدان جنگ گونج اٹھتا ہے"[۲۶] مرثیہ کے درج ذیل اشعار میں جوش نے دین اسلام کے ٹھیکیداروں کے افکار کی درستگی کے لیے آواز اٹھائی تاکہ خون حسینؑ کو بیچنے والوں کو اپنے افکار و خیالات کا صحیح آئینہ نظر آسکے مرثیہ کے اس بند کا مصرعہ "سر جھکالے شرم سے اے تاجر حسینؑ" میں جوش ایسی شخصیات کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں ایسے افراد اپنی ذاتی خود غرضی سے آگے بڑھنا گوارا نہیں کرتے ساتھ ہی مرثیہ نگار ان کرداروں کو بھی واضح کرتا ہے جن کی عظیم قربانیوں کی وجہ سے اسلام زندہ ہے جوش کی فکری رہنمائی موجودہ صورت حال کی بھی ضرورت ہے:

ساز عشرت ہے تجھے ذکر امام مشرقین
ڈھالتا ہے تیرے سکے، بستگان غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہل عزا کا شور و شین
سر جھکالے شرم سے اے تاجر خون حسینؑ
ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور ہو سکوں کی جھنکاروں کے ساتھ[۲۷]

ان اشعار میں خود غرض اہل زر طبقے کی نشاندہی کی گئی ہے جو چند دام کی خاطر خود پرستی میں زندہ رہنا پسند کرتے ہیں اور حسینی معیارات کو خاطر میں نہیں لاتے مرثیہ نگار کا کہنا ہے کہ ممبر پر بیٹھنے والے حضرات حسینی پیغام کو بھول چکے ہیں جس مقصد کے لیے خانوادہ رسولؐ نے قربانی دی چونکہ میدان کربلا میں سب سے زیادہ مظلوم ہستی امام حسینؑ کی ہے جو میدان کربلا میں کہیں بالواسطہ مظلوم ہے تو کہیں بلاواسطہ مظلوم ہے ان کے کلام کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جوش کربلائی فکر کے حامی تھے ان کا کہنا ہے کہ ملاعین حضرات حسینی پیغام کو عام کرنے کے لیے کربلائی فکر کو عیاں کریں نہ کہ دولت و دھن کا پیراہن پہنیں اس اعتبار سے جوش کا قلم ان کے درد کو یوں بیان کرتا ہے:

غم کے سکے بحر زر تا کے بٹھائے جائیں گے
کب تک آخر ہم پئے عشرت رلائے جائیں گے
دام پر تا چندیوں دانے گرائے جائیں گے
آنسوؤں سے تا کجا موتی بنائے جائیں گے
بحر لقمہ تا بہ کے منبر پہ منھ کھولے گا تو
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو(۲۸)

جوش کے دور میں کثیر تعداد ان افراد کی ہے جو کھوکھلی حب داری حسینؑ کے دعوے دار تھے مرثیہ نگار کے لیے ایسے حالات حساس نوعیت کے ہوتے ہیں جن کو برداشت کرنا مرثیہ نگار کے لیے مشکل ہوتا ہے فکری لحاظ سے ان اشعار میں جوش حق و باطل کے افکار کو واضح کرتے ہوئے مطالعہ کربلا پر زور دیتا ہے اس طرح مرثیہ ''ذاکرین سے خطاب'' کے درج ذیل بند سے قارئین کو واضح پیغام ملتا ہے جس کو محسوس کر کے اپنے امور کی اصلاح کے لیے معرکہ کربلا سے نمائندگی حاصل کی جاسکتی ہے اسی طرح منتخب مرثیہ نگار کی یہ طرز مرثیہ یہ پیغام واضح کرتی ہے کہ قارئین حق و باطل میں تمیز کرتے ہوئے منزل کربلا کو سمجھ سکے درحقیقت منزل حسینؑ کسی مذہبی فرقے اور عقیدے سے مشروط نہیں ہے جوش کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین
اس طرف شور رجز خوانی ادھر لے دے کے بین
اس طرف تکبیر، ادھر ہنگامہائے شور و شین
اس طرف اشکوں کا پانی اس طرف خون حسینؑ
وہ تھی کس منزل میں اور تو کون سی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے (۲۹)

معاشرہ بظاہر تو ترقی کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے مگر اخلاقی طور پر گراوٹ کا شکار نظر آتا ہے مرثیہ نگار نے بڑی ہنر مندی سے سطحی ذہنیت کے حامل اس معاشرے کے تنگ نظر لوگوں کو بے نقاب کیا ہے آج بھی جوش کے مرثیے ان کے فکری مزاج کے حقیقی عکس کو سامنے لاتے ہیں جوش مرثیہ نگاروں کی اس صف یں شامل ہوئے جنہوں نے مرثیے کے اسٹرکچر کو توڑ کر نئی فکر اور احساس کو فروغ دیا۔ فکر و فن کے لیئے نئے

نئے تجربات کیے اور مرثیوں میں اظہار کے نئے طریقے وضع کر کے معنوی تہہ داری پیدا کی یحییٰ احمد ملک کا کہنا ہے:"جب ہم جوش کی حریت فکر کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی تہہ میں اترتے ہیں تو یہ جرات انکار ہمیں سقراط اور اس سے قبل یونانی ادیبوں اور شاعروں میں ملتی ہے یونانی ادیب اور شاعر آزاد خیالی کے باوا آدم مانے گئے ہیں ان کا ایمان یہ تھا کہ آزادی فکر وخیال ترقی کی بنیاد ہے جوش جرات انکار کا خزانہ وہیں سے لیتے ہیں"(۳۰)

منتخب مرثیہ نگار نے مرثیہ "ذاکرین سے خطاب" کے اشعار میں متعصب اور خود غرض افراد کا میل اتارنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور حسینی افکار کی پیروی کرنے کا درس دیا ہے ممبر حسین کے منصب سے آگاہ کرتے ہوئے جوش نے ذاکرین حضرات کی پیدہ کردہ برائیوں کو کرید کر ان میں اپنی احساس فکر کا مرہم لگایا ہے جوش کا فکری نقطعہ نظر واضح ہے ان کے مرثیے تمام تر تعصبات سے بالاتر ہیں تب ہی آج بھی عوامی دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں۔

ب۔ معاشرتی آشوب بحوالہ مرثیہ قیصرؔ بارہوی:

i۔ عرفان حیات

موجودہ دور میں ہمارے معاشرے کے سیاسی، سماجی اور عالمی حالات لوگوں کی ذاتی اور اجتماعی زندگی پر جس طرح کا جبر مسلط کر رہے ہیں زندگی اور اس کے مظاہر کی شکست اور تباہی و بربادی کے مناظر نے جس طرح کی بے یقینی کی فضا پیدا کر دی ہے اس میں نجات کے سب راستے مسدود نظر آتے ہیں۔ ظلم و ستم و غارت گری کی فروانی، شر کی قوتوں کی بالا دستی نے انسان کو جس طرح مصائب کے مسلسل عذاب میں مبتلا کیا ہے اردو مرثیہ مزاحمت کا ایک روپ پیش کرتا ہے فنکار یا مرثیہ نگار کو میسر آنے والا دور اس سے بعض اقدامات کا تقاضا کرتا ہے اس ضمن میں وضاحت حسین رضوی پروفیسر احتشام حسین کا اقتباس یوں نقل کرتے ہیں:"ہر عہد ااپنے مسائل رکھتا ہے ہر عہد میں ارتقاء کی قوتیں رکاوٹوں سے متصادم رہتی ہیں ہر عہد زندگی کے نت نئے روپ پیش کرتا ہے اور فن کار کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے شعور کے مطابق اسے فن میں زندہ کرے"(۳۱) عربی زبان سے صنف مرثیہ فارسی میں وارد ہوئی اور فارسی کے توسط سے ہند میں سیکنڑوں سالوں سے چلی آ رہی ہے اور آج بھی ہمارے اردو ادب میں وجاوید ہے قیصرؔ بارہوی نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اردو مرثیہ کی جو خدمت کی ہے اور جس ڈھنگ سے اس میں اپنی فکر کا مظاہرہ کیا ہے اس کے آج بھی لوگ

معترف ہیں ان کے مرثیوں میں جہاں ایک طرف فکر کا عنصر غالب ہے تو وہیں دوسری طرف مزاحمتی عناصر بھی جا بجا نظر آتے ہیں اس حوالے سے ان کے مرثیے جیسے کہ عرفان حیات، عرفان امامت، آبروئے فکر، حسین اور انتخاب خاص طور پر مطالعے کا تقاضا کرتے ہیں جن میں جہاں جہاں مزاحمت کی لے ہے وہاں عام آدمی کی بے بسی اور بے نوائی کا اظہار اس شدت سے ہوا ہے کہ جو ان کے فکری رویے کی بھی گرہ کشائی کرتا ہے ملاحظہ کیجیے عرفان حیات کے چند اشعار:

فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں   غم کی تہذیب سے فطرت کو سجاتا ہوں میں
دل کے سورج کے نئے پھول کھلاتا ہوں میں   صحن تخلیق اجالوں سے بساتا ہوں میں
خون روتا ہوں تو کانٹوں کو ہنسانے کے لیے
درد کی دھوپ میں جلتا ہوں زمانے کے لیے(۳۲)

مجموعی طور پر مرثیہ نگار نے مرثیہ عرفان حیات کے دامن میں انسان کی جکڑ بندی کو ایسی صورت میں پیش کیا ہے جس سے قیصر بارہوی کی مضحکہ خیز روداد بھی سامنے آتی ہے مرثیہ ''عرفان حیات'' ۱۹۷۱ء میں تخلیق کیا گیا۔ قیصر بارہوی نے فکری رویے کو اپنے تخلیقی سفر کا حصہ بنا کر اور مزاحمت کی بھٹی میں پکا کر شعروں میں ڈھالا ہے اس حوالے سے قیصر بارہوی نے اس طرح کے اشعار کہے ہیں:

میں کمالات کا دلدادہ ہوں شہرت کا نہیں   میں حقیقت کا پجاری ہوں عقیدت کا نہیں
میں تجلی کا طلبگار ہوں ظلمت کا نہیں   میں محبت کا تو قائل ہوں سیاست کا نہیں
تلخ گفتار ہو اور شہد بیانی سمجھوں
غیر ممکن ہے کہ میں زہر کو پانی سمجھوں(۳۳)

قیصر بارہوی کے رثائی کلام میں علامت کا استعمال کیونکر ہوا در حقیقت مرثیے میں انہوں نے یہ تصور دیا ہے کہ یہ کوشش سے ایجاد نہیں کی جاتی بلکہ تمدنی ورثے سے وجود میں آتی ہے کسی لفظ کے ساتھ رفتہ رفتہ کچھ قدریں اور تصورات وابستہ ہو جاتے ہیں یہ تصورات علاقے، تہذیب، عقائد، معاشرت اور تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی تصورات لفظ کو علامتی اقدار دیتے ہیں جو اسے موقع و محل کے مطابق معنی کی نئی جہتوں سے روشناس کراتے ہیں گویا علامت کی ایک خوبی اس کی معنیاتی وسعت ہے چنانچہ قیصر بارہوی نے اردو زبان

کی قدیم علامتوں کو اس انداز سے برتا کہ ان کے ساتھ نئے مفاہیم منسلک ہوئے درج ذیل اشعار میں علامتوں کی پیش رفت ملاحظہ کیجئے:

جھوٹ سے بیر اور سچ سے محبت بھی نہیں　　کفر سے دور بھی اور دین سے الفت بھی نہیں
شوق انصاف بھی ظالم سے عداوت بھی نہیں　　خواہش امن بھی اور جنگ سے نفرت بھی نہیں
یہ خرد سوزی و آشفتہ مزاجی کیا ہے
میں سمجھتا ہوں کبھی ذوق نظر رسوا ہے(۳۴)

مرثیہ نگار نے اپنے جذبات اور محسوسات کو خارجی مظاہر کے ساتھ ملا کر ایک ایسا پیکر تراشنے کی روش اختیار کی جو قاری کے ذہن میں ان جذبات و احساسات کا بھرپور تاثر ابھار سکیں انہوں نے مرثیے میں اپنے دور کے آشوب کو پوری طرح سمو دیا ہے فکری لحاظ سے ان کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی ہے مرثیہ ''عرفان حیات'' کے یہ اشعار موجودہ دور میں انسان کی بے عملی اور انفعالی رویے کی طرف مزاحمتی اشارہ کرتے ہیں:

زندگی کیا ہے زمانہ ابھی سمجھا ہی نہیں　　ذہن الجھے ہوئے ماحول سے نکلا ہی نہیں
حسن کردار ہے کیا چیز یہ سوچا بھی نہیں　　آدمی کو ابھی جینے کی تمنا بھی نہیں
اندھی تقلید کے طوفاں میں سفر جاری ہے
دجلہ دہم میں خود مرنے کی تیاری ہے(۳۵)

قیصرؔ بارہوی نے اپنے ارد گرد کے ماحول کو جس طرح پیش کیا ہے اس سے ان کی ذاتی فکر اجاگر ہوتی ہے۔ منتخب مرثیہ نگار نے اپنے قرب و جوار پر توجہ کی نظر ڈالی اور اپنے ماحول کو مرثیے کا حصہ بنانے میں اپنا زور تخلیق صرف کیا ہے کیفیات و احساسات کو تصویری شکل میں پیش کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن جب یہ انجام پا جائے تو قاری ان لہروں تک آسانی سے رسائی پالیتا ہے جن سے سفر کرنے والا گزرا تھا اسی لیے مرثیہ نگار نے درج ذیل اشعار میں اپنی فکری تحرک کے ساتھ ساتھ حسیاتی بیداری کا کام لینے کی بھی سعی کی ہے خصوصاً ان اشعار میں مجروع وقار انسانی کی جھلکیاں پیش کرتے ہوئے وہ اس آشوبی دور میں اپنا ناطہ کربلا کی باکمال شخصیت امام حسینؑ سے جوڑتے ہوئے ان کی بے مثال جرأت و فکر کا ذکر کیا ہے جنہوں نے یزیدی جبر کے سانچے کو تباہ کیا اور کسی قسم کا سمجھوتہ کرے سے گریز کیا اس لحاظ سے قیصرؔ بارہوی نے معاشرے کی بگڑی صورت حال کا

تجزیہ کرتے ہوئے قیام امن کے لیے کربلائی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے قوم کو حسینی افکار پر عمل کرنے کی استدعا کی ہے:

ہو گا جس وقت بھی مجروح وقار انساں　　یاد آئے گا محمدؐ کے نواسے کا بیاں
پھیل جائے گا جہاں جبر حکومت کا دھواں　　زندگی جرأت شبیرؑ میں پائے گی اماں

کوئی سرمایہ و طاقت پہ جو اترائے گا
نام شبیرؑ کی تلوار سے کٹ جائے گا(۳۶)

ii۔ عرفان امامت

معاشرتی آشوب کا اظہار قیصر بارہوی کا من پسند موضوع ہے انہوں نے اپنے مرثیوں میں جگہ جگہ معاشرے میں پیدا ہونے والی بے چینیوں کے لیے اپنی آواز بلند کی ان کی حتی الواسع یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح معاشرے کے سلگتے ہوئے حالات و واقعات کی نقاب کشائی کی جائے تا کہ عوام الناس کے سامنے اصل صورت حال واضح ہو سکے ان کے ہاں کسی خاص موضوع کی پابندی نہیں بلکہ وہ معاشرے کا ہر سلگتا ہوا موضوع پیش کرتے ہیں کبھی وہ دنیا میں اخلاقی قدروں کے خاتمے کا رونا روتے ہیں کبھی زندگی میں موجود جبریہ حالات کی تصویر دکھتے ہیں کبھی وہ دولت کے پجاریوں کی لوٹ مار کا منظر پیش کرتے ہیں ان تمام معاشرتی خرابیوں کی پیش کش کے وقت ان کا لہجہ نہایت مزاحمتی ہو جاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس ناگفتہ بہ صورت حال سے سخت نالاں ہیں قیصر بارہوی اپنے معاشرتی ماحول کے محض ترجمان نہ تھے بلکہ وہ اپنے دور کے نقاد بھی تھے انہیں اپنے دور کی سیاسی افراتفری، معاشی بدحالی، معاشرتی بے راہ روی اور انسانی قدروں کی بیخ کنی کا دوسروں سے کچھ زیادہ ہی شدید احساس تھا مرثیہ ''عرفان امات'' بھی انہی حالات میں جنم لیتا ہے جس میں مرثیہ نگار نے مرثیے کے تخلیقی آئینے میں اس دور کے انسان کی کرب ناکی کو شعری وجود میں پیش کیا علاوہ ازیں ان تمام تر سیاسی، سماجی، شخصی، نفسیاتی اور معاشرتی مسائل کی تصویر کشی کی ہے جن سے دور حاضر کا انسان بھی دوچار ہے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیئے　　کیا ہے علاج ذہن پریشاں سوچیئے
پہنچی کہاں پہ گردش دوراں یہ سوچیئے　　کیا کہہ رہی ہے نبض سلماں یہ سوچیئے

ہر سانس اضطراب ہے شعلہ اساس ہے
پانی کے باوجود قیامت کی پیاس ہے[۳۷]

منتخب مرثیہ نگار مرثیے کے مصرعوں میں جب انسانی زخموں کو زبان دیتے ہیں اور انسانی بے چینی و اضطراب کو جب مرثیے کا ہار بناتے ہیں تو ان کے احساسات و جذبات کی نمی بھی مزاحمت ریز ہو جاتی ہے غرضیکہ وہ ہر طرح سے انسان کو اپنی شکست خوردگی کی تصویر دکھاتے ہوئے فکری پرچاریوں کرتے ہیں:

سورج ہے زندگی تو حجاب غبار کیوں جلوے تو منتقل ہیں نظر تار تار کیوں
وحدت کی انجمن کے لئے انتشار کیوں منزل تو سب کی ایک تو رستے ہزار کیوں
کچھ سوچئے شعور بشر کیوں بدل گیا
کیا غیرت عمل کا جنازہ نکل گیا[۳۸]

قیصرؔ بارہوی کے مرثیوں میں رثائی رنگ غالب ہے درج ذیل اشعار میں روزمرہ زندگی کے کرب کو الفاظ کے قالب میں بیان کیا گیا ہے جب مرثیہ نگار انسانیت کا گھیرا تنگ دیکھتے ہیں اور انسانی دادرسی کرنے والا انہیں کوئی نظر نہیں آتا تو اس بے یقینی کی فضا میں یہ سوال کرتے دکھائی دیتے ہیں:

ماحول کی نگاہ دل آزار کس لئے ذہنوں کا آسمان شرر بار کس لئے
پورا معاشرہ ہے گنہ گار کس لئے انسانیت کے خلق پہ تلوار کس لئے
درمان درد کیا ہے یہ معلوم ہی نہیں
جیسے زمیں پہ اب کوئی معصوم ہی نہیں[۳۹]

مرثیہ ''عرفان امامت'' قیصرؔ بارہوی نے ۱۹۸۱ء میں تخلیق کیا جس میں انہوں نے دور حاضر میں انسان مصائب کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے ارد گرد کی تمام چیزوں کو بدلا ہوا قرار دیا ہے مرثیے میں پاکستانی عوام کی اجتماعی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے اپنے ہم وطنوں کی حرکات و سکنات کرتے ہوئے گویا ایک تذبذب کی کیفیت مرثیہ نگار پر طاری ہے اپنے تلخ تجربے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

جھوٹی انا کے پردے میں ایمان چھپ گیا لفظ و بیاں کے رنگ میں انسان چھپ گیا
تحریر خون روتی ہے عنوان چھپ گیا خاموشیوں میں بولتا قرآن چھپ گیا

بیداری شعور کی دولت نہیں رہی
پڑھ لے جو وقت کو وہ بصیرت نہیں رہی(۴۰)

قیصرؔ بارہوی کے مرثیوں میں بیگانگیت کی ایک وسیع و عریض دنیا آباد رہے۔ مرثیہ نگار نے پاکستان بنتے دیکھا خود بھی ہجرت کی کہ آزاد وطن میں آزاد رہیں گے لیکن قیام پاکستان کے بعد غیر مستحکم حکومتیں آتی گئیں جو بعد میں آمریت کی شکل اختیار کر گئیں جن کی وجہ سے معاشرتی صورت حال ابتر ہوتی چلی گئی ایسی فضا کو ختم کرنے کے لیے وہ مزاحمتی رویہ اپناتے ہیں ملاحظہ کیجئے درج ذیل اشعار:

حیرت ہے دل کا ساز رہے دلکشی سے دور کہنے کو زندگی ہے مگر زندگی سے دور
یہ سوچئے دلیل ہے کیوں مدعی سے دور ہم روشنی کے سائے میں ہیں روشنی سے دور
تاریکیوں میں نور کو پہچانتے نہیں
نکلا ہوا ہے چاند مگر مانتے نہیں(۴۱)

مرثیہ 'عرفان امامت' جس جبریت اور اندھیرے دور کی پیداوار ہے اس میں زندگی کے دن گزارنے مشکل ہو رہے تھے یہی وجہ ہے کہ مرثیہ نگار مرثیے میں معاشرتی صورت حال کو رمزیت و علامت کے پیرائے میں پیش کرتا ہے:

ذہنوں میں کھل گئے ہیں بغاوت کے میکدے روح مزاج بن گئے ساغر گناہ کے
الجھے ہوئے ہیں دین سے دنیا کے سر پھرے ٹکرا گئے پہاڑ سے پانی کے بلبلے
الحاد سے خیال کے شیشے کثیف ہیں
اب آدمی نہیں خدا کے حریف ہیں(۴۲)

مرثیہ 'عرفان امامت'' ان تمام ہنگامہ خیز حالات کا عکاس ہے جن سے اس دور میں انسانی وجود کا قافیہ تنگ ہو چکا تھا درج ذیل اشعار میں مرثیہ نگار کے فکری تخیل کی آگ پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے اسی طرح قیصرؔ بارہوی کے ذہن میں پنپ رہے خیالات نہ صرف ان کے زمانے میں بلکہ آج کے دور میں بھی ہمیں انہی معاملات کی عکاسی دکھائی دیتی ہے مشرقی معاشرے کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے انہوں نے مغربی خرابیوں کو اجاگر کیا ہے منتخب مرثیہ نگار کی مرقع بیانی دیکھئے:

مغرب میں ڈوبتی ہوئی تہذیب کا اثر مشرق کی حرمتوں کو پھراتا ہے در بدر
اہل قلم نے غیرت احساس چھوڑ کر عشرت کے گیت گائے ہیں سورج کی لاش پر
شام و سحر کو عالم یک رنگ کر دیا
انسانیت کو دست تہہ سنگ کر دیا (۴۳)

قیصرؔ بارہوی نے ایک مسلم مصلح کا فریضہ ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کو اور خاص کر ادبی تخلیق کاروں کی ذہنی کشمکش اور جذباتی آویزش کو بے نقاب کیا ہے اپنے دور کی تخلیقی آگاہی اور فکری جوت جگانے کے لیے انہوں نے حالات کی سنگینی کا رونا رویا اور افراد کی عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے غمناک لہجہ میں کہہ دیا:

عریاں دل و دماغ ہیں شرم و حیا مذاق ہنستی ہیں بے وفائیاں لفظ وفا مذاق
پیمانہ مذاق ہے آیات کا مذاق غیر خدا شعور ہے نام خدا مذاق
کیا کیا بساط فکر پہ تخلیق کار ہیں
آئینے ڈھالتے ہیں مگر خود غبار ہیں(۴۴)

جذبانیت سے بھرپور بند نظم کرتے ہوئے وہ اپنے معاصرین کی روش اختیار کر لیتے ہیں کہیں کہیں اپنے لئے نئے راستے بھی تلاش کرتے نظر آتے ہیں ان کے رثائی کلام کے مطالعے سے یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ قیصرؔ بارہوی دیگر مرثیہ نگار شعراء کی نسبت دبیرؔ اور جوشؔ سے نہایت قریب تر حیثیت رکھتے تھے اور کہیں کہیں تو شانہ بشانہ دکھائی دیتے ہیں سید وحید الحسنؔ ہاشمی کا کہنا ہے: "قیصرؔ بارہوی اردو مرثیے کی زبان و فن کی لطافتوں کے امین اور قادر الکلام شاعر ہیں ترقی پسند فنکاروں میں ایک نمایاں اور خاص انفرادی حیثیت کے مالک ہیں اس لیے ان کا لہجہ مرثیہ نگاری میں بھی روایتی اسالیب سے مختلف ہے"(۴۵) درج ذیل اشعار میں مرثیہ نگار کی سماجی بصیرت تخلیقی بصیرت سے آمیز ہے ان کی فکر و نظر کی گہرائی کا انداز مزاحمتی زبان سے پیوست ہے مارشل لاء اور اس ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج کی لے میں تیزی نظر آتی ہے اس پس منظر میں جب ان اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ قیصرؔ بارہوی کی نوک قلم میں حق کی شناخت کا کتنا دم تھا کہ ایک نظر میں یہ اشعار ان کی فکری بصیرت کی فضا تخلیق کرتے ہیں تو دوسری نظر میں یہ مزاحمت کا صور پھونکتے ہیں یہی فکری اور مزاحمتی آمیزش ان کے کلام کی طاقت بن جاتی ہے جس سے نہ صرف مرثیہ کے فکر و فن کی سچائیوں

کا احساس ہو جاتا ہے بلکہ اس عہد آشوب کی سیاسی صورت حال کے ظلم کی انتہا کا علم بھی ہو جاتا ہے جس کے خلاف مرثیہ نگار مزا احمتی علم بلند کر کے اپنے دور کے حق و باطل کی قوتوں کی کشمکش کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

باغ تخیلات کا اک اک شجر قلم ہر فکر میں عقاب حمیت کے پر قلم
اک جنبش قلم سے طبعیت کا سر قلم یعنی متاع نقد جدھر ہے ادھر قلم
آوارہ دلوں کی اشاعت کا دور ہے
انسانیت ہے اور قلمکار اور ہے

فصل خزاں ہے قدر گلاب و سمن گئی اب تلخیاں ہیں لذت کام و دہن گئی
بدلا نظام شمع گئی انجمن گئی کیسے کہوں کہ حرمت اہل سخن گئی
گویا خلوص فکر کے در بند ہو گئے
نا اہل بھی ادب کے خداوند ہو گئے

اہل ہوس نے نور کو ظلمت سمجھ لیا تہذیب کے لہو کو معیشت سمجھ لیا
مذہب کو داستان سیاست سمجھ لیا یعنی حسینیت کو تجارت سمجھ لیا
اکثر اسی خیال میں اہل ہنر ملے
نقد رضا ملے نہ ملے نقد زر ملے(۴۶)

یہاں بھی مرثیہ نگار نے ان تمام سماجی و سیاسی پیچیدہ معاملات کو بے نقاب کرتے ہوئے ان کے پھیلائے ہوئے انتشار پر کاری ضرب کی ہے ان کے یہاں پرانے علائم و رموز نئے معیناتی سیاق و سباق کے ساتھ شامل ہیں۔خطاب، کاغذی گلاب، رخ ثواب، رخ کتاب، گوہر، تونگر، سمندر، پیکر، سماج، راج، ہم سفر، راہ گذر، بشر، پر، بستیاں، سرمستیاں وغیرہ الفاظ قیصرؔ بارہوی سے فکری و مزا احمتی شعور کے غماز ہیں۔دین خدا کو بیچنے والے جاہل خطیبوں کی بھی خوب خبر لی ہے ان کے تخیل میں اتنی فکری حرارت کی توانائی ہے کہ آج اکیسویں صدی میں بھی یہ مرثیہ ''عرفان امامت'' ہمیں متاثر بھی کرتا ہے اور اپنے ارد گرد ماحول میں پھیلی سنسنی کو دور کرے کے لیئے ہمارے جذبات کو بھی اکساتا ہے مرثیہ نگار عصری زندگی کی ناہمواریوں، ظلمتوں کو اپنے تجربے کا حصہ بنا کر اپنے کرب کے دور کا مثردہ سنانے کا متمنی ہے:

کاغذ کے پیرہن پہ سجائے ہوئے خطاب　　الفاظ میں بسائے ہوئے کاغذی گلاب
دولت کی خواہشوں یں چھپائے ہوئے کتاب　　باطن رخ عذاب تو ظاہر رخ ثواب
پیکار علم و جہل کے قصے عجیب ہیں
دین خدا کو بیچنے والے خطیب ہیں

آواز سنگ ریزہ ہے گوہر کہو مجھے　　مفلس کی آرزو ہے تو نگر کہو مجھے
قطرہ پکارتا ہے سمندر کہو مجھے　　جاہل مصر ہے علم کا پیکر کہو مجھے
غالب حوس و ہوش پہ ظالم سماج ہے
محکوم ہیں اجالے اندھیروں کا راج ہے

کہنے کو آدمی ہے ستاروں کا ہم سفر　　کہنے کو آج برق کا سینہ ہے رہ گذر
فتح قمر سے فاتح گردوں ہوا بشر　　کہنے کو اہل عقل نے کاٹے ہوا کے پر
لیکن بلندیوں میں بڑی پستیاں ہیں
گھبرا رہی ہے روح وہ سرمستیاں ہیں(۴۷)

مرثیہ ''عرفان امامت'' کے درج ذیل اشعار کے الفاظ بسورتے نہیں بلکہ احتجاج کرتے ہیں انسانی تکبر پر، ظالم کے اقتدار پر، اس لیے یہ بات بلا کسی خوف و تردد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح قیصرؔ بارہوی کے مرثیے میں بھی عصری مسائل کی ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے یہی وجہ ہے بارہوی اپنی ہنر مندی اور تخلیقی بصیرت کا لحاظ رکھتے ہوئے مرثیہ عرفان امامت کے دامن دل میں نہ صرف اپنے نڈر پن اور بے باکی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اپنی فکری اپج سے عملی آگہی کے قرینے بھی وضع کرتے ہیں حسن عسکری کاظمی منتخب مرثیہ نگار کے فن پر تبصرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''قیصرؔ بارہوی نے مرثیے کے فنی لوازمات کو خوب برتا انہوں نے کلام میں رعایت فکر اور حسن تعلیل کے ساتھ حسن بیان کی وہ نادر کار خوبی بھی اپنالی جو عموماً ہر مرثیہ نگار کو نصیب نہیں ہوتی یوں ان کی مرثیہ نگاری سونے پہ سہاگہ بن گئی''(۴۸)

انہیں زمین پر ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسانوں کا استحصال بد دل کرتا ہے جیسے مصرعہ ''ہر عالم خیال میں نفرت کی بستیاں''، ''ہر گفتگو میں زہر تعصب کی تلخیاں'' جب قیصرؔ بارہوی کو کوئی بھی انسانی درد کا مداوا کرتا نظر نہیں آتا تو بلا اختیار کہہ دیا:

معلوم ہے خزانہ گیتی پہ اختیار معلوم ہے بشر کے تکبر کی ہر بہار
مٹی کے عطر زار میں دولت کا لالہ زار دولت کے لالہ زار سے شاہوں کا اقتدار
شاہوں کا اقتدار بھی حق آفریں نہیں
سب کچھ تو ہے دلوں پہ حکومت کہیں نہیں

ہر سمت اشتباہ کے صحرا کی آندھیاں ہر گام افتراق کی منحوس بجلیاں
ہر عالم خیال میں نفرت کی بستیاں ہر گفتگو میں زہر تعصب کی تلخیاں
کیا اس شکست فکر و نظر کی دوا بھی ہے
طوفان میں ہے جہاز کوئی نا خدا بھی ہے(۴۹)

مرثیہ عرفان امامت کے درج ذیل اشعار میں زندگی اور مسائل زندگی کی بھرپور چوٹیں ہیں ان کی آواز میں انسانی زندگی سے بڑھ کر اہم چیز کوئی نہیں۔ مرثیہ نگار کی شدت کرب کا اندازہ کیجیے:

دریا بھنور، پہاڑ بھنور، گلستاں بھنور صحرا بھنور، درخت بھنور، بستیاں بھنور
سورج بھنور ہے چاند بھنور، کہکشاں بھنور انسان کے لئے زمیں آسماں بھنور
لازم ہے زندگی کے لئے آسرا ملے
کہتی ہیں مشکلیں کوئی مشکل کشا ملے(۵۰)

درج ذیل اشعار میں قیصر بارہوی نے اپنے فکری نظریے کو واضح کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

فکر و نظر کی تیز شعاعوں کے باوجود اہل نظر سمجھ نہ سکے راز ہست و بود
کیا عالم غیب ہے کیا منزل شہود دونوں جہاں بغیر معلم ہیں بے نمود
یعنی وجود میں کوئی ایسا بشر بھی ہو
جس کو تمام شہر علوم کی خبر بھی ہو(۵۱)

قیصر بارہوی اپنے نظریات کا پرچار پوری طرح مرثیے میں کرنا جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ درج ذیل اشعار میں مرثیہ گو نے انسانی زندگی کے متنوع رخوں کے خلاف مزاحمتی آوازہ بلند کیا ہے:

لیکن ہوس کی راہ میں بھٹکے ہوئے بشر ہر دور میں رہے ہیں حقیقت سے بے خبر
کیا حرمت رسولؐ تو کیسا خدا کا ڈر ظالم فروغ ظلم پہ باندھے رہے کمر

قدرت نے جب یہ حق نہ دیا ظالمین کو
نہلایا بے گناہ لہو سے زمین کو(۵۲)

iii۔ آبروئے فکر

ادب انسانوں کو جانوروں سے الگ کرتا ہے اور ہر ادبی تحریر میں اپنے عہد کے حالات و مسائل کی عکاسی کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہوتی ہے جہاں تک اردو کے جدید ادب بالخصوص مرثیے کا تعلق ہے تو اس میں بھی زمانے کے حالات و واقعات کا ایک نگار خانہ موجود ہے مرثیہ آبروئے فکر ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہوا اس کے ذریعے منتخب مرثیہ نگار نے انسان کا سویا ہوا ضمیر بیدار کرنے کی کوشش کی ہے اور تنگ نظری، تعصب سے بلند ہو کر غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی فکری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے تاکہ انسان میں جینے کی امنگ نئے ڈھنگ سے پیدا اس طرح انہوں نے مرثیے کو انسانیت کی بقا اور اس کے استحصال کے خلاف مزاحمت کا وسیلہ قرار دیا انسانی نفس کی تطہیر کے لیے فکری اساس ملاحظہ کیجئے:

دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے آبروئے فکر اس انسان کی پہچان ہے
دل کے پردے سے اب فطرت کا یہ اعلان ہے جاگ اٹھے تو سینہ کافر میں بھی ایمان ہے
ظاہر و باطن بدل دے وہ نظر پیدا تو ہو
سانس لے سکتی ہے میت بھی دم عیسیٰ تو ہو(۵۳)

بے شک الجھنیں اور مصائب انسانی زندگی کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں قیصرؔ بارہوی انسان کی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کے اظہار میں جھجک کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ صحیح تصویر قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں ان کے مرثیے کے مزاج کو سمجھنے کے لیے احمد ندیم قاسمی کی رائے ملاحظہ کیجیے: ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے پڑھتے ہوئے اردو مرثیوں میں ایک نئے ذائقے کا احساس ہوتا ہے یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کا مرثیہ اپنے فکری مزاج کے اعتبار سے منطقی استدلال کو بھی نمایاں کرتا ہے یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ اس وقت مرثیہ گوئی کی طرف راغب ہوئے جب دیگر اصناف سخن میں کمال پیدا کر لیا یہی سبب ہے کہ ان کا مرثیہ پڑھتے ہوئے کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ مرثیہ گو مرثیہ گوئی کے میدان میں کوئی تازہ وارد تخلیق کار ہے''(۵۴)

درج ذیل اشعار میں انہوں نے انسان کو معاشرے میں اپنے وقار کو بحال رکھنے کے لیے جی توڑ کوشش کرنے کا سبق دیا ہے معاشرتی انحطاط کے سدباب کے لیے اپنی صدا بلند کرتے ہوئے اخلاقی قدروں کو ابھارنے کی کوشش کی ہے ملاحظہ کیجیے چند اشعار جن سے مرثیہ نگار کی فکری اساس کی گہرائی اور سماجی تجربے کا اندازہ بہ آسانی ہو جاتا ہے:

زندہ انساں وہ ہے جو سچی انا کا دم بھرے　　خوف کا احساس بھی سینے سے باہر پھینک دے
لاکھوں طوفاں ہوں جہاز عزم کا لنگر اٹھے　　سرخ انگارے سے مسل دے سبز کانٹوں پر چلے
ڈال کر برق تبسم موت کی جھنکار پر
گرد پا لکھ دے غرور وقت کی تلوار پر(۵۵)

قیصؔر بارہوی ایک جدید فکر و اسلوب کے شاعر ہیں۔ قیصؔر بارہوی نے اپنے گرد و نواح میں انسانی حیات کے رنگ تماشہ سے اپنی آنکھیں نہیں موندیں اور نہ اس کے بے فکر تماش گیر بنے بلکہ اپنی طرز فکر سے حالات کو اشعار کی صورت ایسے پرویا ہے کہ اجتماعی سطح پر انسان معاشرتی انتشار سے پر ماحول کی زنجیر توڑ ڈالے گو زندگی کے اہم نقطعوں کو زیر بحث لاتے ہوئے اپنے فکری نظریے کی عکاسی ان الفاظ میں کچھ یوں کی ہے:

خنجر ماحول سے گھبرائے وہ انساں بھی کیا　　مجرم تاب نظر کہلائے وہ انساں بھی کیا
ذہن کو تاریکیاں پہنچائے وہ انساں بھی کیا　　آپ اپنے سائے سے ڈر جائے وہ انساں بھی کیا
بات جب ہے بزدلی کے سارے رستے چھوڑ دے
مرد وہ ہے جو غلامی کا شکنجہ توڑ دے(۵۶)

درج ذیل اشعار قیصؔر بارہوی کی ظرف بینی اور طبعی فکر کا مظہر ہیں:

فطرتاً انسان کی خلقت میں ہیں سچائیاں　　ڈھانپ لیتی ہیں جنہیں ماحول کی پر چھائیاں
جب ابھرتی ہیں قبیلوں کی جنوں آرائیاں　　گھیر لیتی ہیں جہان فکر کو رسوائیاں
رنگ بھرتا ہے زمانہ جبر کی تصویر میں
آدمیت چیختی ہے وقت کی زنجیر میں(۵۷)

منتخب مرثیہ نگار زندگی سے مکمل ہم آہنگی اور گہری وابستگی کی بدولت اس کی حقیقتوں کی گہری تہہ تک جا کر نفی رجحانات کو ترک کر کے انسان کو مثبت انداز میں آگے بڑھنے کا فکری سلیقہ عطا کرتے ہیں مرثیہ آبروئے فکر کے چند اشعار:

وحشتوں کی دہشتوں سے تھر تھراتی زندگی   سرد مہری کی ہوا میں کپکپاتی زندگی
مسکرانے کے لئے آنسو بہاتی زندگی   آنسوؤں کے وقت جبراً مسکراتی زندگی
موت کی زد پر ترستی ہے محبت کے لئے
کوئی تو انساں بڑھے فرض اعانت کے لئے(۵۸)

قیصرؔ بارہوی نے اپنے دور کے خارجی حالات کے المیے اور سیاسی دبزؤ کے تاریک تہہ خانوں تک جا کر ان جزئیات، واقعات، احساسات اور کیفیات کی مصوری کی ہے درج ذیل اشعار میں ان کا مزاحمتی آہنگ اور فکری جوش ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:

وہ زمیں جس پر حقوق زندگی ہوں مسترد
اس زمیں پر ہر مکاں زنداں تو ہر خیمہ لحد
مقتلوں کی دھوپ جس پر حرمت انساں کی حد
اس زمیں پہ سائے بڑھ جاتے ہیں گھٹ جاتے ہیں قد
جس زمیں پر کثرت اوہام کے خنجر ملے
تین سو پینسٹھ خداؤں سے وہاں پتھر ملے
وہ زمیں جس پر ہوا استبدا کا فرش سیاہ
اس زمیں پر سسکیاں لیتا ہے جرم بے پناہ
وہ زمیں جس پر خیال خام ہو غیرت کی راہ
اس زمیں پر موت کی توہین ہے نیچی نگاہ
ایک انساں پستیوں کا دم بھرے ممکن نہیں
روشنی ظلمت سے سمجھوتہ کرے ممکن نہیں(۵۹)

درج زیل اشعار میں ان کا وحدت تاثر پوری معنویت، بلاغت اور مقصدیت کے ساتھ ساتھ تسکین جذبات اور تزکیہ نفس فراہم کرتا ہے ان کی فکری بصارت ملاحظہ کیجئے:

کون کہتا ہے لہو کی گردشوں میں دم نہیں　　کون کہتا ہے رگوں میں روح پیچ و خم نہیں
کون کہتا ہے یہاں سم ہے علاج سم نہیں　　کون کہتا ہے یاں تو زخم ہیں مرہم نہیں
تلخ لہجوں کے لئے قند طبعیت چاہئے
زخم بھی کافور ہو جاتے ہیں حکمت چاہئے(۶۰)

قیصر بارہوی مرثیہ آبروئے فکر کے درج ذیل بند میں اپنی متحرک فکر کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

کچھ نہ کچھ تابش تو رکھتا ہے ہر انساں کا ضمیر　　جیسے خشکی پر کہیں شفاف پانی کی لکیر
ایک نقطے کے برابر فہم ہے فہم خطیر　　پختگی جہل میں بھی علم ہوتا ہے اسیر
یوں بھی اک احساس ملتا ہے جہان ذات میں
جس طرح جگنو ہو صحرا کی اندھیری رات میں(۶۱)

ہر بڑے مرثیہ نگار کو اپنے وقت کے تغیر و تبدل، حالات و واقعات اور مسائل و عوامل نے متاثر کر کے اس کے ذہن پر گہری چھاپ ڈالی ہے اور ذہن کے اس نہ مٹنے والے عکس نے لفظوں کی مدد سے اشعار کی صورت اختیار کر لی ہے قیصر بارہوی قوم کو میدان عمل میں کود کر انہیں سرمایہ داری اور سامراجیت کی پیدہ کردہ محکومی کو اکھاڑ پھینکنے کی ترغیب دلاتے ہیں آبروئے فکر کے درج ذیل اشعار اپنی مثال آپ ہیں:

کیا ہے صحرا کی اندھیری رات اک جبری نظام
جس میں بے سرمایہ ہوں سرمایہ داروں کے غلام
قہر عزت کے لبوں پر بند غیرت کے مسام
زندگی اک جلتی بجھتی شمع جگنو جس کا نام
کھولتا پانی جگر کے زخم دھونے کے لیے
ہر تبسم تازیانوں میں پرونے کے لیے(۶۲)

قیصر بارہوی کے مرثیوں میں افکار و خیالات کی ایک دنیا آباد ہے تاہم اس سلسلے میں ان کا امتیاز یہ بھی کہ وہ قدیم چیز کو بھی جدید پیرائے میں پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے فکری مزاج کو قائم

رکھتے ہوئے اپنے عہد کے سماجی تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے فکری و مزاحتی مرثیے تخلیق کیے آغا سہیل کا کہنا ہے: ''قیصرؔ بارہوی نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے مرثیوں کو ایسے تمام تکلفات اور اضافی موضوعات سے آزاد رکھ کر مرثیے کو خالص مرثیہ بنانے میں وہ غیر معمولی کامیابی حاصل کی جو موجودہ دور میں اتنے مکمل نقش و نگار کے ساتھ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیے ہمیں سمندر کے جذ و مدر کی تہیں ایک وسیع دریا کی طرح نظر آتے ہیں جسے ایک خفیف کنکر کے ذریعے مرتعش کیا اور لاتعداد دائروں میں بنا جا سکتا ہے''[۶۳] قیصرؔ بارہوی کا قوت مشاہدہ بہت تیز ہے آپ کی دور رس اور کشادہ نظر نے ایک عکاسی کی طرح سماج کی تہہ میں جھانک کر ہر برائی کی مصوری کی ہے اور ہر زخم کو کرید کر اس میں حقیقی فکر کا مرہم لگانے کی کوشش کی ہے مرثیے کے چند اشعار دیکھیے جن میں احساسی بیداری بھری ہوئی ہے:

ہر ستم پر ور زمانے کے ستم پرور امیر چاہتے ہیں نور قدرت کو بنا ڈالیں اسیر
یہ پر ستاران مال و زر یہ پھتر کے فقیر چاہتے ہیں قید ہو جائے صدائے عرش گیر
ہر بشر کی سوچ پر غلبہ رہے وسواس کا
نام بھی کوئی نہ لے بیداری احساس کا[۶۴]

iv۔ حسین اور انتخاب

اردو مرثیہ نگاروں کی مزاحمتی مرثیوں کے حوالے سے ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے فکری تخیل اور مزاحمت نگاری کے سنگم سے مرثیے کے قابل قدر نمونے اپنی یادگار چھوڑے ہیں ان میں قیصرؔ بارہوی کے مرثیے شامل ہیں جنہوں نے اپنے دور کے معاشرتی نظام کی خرابیوں کو حقیقی انداز میں بیان کر کے ان کے خلاف مزاحمتی صدا بلند کی تاکہ قاری اپنے معاشرے کی بے حسی اور بے ضمیری سے واقف ہو اور اسے معاشرے کی بہتری کے لیے ایک فکر لاحق ہو مجموعی طور پر ان کے مرثیے حقیقی تجربات سے ماخوذ ہیں جن میں عصری حقیقتوں کی گہری نشتریت ایک پختہ فکری شعور کے ساتھ موجود ہے ''مرثیہ حسین اور انتخاب'' ۱۹۷۸ء میں تخلیق ہوا قیصرؔ بارہوی اپنے ہم عصروں کے ساتھ ساتھ اپنے پیش رووں کی تخلیقات سے بھی استفادہ کرتے رہے تب ہی ان کے مرثیوں میں اکبر کا طنزیہ و مزاحمتی انداز، اقبال کی خطابت اور جوشؔ کی بلند آہنگی کی روش کا احساس ہوتا ہے۔ قیصرؔ بارہوی وہ مجاہد مرثیہ نگار ہیں جو ظلم، مذہبی عصبیت و تنگ نظری

کے خلاف ہمیشہ لڑتے رہے عصر حاضر کے یزیدی نظام کو دیکھ کر مرثیہ ''حسین اور انتخاب'' کے یہ اشعار ذہن میں گونجنے لگتے ہیں:

ملت بھی کارواں ہے وطن بھی ہے کارواں   دونوں کی روشنی ہے تمدن کی کہکشاں
ملت سے ہے وطن کی زمیں رشک آسماں   خاک وطن سے دامن ملت ہے گلستاں
ملت وطن بحیثیت مہر و ماہ ہیں
حاکم یزید ہو تو یہ دونوں تباہ ہیں(۶۵)

قیصرؔ بارہوی کے مرثیے مظلومیت کی زندگی سے عبارت ہیں ان کے کلام کا آہنگ ان کے فکری شعور کی دین اور ایک احساس اور بیدار ذہن کی اپج ہے مرثیہ ''حسین اور انتخاب'' میں ان کے دور میں جو سیاسی تناؤ کی فضا ہے وہ اس عہد کے بنیادی سیاسی تضادات کی ترجمانی کرتی ہے جس کے لیے انہوں نے مزاحمتی عناصر سے بہت زیادہ استفادہ کیا جس کی جھلک ان کے ہر مرثیے کے اشعار میں نظر آتی ہے سیاسی لیڈروں کے داؤ پیچ کی کیفیات کا بغور جائزہ لے کر انہیں مزاحمت کا نشانہ بناتے ہوئے خوب خبر گیری کی درج ذیل اشعار میں ان کی فکر اور نظریہ کی توانائی ملاحظہ ہو:

حاکم ہے کم نظر تو حکومت ہے بے وفا   مخلوق پر عذاب ہے ظالم کا اقتدار
انسانیت ہو جس کے تسلط سے تار تار   لازم ہے اس نظام کے آزر سے گیرو دار
مٹتا ہے کفر چشم حق آگاہ چاہیے
بت ٹوٹتے ہیں ضرب ید اللہ چاہیے(۶۶)

مرثیہ ''حسین اور انتخاب'' مقصد کے حصول کے لیے ہمیشہ دلوں میں گرمی اور جوش پیدا کرتا رہے گا۔ درج ذیل اشعار میں مصرعہ 'قانون انتخاب ہے عاشور کا پیام' اس امر کا برملا اعلان ہے کہ مرثیہ نگار انسانیت کی بقا کے لیے کربلائی فکر کو رائج کرنے کے لیے کوشاں رہے درج ذیل اشعار ان کی انفرادی فکر کی نشاندہی کرتے ہیں:

انسانیت کے ملک میں اہل نظر عوام   پیتے ہیں کربلا کی شراب عمل کے جام
یہ بات مانتا ہے زمانے کا ہر نظام   قانون انتخاب ہے عاشور کا پیام

یعنی خرد پہ غلبہ وہم و گماں نہ ہو
نا اہل کے سپرد کوئی کارواں نہ ہو(۶۷)

یہ حقیقت بھی نا قابل تردید ہے کہ بارہوی کے رثائی کلام میں دو موڑ صاف دکھائی دیتے ہیں ان کے مرثیے حالات کے ساتھ بدلتے اور نئے ہوتے ہوئے مختلف مراحل سے گزرے ہیں جن میں وہ عوامی کرب کو محسوس کرتے ہوئے تخیل میں کربلا پہنچ جاتے ہیں اور یزیدی حاکمیت کے زیر سایہ رہنے والوں کے کرب کو محسوس کرتے ہوئے مغموم اور افسردہ دکھائی دیتے ہیں اس حوالے سے مرثیے کے چند اشعار حساس طبع لوگوں کو بے حد متاثر کرتے ہیں:

ذہنوں پہ چھا رہی تھی خطاکاریوں کی دھوپ
سینے جلا رہی تھی دل آزاریوں کی دھوپ
غربت کی بستیوں میں تھی خونخواریوں کی دھوپ
آنکھیں دکھا رہی تھیں ستمگاریوں کی دھوپ
دشت نفس میں چھاؤں کا نام و نشاں نہ تھا
چہرے عرق عرق تھے کہیں سائباں نہ تھا(۶۸)

قیصرؔ بارہوی کا فنی کمال یہی ہے کہ ایک محدود فضا، محدود وقت اور واقعات میں بھی وہ مختلف لوگوں کے مزاج کے اعتبار سے انسانی نفسیات کے بہت سے باریک پہلو بے نقاب کرتے ہیں۔ یوم عاشورہ تک آتے آتے کوفیوں نے جو ظلم ڈھائے اور حق کے باسیوں کو جس طرح ستایا اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے تخلیقی قوت سے بارہوی ویسا ہی منظر تخلیق کرتے ہیں جو اس موقع کا فطری تقاضا تھا مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے چند اشعار

سمجھے ہوئے تھے شام کی ظلمت کو دستگیر دام و درم کی آگ سے پگھلے ہوئے ضمیر
آنسو حیوانیت کے جال میں انسان تھے اسیر ہر آنکھ سے برستے تھے غارت گری کے تیر
باقی تھا کس میں ہوش حساب و کتاب کا
سر چڑھ کے بات کرتا تھا جادو شراب کا(۶۹)

قیصرؔ بارہوی کے کلام کے مطالعہ سے ان کی قوت تخیل کی بلندی کا تجزیہ بار بار ہوتا ہے درج ذیل اشعار میں جو منظر پیش کیا گیا ہے اس میں کوفی جبر کی ایک فضا موجود ہے ان کے رثائی کلام کا امتیاز ہے کہ انہوں نے مرثیہ گوئی میں موضوعات کی پیش کش میں اپنے دور کے جبری نظام کی مزاحمت کرنے کے ساتھ ساتھ یزیدی ظلم کی تصویر پیش کی ہے:

چاروں طرف رعونت شاہی کی برچھیاں — ہر زندگی پہ جبر حکومت کی سختیاں
بیعت کی ضربتوں سے شرافت کی دھجیاں — غیرت کا خون مرگ حمیت کی سرخیاں
پھرتے تھے لوگ ساغر وحشت لئے ہوئے
مغرور قہقہے تھے جنازے لئے ہوئے(۷۰)

مرثیہ کے اس بند میں یزیدی ظلم و ستم کا نقشہ بڑی سلاست روانی برجستگی، تلمیحات و استعارات کے ذریعہ کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے ایک مثال دیکھیے یزیدی دور کے مسلمان پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

طوفاں تھی یزید کے فکر ونظر کی آگ — گلشن جلا رہی تھی دل فتنہ گر کی آگ
گھیرے ہوئے تھی خیر کو تصویر شر کی آگ — جھلسا رہی تھی روح کو رخسار زر کی آگ
بربادیاں تھیں گردش دوراں کے ساتھ سے
قرآں جل رہا تھا مسلماں کے ہاتھ سے(۷۱)

قیصرؔ بارہوی کے کلام میں رثائیت کا پہلو توانا ہے اس مسدس میں اسلام کے ازلی دشمن باطلی صفات رکھنے والے نمائندے کا مکمل نظریہ بیان کیا گیا ہے جس نے انسانیت کی تمام حدود قیود کو توڑا اور اپنی مکروہ سوچ کو پروان چڑھانے کے لیے حق کے نگینوں پر دھاوا بولتے ہوئے ظلم کی داستان رقم کی اس ضمن میں قیصرؔ بارہوی نے یزیدی ظلم کے بارے میں یوں لب کشائی کی:

ظالم کے ہر خیال پہ نخوت سوار تھی — کہیے جسے لباس بشر میں درندگی
کرتی تھی رقص شیشہ بیعت میں مرگئی — کہیے جسے یزید کا آئین خود سری
ذرہ وقار شاہ نجف دیکھنے لگا
بو جہل مصطفیٰؐ کی طرف دیکھنے لگا(۷۲)

درج ذیل اشعار امام حسینؑ کی عظمت، آپ کے رفقاء کی جرأت کو واضح بیان کیا گیا ہے اس کا پہلا شعر عصر عاشور کی منظر کشی پر مبنی ہے اس شعر سے واضح ہے کہ کائنات کی ہر شے پر معرفت امام عیاں ہو جاتی ہے۔ مرثیہ نگار کے نزدیک ہمیں اپنی تعداد کو مد نظر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ حق بات کو برملا کہنا چاہیے جب اس حوالے سے کربلا کے کرداروں کا تعین کیا جائے تو مقصد رسالت کی تبلیغ کے لیے بہتر شیدائی میدان عمل میں نظریہ حق کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

تاروں نے پڑھ لیا شب عاشور کا سبق　　گلزار انتخاب پہ قرباں ہوئی شفق
سورج کی طرح مصحف کردار کے ورق　　اسلام کے نشان بہتر ستون حق
سب مقصد رسولؐ کی تصویر بن گئے
شبیرؑ کی نگاہ سے شبیر بن گئے(۷۳)

اس مسدس کے مطابق انسانوں میں جہاں پر قربانی کا جذبہ ہوتا ہے وہاں پر یہ کیفیات زمانہ مستقبل کے لیے روشنی سمت کی سہولت فراہم کرتی ہیں امام حسینؑ کا کفار اور فوج یزید کے مقابلے میں کھڑے ہونا اور غلط کاموں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا انقلاب کی علامت بن گیا لہذا آپؑ کے فکری رویے کی چھاپ تمام مرثیہ نگاروں کے کلام میں جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ مرثیہ "حسینؑ اور انتخاب" میں قیصر بارہوی نے واقعہ کربلا کے تناظر میں شاہی طرز حکومت کے خلاف آواز بلند کی ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرثیہ کا موضوع خود بخود ان کے فکری نظریے کی بہترین علامت بن گیا۔ قیصر بارہوی کے دور میں وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ کربلا کے پیچھے موجود عظیم مقصد اور عظیم قربانی کو اجاگر کیا جائے تاکہ سامراجیت سے نجات حاصل کی جا سکے انہوں نے آل محمدؐ کی حیات طیبہ کے ان نقوش کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے جن کی پیروی عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکے۔ قیصر بارہوی نے اپنے مراثی میں محمدؐ و آل محمدؐ کے فلسفہ حیات کی تشریح و تفسیر سے ایک طرح کی جدت و ندرت اور فکری گہرائی پیدا کر دی ہے شبیہ الحسن کا کہنا ہے "قیصر بارہوی ایک ہمہ جہت شاعر تھے انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی مگر اپنی فکر اور اسلوب بیان سے انہوں نے مرثیے کی صنف کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کیا اور اسے ہم عصر اصناف میں ممتاز مقام دلانے کی کامیاب کوشش بھی کی"(۷۴) انہوں نے معرکہ کربلا کے تناظر میں مرثیے کہ کر اردو مرثیے کے دامن کو اسلامی فکر کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ زمانے

کی بدلتی ہوئی قدروں سے آشنا تھے سماجی صورت حال کی ابتری دور کرنے کے لئے وہ اپنے مرثیوں میں فکری ربط اور مرثیہ کی داخلی تنظیم پر بھی نظر رکھتے ہیں جہاں سوالیہ انداز اختیار کیا ہے وہ سادگی کے ساتھ غور و فکر کے ابواب وا کرتا ہے مختصر یہ کہ قیصر بارہوی اردو مرثیہ نگاری کے جوہر کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں من جملہ قیصر بارہوی کے مرثیے اپنی تخلیقت میں بدلتے ہوئے حالات اور نئے تقاضوں کے متحمل ہیں انہوں نے مرثیے میں اپنے تخلیقی سانچوں اور فکری ڈھانچوں میں نئے لامحدود موضوعات کو شامل کیا تا کہ نئے دور کی کرب ناکی کا جواز مرثیہ نگاری میں بارز ہو علاوہ ازیں ان تمام معاشرتی تلخیوں کی تصویر کشی کی جن سے جدید دور کا انسان دوچار ہے۔

ج۔ معرکہ حق وباطل بحوالہ مرثیہ نسیم امروہی

حق کی ترویج کے لیے جو ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں ان میں معرکہ حق و باطل نہایت اہم ذریعہ ہے جس کے مطالعہ سے کچھ ایسی چیزیں حاصل ہوتی ہیں جو انسانی جذبات کو نئی امید دلاتی ہیں اور یہ جذبات انسان کو ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ دیتے ہیں اور لوگوں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ حق کی خاطر قربانی سے دریغ نہ کریں اس معرکے میں حضرت امام حسینؑ ادیان الہیٰ کی صورت میں سامنے آتے ہیں جبکہ یزید نمائندہ ابلیس کی صورت میں سامنے آتا ہے اس طرح یہ معرکہ دو نظریات کو پروان چڑھاتا ہے جن میں ایک کو حسینیت کے عنوان سے جانا جاتا ہے دوسرا نظریہ یزیدیت کے روپ میں سامنے آتا ہے یہ نظریات سیاسی حیثیت میں حق اور باطل کے افکار کو واضح کرتے ہیں کرب وبلا میں امام عالی مقام کا سر قلم ہو جانے کے باوجود آج بھی لہو بول رہا ہے مزاحمت کا عنصر اپنے پورے وجود کے ساتھ یزیدیت کو للکار رہا ہے اور حق کی صدا کو حسینیت زندہ باد کے نعروں سے مرتب کر کے دنیا میں حق و باطل کے مابین تمیز کے فلسفہ کو اجاگر کر رہا ہے۔ نسیم امروہی نے معرکہ حق و باطل کے اس راز کو پالیا ہے کہ وقت ہر قوم کو آزماتا ہے تب ہی ان کے تخلیقی مرثیوں میں امام حسینؑ کا فکری، سیاسی شعور کار فرما ہے مرثیہ "جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے" کی بنیاد حسینی فکر پر مبنی ہے جو سیاسی شعور کے لیے راہ ہموار کرتی ہے امروہی نے اپنے خطے کی سیاست میں بنتی نئ آمرانہ پالیسیوں کی شر انگیزیوں کا سامنا کیا اور ان کے سیاہ کارناموں کے خلاف بھرپور مزاحمتی رویہ اپنایا۔

i۔ جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے

نسیم آمروہی نے متنوع اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے تاہم ان کی اصل شناخت مرثیہ گوئی ہے نسیم آمروہی صاحب طرز ادیب، شاعر اور بے مثال مرثیہ نگار تھے اور انہی صلاحیتوں کی وجہ سے ''فرزوق ہند'' کے خطاب سے نوازے گئے انہوں نے سینکڑوں لاجواب مرثیے کہے مرثیہ گوئی کا فن آپ کے خون میں موجود تھا اور آپ کے رگ وپے میں رچ بس گیا تھا مرثیہ آپ کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا مرثیہ گوئی کے ساتھ آپ کی وابستگی اتنی گہری تھی کہ جب آپ کا انتقال ہوا اس وقت بھی آپ ایک مرثیہ لکھ رہے تھے آپ کی ضعیف العمری کے پیش نظر آپ سے ایک انٹرویو میں سوال کیا گیا کہ کیا آپ اب بھی مرثیہ کہہ رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا تھا: ''مجھ سے یہ سوال مرض المست مے مبتلا ہونے کے وقت کیا جائے تو بر محل ہو گا کم و بیش ۵۵ برس سے مرثیہ کہنے کی عادت ہے چائے اور روٹی وغیرہ بھی ایک عادت ہے اور بہت سی باتوں کی عادت ہے ۵۵ برس کی عادت کے بعد جب وہ چیزیں ترک نہیں ہو سکتی ہیں تو مرثیہ کیوں کر ترک ہو سکتا ہے''(۷۵) نسیم آمروہی نے معرکہ حق و باطل کو اپنے متخیلہ سے یوں پیش کیا ہے کہ جیسے وہ خود اس معرکہ میں موجود تھے انہوں نے مرثیہ میں یزیدی جبر کی مزاحمتی تصویریں پیش کیں کمال یہ ہے کہ منتخب مرثیہ نگار کربلائی کرداروں کی فطرت کے مرقع پیش کرتے ہوئے اپنے دور کے آزمائشی و پس ماندہ حالات و واقعات کو بھی جھنجھوڑ ڈالتے ہیں ان کے مرثیے پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصر حاضر کے انسانی کرب کو آسانی سے اشعار میں سمو ڈالتے ہیں کہ یہ مرثیہ کا جزو نظر آتا ہے ایک مرصع کار کی طرح مرثیے کو آراستہ کیا اور اسے ماتم بین کی تنگ فضا سے نکال کر ادبی صنف بنا دیا۔ منتخب مرثیہ نگار نے زمانے کے بہت سے انقلابات کا مشاہدہ کیا تھا اس مشاہدے کا ثبوت ان کی مرثیہ نگاری میں ملتا ہے انہوں نے مسلمان قوم کو فکری طور پر بیدار کرنے اور ایک قوم کی حیثیت دینے کی کوشش کی ساتھ ہی زندگی کے مسائل کو اپنے مرثیوں میں جگہ دی ہے اور لوگوں کو اپنے مرثیوں کے ذریعے عمل کی طرف مائل کیا ہے انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اسلاف کے کارناموں کا بیان عام لوگوں کو حقیقی جدوجہد کی طرف مائل کر سکتا ہے، نسیم آمروہی نے ۲۲۵ سے زائد مرثیے لکھے جن میں زیادہ تعداد مذہبی اور شخصی مرثیوں کی ہے مرثیہ ''جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے'' میں خیر و شر کے تصادم کو پیش کیا گیا ہے اور یہ تصادم مرثیے میں جگہ جگہ پایا جاتا ہے ساتھ ہی مزاحمتی عناصر کی عکاسی کرتے ہوئے منتخب مرثیہ نگار نے اپنی اخلاقی فکر کو رثائی کلام میں سمو دیا ہے اور لوگوں کو صحیح فکر اختیار کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے انہوں نے مرثیے کے موضوع کو بھی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے اردو

زبان کو ایسے مرثیوں سے نوازا جس سے مرثیے کی تاریخ میں ایک طرح کی فکری تازگی و معنویت دکھائی دیتی ہے مرثیے میں عصر حاضر کے تمام مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے سیاسی برائیوں اور کوتاہوں کو شدت سے محسوس کیا قوم کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے منتخب مرثیہ نگار نے جو پیوند کاری کی ہے وہ یقیناً جدید مرثیے کے قافلے کو ایک مزاحمتی ترقی پسند راہ کی طرف لے جاتی ہے اور ان کو باقی مرثیہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

جانتے ہیں یہ ہمیشہ سے زمانے والے ہم ہیں قلت میں بھی کثرت کو دبانے والے

سر سے میداں میں کفن باندھ کے آنے والے بڑھ کے چولیں در خیبر کی ہلانے والے

ہم نے قرآن پڑھا جھوم کے بت خانوں میں

ہم نے تکبیر کہی ڈوب کے طوفانوں میں (۷۶)

نسیم آمروہی کے کلام میں حریت کا جذبہ ہے انہیں مسلم امہ کی زوالی کا احساس بھی ہے تب ہی انہوں نے مرثیے میں مسائل حیات کے بعض الجھے ہوئے عقدوں کو سلجھانے کی کوشش کی اور مرد مومن کی صفات کی مثالیں دے کر قوم کو بھی وہی طرز فکر اور طرز عمل اپنانے کی دعوت دی اس کی مثال دیکھیے:

کافروں کی ہوں صفیں لاکھ تو کیا خوف کی بات

مرد مومن کا سہارا ہے بس اللہ کی ذات

ہم جہادوں میں جما دیتے ہیں جب پائے ثبات

حشر تک سے نہیں ڈرتے ہیں کہاں کے حشرات

کیا سبب کیوں صفت باطل سے مسلمان ڈریں

چیونٹیاں مورچے باندھیں تو سلیمان ڈریں (۷۷)

جدت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ آسان زبان استعمال کی جائے زبان بامحاورہ ہو اس میں لچک بھی ہو اور تمام مضامین کو اس زبان میں ادا کیا جائے منتخب مرثیہ نگار کی زباں پر گرفت اور عبور کے بارے میں پروفیسر منظر عباس نقوی رقم طراز ہیں: ''نسیم عباس کے پاس الفاظ کا زبردست زخیرہ ہے اور ان الفاظ کو اس خوبی سے استعمال کیا گیا ہے کہ شعر کے حسن میں چار چاند لگ گئے ہیں''(۷۸) درج ذیل اشعار میں نسیم آمروہی مسلمانوں کے قول و فعل کے تضاد پر سخت مزاحمتی تبصرہ کرتے ہیں:

صاف کوئی نہیں کہتا کہ ہے قرآن غلط زیر لب کہتے ہیں معراج کی ہے شان غلط
عصر حاضر میں ہے والعصر یہ ایمان غلط قسمتیں مل گئیں والنجم کا عنوان غلط
وہ حقیقت ہے فضا میں جو غبارا جائے
وہ تصنع ہے ستارا جو اتارا جائے (۷۹)

مسلمانوں کی سماجی پستی کی جھلک ملاحظہ کیجیے:

ذکر کیا غیر کا دیوانہ تو دیوانہ ہے جو یگانہ ہے وہ اب شرع سے بیگانہ ہے
منتشر سبحہ ملت کا ہر اک دانہ ہے خانہ جنگی سے فقط رونق کا شانہ ہے
سب ہیں غازی مگر آپس میں جھگڑنے کے لیے
اک رضا کار نہیں نفس سے لڑنے کے لیے (۸۰)

عہد حاضر میں مرثیہ نگاری کی آبیاری میں نسیمؔ امروہی اپنے ہم عصر مرثیہ گو شعراء پر اس لحاظ سے بھی فوقیت رکھتے ہیں کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد اپنے ہم عصر شعراء سے کہیں زیادہ تھی اس بارے میں کاظم علی خاں رقم طراز ہیں: ''عہد حاضر میں مرثیہ نگاری کی آبیاری میں نسیمؔ نے اپنے ممتاز معاصرین جوش و آل رضا کے مقابلے میں اس لحاظ سے بھی زیادہ نام پیدا کیا کہ انہوں نے صنف مرثیہ کو اپنے شاگردوں کی کثیر تعداد کے ذریعے بھی رائج کیا ہے۔ مرثیہ نگاری میں جوش و آل رضا کے شاگردوں کی تعداد علی الزعم تلامذہ نسیمؔ امروہی کی تعداد کہیں زیادہ ہے''(۸۱) فکری اعتبار سے نسیمؔ امروہی بہت بڑے مرثیہ نگار کہلائے جاتے ہیں مرثیے میں فکری بیداری کے لیے دنیا کے مختلف خطوں میں ظلم میں جکڑے ہوئے لوگوں سے اپنا رشتہ جوڑنے میں یہیں سے مرثیے میں ان کا بین الاقوامی فکری تصور اجاگر ہوتا ہے۔ سجاد باقر رضوی نسیم امروہوی کی مرثیہ گوئی کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''مرثیہ گویوں میں ان کا نام سرفہرست تھا اور اس صنف سخن میں وہ اعلیٰ روایات کے پاسدار اور جدید رجحانات کے علمبردار تھے زبان دانی اور معنی آفرینی دونوں میں ایک خاص مرتبے کے حامل تھے''(۸۲) منتخب مرثیہ نگار نے الفاظ کو تراش خراش کر کے مرثیے کی بلند و بالا عمارت کھڑی کر دی مرثیے میں اسلاف کی بہادری کے کارناموں کا ذکر کیا تا کہ لوگوں کا شعور بیدار ہو مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

دل حق بیں سے کہا ہم نے فنا کینوں کو
دی جلا جنگ کی تہذیب کے آئینوں کو
بڑھ گئے رن میں کبھی تان کے جب سینوں کو
رکھ دیا سلیبوں سے توڑ کے سنگینوں کو
کون حالات سے ماضی کے خبر دار نہیں
وہ کہ جل ہم ہیں جو کرار ہیں، فرار نہیں
ہم نے سر توڑ دیا جس نے رعونت جب کی
ذکر قرنوں کا نہیں بات ہے کل کی اب بھی
دبدبے سے تو نہیں دب کے یہ سر جھک سکتا
موت رک سکتی ہے یہ جوش نہیں رک سکتا(۸۳)

مرثیے میں ان کی فکر اور جذبے کا حسین امتزاج ملاحظہ کر سکتے ہیں قوم کو ولولہ اور جوش دلانا بھی جانتے ہیں درج ذیل اشعار ان کے اعلیٰ فکری احساس کا اظہار قاری کو ایک نئی کشش عطا کرتا ہے گویا معرکہ حق و باطل اور دور حاضر کی سیاسی صورت حال ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہیں ان کی اپنے کلام سے گہری وابستگی ان کی قوت فکر کی پہچان بن گئی اشعار ملاحظہ کیجیے:

درس دیتا ہے یہی فوج حسینی کا عمل　　کہ نہیں کثرت افراد دلیری کا بدل
عزم صادق ہے فقط عقدہ دشوار کا حل　　چند مخلص ہوں تو کافی ہیں دم جنگ و جدل
کبھی بڑھ بڑھ کے لڑیں اور کبھی تھم تھم کے لڑیں
پاؤں لاکھوں کے اکھڑ جائیں جو ہم جم کے لڑیں(۸۴)

مرثیہ "جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے" ظاہری طور پر سادہ مگر اپنے اندر معنی کی کئی کئی سطحیں لیے ہوئے ہے انہوں نے مرثیے میں اپنے اسلاف کی بہادری کو دنیا کے سامنے آشکار کیا ہے تاکہ مسلمان عملی طور پر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں منتخب مرثیہ نگار کی انفرادیت ہے کہ وہ انفرادی علائم کے بجائے اجتماعی علائم کا برملا استعمال کرتے ہیں یہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نسیم امروہوی نے اپنی قوم کو تنبیہہ کرتے ہوئے یوں پیغام کو علائم کے سہارے پیش کیا ہے:

کثرت فوج پہ بھولے نہ کوئی مست غرور   اور ہی کچھ ہے یہاں فتح و ظفر کا دستور
جو بھی ملت ہے رضا کار و فدا کار و غیور   اس کی بس ایک نظر میں ہیں دو عالم محصور
عزم ہے قلعہ کشا کثرت افراد نہیں
دل گنے جاتے ہیں میدان میں تعداد نہیں

اکثریت نہیں آفاق میں معیار ظفر   فوق ہے اک ماہ کامل کو ہزار انجم پر
خوب تر سینکڑوں کانٹوں سے ہے صرف اک گل تر   لاکھ الفاظ پہ بھاری ہے کڑی ایک نظر
اک صداقت سے ہے نو لاکھ کی تہمت باطل
جب ہو وحدت کے مقابل تو ہے کثرت باطل[۸۵]

نسیم آمروہی کے مرثیے میں انسانی اقدار کا رنگ نمایاں ہے ایسا صرف قول کی حد تک نہیں بلکہ وہ عملی طور پر مرثیے کے میدان میں اپنے فکری نظریے سے پیچھے نہیں ہٹے اور اس کے ارتقاء کے لیے مصروف عمل رہے ان کی فکری دریافت مسلم امہ کے گرد گھومتی رہی حفیظ تائب کا کہنا ہے: " مرثیے میں انہوں نے انیس کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اس میں روح عصر اس طرح سموئی ہے . کہ جدید مرثیے کے بہت سے امکانات سامنے آ گئے ہیں "[۸۶] منتخب مرثیہ نگار نے معاشرے میں موجود ہر اس پہلو کو واضح کیا ہے جو معاشرے پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں انہوں نے معاشرتی زندگی کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فکری باریک بینی سے چیزوں کو دیکھا اور ان پر کام کیا ہے نسیم آمروہی نے مرثیے میں اس چیز کو واضح کیا ہے کہ آج کل مسلمان اپنے مذہب سے دوری اختیار کیے ہوئے ہیں اور ہر طرف تصنع نظر آ رہا ہے ہر کوئی خود غرضی کی دھن میں مگن ہو چکا اور زندگی تنگ ہوتی چلی جا رہی ہے ان حالات میں نسیم آمروہی امام عصر مہدی علیہ اسلام سے التجا کر رہے ہیں کہ وہ آ کر حق کے قیام کی معاونت کریں تا کہ مسلم امہ اپنے آپ کو دینی اصلاح میں کامیاب کر سکے عصری حالات کا منظر نامہ نسیم آمروہی کی زبانی سنیئے:

دور قاعدہ زہد سے زاہد کا قعود   سر نگوں شرم ریا سے ہے مصلے پہ سجود
یہ تصنع ہے صلات اور بتکلف ہے درود   تو ہی غائب ہے تو کیونکر ہو حقیقت موجود
شان قدرت کی دکھا قادر مطلق کے لیے
بات نا حق کو بڑھی جاتی ہے آ حق کے لیے

منتشر دین کے اصول اب ہیں خدارا آجا   حق کی توحید بھی ہے یکہ و تنہا آ جا
عدل بھی ظلم کے ہاتھوں سے ہے رسوا آجا   بن کے اک بار نبوت کی تمنا آ جا

سن لے اس کی بھی کہ آخر ہے امامت تیری
منتظر حکم خدا سے ہے قیامت تیری(۸۷)

نسیمؔ امروہوی کی مرثیہ گوئی کی ایک امتیازی حیثیت یہ ہے کہ انہوں نے اظہار مطالب کے لیے مختلف اسلوبیاتی طریقوں سے کام لیا ہے ان ہی طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنی بات براہ راست کہنے کی بجائے کسی دوسرے کی زبان سے ادا کی جائے یہ تکنیک اقبال کے کلام میں بھی جھلکتی ہے نسیمؔ صاحب کے مرثیوں میں بھی یہ تکنیک جگہ جگہ نظر آتی ہے حسن عسکری کاظمی کا کہنا ہے ”مرثیے میں ان کے ہاں ہم عصر مرثیہ نگاروں سے زیادہ تنوع، پھیلاؤ اور تازگی پائی جاتی ہے جسے پڑھ کر ان کی علمیت، عظمت اور ریاضت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے“(۸۸) نسیمؔ امروہی کا علم اکتسابی نہیں تھا انہیں فطرت کی طرف سے ذہانت حاصل ہوئی تھی چناچہ ان کے ذہن میں کوئی بھی خیال داخل ہونے کے بعد ہزاروں طرح کے خیالات پیدا ہوتے تھے وہ بات میں بات پیدا کرنا خوب جانتے تھے اور گفتگو کے دوران اصل موضوع سے شاذ ہی بھٹکتے تھے اکثر و بیشتر اصلی وضوع کے مرکز پر ان کی مکمل گرفت ہوتی تھی قومی احساس فکر نے ان کے حساس ذہن پر اس قدر غلبہ پایا تھا اس ضمن میں ممتاز احمد نقوی لکھتے ہیں: ”نسیمؔ مرثیے کو قومی اصلاح اور حسینؑ کے انقلابی مشن کی تبلیغ کا آرگن بنانا چاہتے ہیں ان کا ہر مرثیہ مستقل پیغام ہے عزم و عمل کا ایک مجموعہ حریت و اجماد کا ایک نعرہ ہے ،بیداری و زندگی کا نسیمؔ کی فکر جوان اور مقصد انقلاب انگیز ہے“(۸۹) نسیمؔ امروہی نے مرثیہ نگاری اور مرثیہ گوئی کی مدد سے اردو کے رثائی ادب میں گراں قدر اضافے کیے ہیں اور فکری جدت سے مرثیے کو مذہب کے مخصوص دائرہ عمل سے نکال کر قومی اور ملکی خدمت سر انجام دی ہے نسیمؔ امروہی چراغ ہدایت ہیں جو مرثیے میں مختلف سماجی مسائل، سیاسی حالات، تاریخی واقعات کے معیار کو سمیٹے ہوئے ہیں جو ان کی ظرف بینی کا مظہر ہیں۔

د۔ تخریب کاری بحوالہ مرثیہ وحید الحسنؔ ہاشمی

تخریب کاری جہل کی زائیدہ ہے جس کی سب سے بڑی وجہ سماجی طور پر عدم مساوات اور قانون کا نہ ہونا۔ پاکستان میں عام انسانوں کی روز بروز تباہ ہوتی ہوئی زندگی اور حالات کے پیش نظر منتخب مرثیہ نگار نے

مزاحمتی محاذ آرائی شروع کی اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ہر اس تخریب کار گروہ کے خلاف آواز اٹھائی جنہوں نے انسان کی ازلی اقدار کو پامال کیا وحید الحسن ہاشمی نے پورے کرہ خاک کو بھسم کر دینے والے عناصر کا جب عروج دیکھا تو ان کا حصار توڑنے کی خاطر اپنی مٹھی بھر مزاحمت جاری رکھی خاص طور پر مادی ترقی کے سبب پیدا ہونے والی ابتر صورت حال نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا ذاتی مفاد رکھنے والے سیاسی ٹولے کی بدنیتی سے پاکستانی عوام کی زبوں حالی کا نقشہ اپنے تخلیقی مرثیے میں پیش کیا ہے انہوں نے مرثیے کے سہارے تخریبی قوت کے خلاف قلم سے جنگ کی اور ایسے لازوال مرثیے تخلیق کیے جو تخریب کار عناصر کی زہرناکی کو آشکار کر رہے ہیں۔

i۔ آئین

اردو صنف مرثیہ نے مسائل حیات کے کئی موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے مگر مرکزیت سانحہ کربلا اور اس کے متعلقات کو ہی حاصل رہی ہے واقعہ کربلا مظلوموں کی داستان، حق و صداقت کی علامت اور ظلم کے خلاف نعرہ حق بلند کرنے کا اشاریہ ہے آج کے ظلم و جبر نے کربلا کی یادیں تازہ کر دی ہیں جب امام حسینؑ اور ان کے اہل خانہ پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹے اور ان کی عظمتوں کو پامال کیا گیا تھا ان قربانیوں کے عوض اسلامی تاریخ میں وہ زندہ جاوید ہو گئے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''اسلام کی تاریخ میں بالخصوص اور انسانیت کی تاریخ میں بالعموم کوئی قربانی اتنی عظیم اتنی ارفع اور اتنی مکمل نہیں ہے جتنی حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت جو کارزار کرب وبلا میں واقع ہوئی پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے نواسے اور سیدہ النساء فاطمہ زہرا اور حضرت علی مرتضیٰ کے جگر گوشے حسینؑ کے گلے پر جس وقت چھری پھیری گئی اور کربلا کی سرزمین ان کے خون سے لہولہان ہوئی تو درحقیقت وہ خون ریت پر نہیں گرا بلکہ سنت رسول اور دین ابراہیمی کی بنیادوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سینچ گیا وقت کے ساتھ ساتھ یہ خون ایسے نور میں تبدیل ہو گیا جسے نہ کوئی تلوار کاٹ سکتی ہے نہ نیزہ چھید سکتا ہے اور نہ زمانہ مٹا سکتا ہے اور وقت کی آندھیوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا''(۹۰)

آج کا انسان ایک جم غفیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے کیونکہ انسانیت کے بدلتے پس منظر نے مایوسی، بے بضاعتی جیسے احساسات کو دوچند کر دیا ہے اب نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ اس کی

پریشانیوں کو ختم کر سکتا ہے کیونکہ تمام نظریات و عقائد سے اس کا بھروسہ اٹھ گیا ہے ظالموں کا نہتے کمزور لوگوں پر ظلم کا قہر نازل کرنا، ان کی بستیوں کو جلانا پھر اپنا روپ بدل کر ان کی مدد کرنا۔ جائے اماں کی تلاش میں بھٹکنا ساتھ ہی فرقہ وارانہ فسادات جو مذہبی تعصب اور شر پسند عناصر کے ظلم و جبر کی داستان ہیں منتخب مرثیہ نگار کو ایسی تخریبی صورت حال کا سامنا ہے حیات انسانی کے نت نئے چیلنجز کو تمام سخن وروں نے اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے وحید الحسن ہاشمی جیسے حساس مرثیہ نگار نے اپنے ارد گرد پیش آنے والے فسادات، قتل، غارت گری، ظلم و جبر، دہشت گردی، ناانصافی اور ظلم و زیادتی کے خلاف آواز بلند کی ہے اور مرثیے کی ادبیت کو برقرار رکھتے ہوئے مزاحمتی مرثیے تحریر کیے ان کے رثائی کلام کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ کوئی ایک موضوع غالب رجحان کی شکل میں نہیں ملتا بلکہ زندگی کے تمام مسائل کی جھلک موجود ہے ہاشمی صاحب اپنے دور کے بد حال آئینی نظام سے نالاں نظر آتے ہیں انہوں نے ایسے انسانیت سوز عناصر کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے جس کا اندازہ مرثیہ ''آئین'' کے مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

اک اندھیرے میں گرفتار بلا ہے آدمی دیر سے اوڑھے ہوئے غم کی ردا ہے آدمی
وحشتوں سے اتنا گھبرایا ہوا ہے آدمی غیر سے اپنا پتہ اب پوچھتا ہے آدمی
خود ہے لب بستہ مگر دل کے لبوں پر بین ہے
یہ وہ دریا ہے جو پانی کے لئے بے چین ہے(۹۱)

مرثیہ ''آئین'' کے اشعار میں احتجاجی و مزاحمتی لہجہ پایا جاتا ہے ہاشمی صاحب نے سماج میں ظلم و زیادتی کی ہولی کھیلنے والوں کے خلاف کھل کر اپنے جذبات کو بیان کرتے ہوئے'' تف ہے'' جیسے الفاظ کے استعمال سے اپنے غم و غصہ کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں ان کا احتجاجی رویہ ملاحظہ کیجئے:

ملک میں جب پھولتی پھلتی ہے استبدادیت آدمیت کا لبادہ اوڑھ لے حیوانیت
لب پہ ہو لا مذہبیت دل میں دقیانوسیت لطف ہے اسی طرز کو کہتے ہیں سب جمہوریت
تف ہے ایسی مملکت کے شورا استحکام پر
قتل مسلم ہوں جہاں جمہوریت کے نام پر(۹۲)

کسی بھی سماج میں ظلم وزیادتی کے ماحول میں کوئی بھی ادیب، مرثیہ نگار سچی بات کہنے پر عتاب کا شکار ہو سکتا ہے مگر منتخب مرثیہ نگار نے اپنے معاشرے کے تخریبی حالات کو مرثیہ آئین میں من وعن پیش کیا اور نڈر پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ناساز گار حالات کو رقم کیا ہے لہذا اس دور کی صورت حال پر طنز کی بہترین مثال درج ذیل اشعار ہیں:

یہ جو پھینکے جارہے ہیں ہر طرف طعنوں کے سنگ
یہ جو جاری ہے ادب بازار میں برسوں سے جنگ
یہ جو پیہم چل رہے ہیں بھائی بھائی میں خدنگ
یہ جو یکرنگی میں پیدا ہو گئے ہیں لاکھ رنگ
یہ جو راہوں میں مہیا موت کا سامان ہے
یہ نہیں قہر خدا آئین کا فقدان ہے

ظلم سے بچنے کا واحد آسرا آئین ہے — جبر کو پا بند کرے کی ادا آئین ہے
ملک و ملت کا مسلم رہنما آئین ہے — جب زباں کٹنے لگے اس کی دوا آئین ہے
اپنی سطروں کے شکنجوں میں جکڑ لیتا ہے وہ
آدی کیا ہے ارادوں کو پکڑ لیتا ہے وہ (۹۳)

ہاشمی مجلس شوریٰ کے نام نہاد نمائندوں کی خوب خبر گیری کرتے ہوئے ملک میں رائج جمہوری نظام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں منتخب مرثیہ نگار نے مختلف علامتوں کے پردوں میں آمریت کے حقیقی برتاؤ کو خوب خوب آشکار کیا ہے:

یہ جو شوریٰ کو کہا جاتا ہے جمہوری نظام — یہ بھی چلتا ہے کسی آمر کے زیر اہتمام
حلقہ یاراں سے چن کر اپنے محبوبوں کے نام — اپنے ہاتھوں ہی میں رکھتا ہے وہ مجلس کی زمام
گوش عبرت میں سہانے ڈھول ہیں یہ دور کے
ساز آمر کا ہے لیکن بول ہیں جمہور کے (۹۴)

آج کے دور کو ہم ایک تخریبی دور کہہ سکتے ہیں آج بھی آمریت کا بول بالا ہے مذہبی تعصب، فرقہ واریت، قتل و غارت گری، دہشت گردی، مظلوموں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا کسی بھی معاملہ کو مذہبی رنگ دینا جیسی ہولناک صورت حال کی مرثیہ آئین کے درج ذیل اشعار میں جھلکتی دکھائی دیتی ہے:

آمریت کو بھی کچھ سمجھے ہیں آئین حیات وہ یہ کہتے ہیں اسی سے ہے تمدن کو ثبات
نسل انسان کی ہے بس شخصی حکومت میں نجات فرد جب چاہے تو کر سکتا ہے رد ملت کی بات
مرضی حق سے بنا ہے حکمراں انسان کا
وہ نمائندہ ہے دنیا میں خدائی شان کا(۹۵)

وحید الحسن ہاشمی نے اپنے فکری افکار و خیالات کا پرچار ان الفاظ میں کیا ہے:

دیکھ لیں تاریخ عالم کم ہیں جاہل سینکڑوں مختصر اہل خرد ہیں اور غافل سینکڑوں
اہل حق محدود ہیں اور اہل باطل سینکڑوں ایک ہی شیر خدا ہے اور بزدل سینکڑوں
آج بھی ظالم ہے بد مظلوم کا دل نیک ہے
لاکھ ہیں شیطان لیکن صاحب الامر ایک ہے(۹۶)

مرثیہ ''آئین'' کے درج ذیل اشعار سے شر پرست معاشرے کی ہنگامہ خیز حالات کو دیکھا جاسکتا ہے وقتی سکون حاصل کرنے والے آمر اپنی انا کے خول میں لپٹے دوسروں پر سبقت لے جانے کی ہوس میں اپنی معاشرتی اقدار کو پامال کرنے کے لئے نت نئی تدابیر اختیار کرتا رہتا ہے بقول ہاشمی

اپنی طاقت کی سیاست سے جو بنتا ہے امیر کھینچتا رہتا ہے پانی پر امارت کی لکیر
خاک نخوت سے اٹھا ہے جس کی قوت کا خمیر وہ تو چاہے گا کہ خاص و عام ہوں اس کے اسیر
عزم رکھتا ہے کہ دنیا کے سہارے نوچ لے
بس نہیں ورنہ وہ گردوں کے سہارے نوچ لے(۹۷)

وحید الحسن ہاشمی ایک حقیقت پسند انسانیت اور انسانی قدروں کے علمبر دار مرثیہ نگار تھے ان کے مرثیوں کی فکری سرچشموں کا احاطہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر موضوعات میں انہوں نے معاشرتی ناانصافی، اخلاقی گراوٹ، لوٹ کھسوٹ، طبقاتی تفریق جیسی خامیوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے جس

مرثیہ نگار کے ہاں ان منفی عناصر کا ارتقاء جتنا نمایاں اور متوازن ہو گا اس کی تخلیقات اسی حد تک کامیابی کی ضامن ہوں گی اس ضمن میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کا کہنا ہے:

"جناب وحید الحسن نے "آئین" کے پچاس بندوں میں آغاز سے لے کر اختتام تک لفظ و معنی کا جو دروبست قائم رکھا ہے وہ ان کی ریاضت اور فنی مہارت کی روشن دلیل ہے ترکیب سازی سے زیادہ مضمون آفرینی کی طرف توجہ اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ مرثیے کا عنوان "آئین" ہر بند میں اپنی معنویت کو اجاگر کرتا ہے اور وہ جو عنوان کو پڑھ کر ایک عجیب سا تاثر قاری کے دل میں پیدا ہوتا ہے تو مرثیہ پڑھتے ہوئے اس کی وضاحت خود بخود ہو جاتی ہے اور اس تناظر میں وحید الحسن ہاشمی کے کمال فن کا معترف ہونا پڑتا ہے"(۹۸)

درج ذیل اشعار میں ہاشمی صاحب نے آمریت کے داخلی و خارجی روپ پیش کیے ہیں مرثیے کے درج ذیل دونوں بند میں مرثیہ نگار نے صدیوں سے رائج انسانیت کو شرمسار کرنے والے تخریب کار عناصر جن میں سرفہرست آمریت پر طنز کیا ہے جس طرح امام حسین علیہ السلام نے ان کے خلاف مضبوط آواز بلند کی اپنا گھر لٹایا اور آنے والوں کو اس تخریبی لعنت کی تباہی و بربادی سے نجات کا شعور بیدار کیا اکسٹھ ہجری میں رونما ہونے والا سانحہ دراصل حق و باطل کی ایسی جنگ جس میں ایک آمر کی تخریب کاری کو ایک ششماہی بچے نے کچل ڈالا اپنے دور کی افرا تفری، نفسا نفسی کے زہر کو کچلنے کے لیے ہاشمی قوم کو یقین دلا رہا ہے کہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے حسینی جذبے کی ضرورت ہے:

آمریت اہرمن کے خواب کی تعبیر ہے — آمریت طوق گردن پاؤں کی زنجیر ہے
آمریت ظلم کے ذہر اب کی تاثیر ہے — آمریت حلق دیں پر حرملہ کا تیر ہے
آمریّت زعم باطل کوش کا اظہار ہے
آمریّت پیش حق ابلیس کا انکار ہے

مسخ ہوتے دیکھ کر آئین رب المشرقین — آمریت کے شجر کو کاٹنے اٹھے حسینؑ
آدمیت کے تحفظ کو سمجھ کر فرض عین — ڈوبتے منشور حق کو دے دیا گھر بھر کا چین
دیں پناہی کو بقا پرور جگر پارہ لئے
کربلا میں آگئے بچے کا گہوارہ لئے(۹۹)

ii۔ جارحیت

منتخب مرثیہ نگار ایک انسان دوست فنکار تھے اس لیے انہوں نے اپنے رثائی کلام میں مختلف پہلوؤں سے عوامی مسائل پر روشنی ڈالی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے ہاشمی صاحب نے اپنی فکری راہ نمائی سے سماج کے زخموں سے رستے خون پہ صرف دوا ہی نہیں لگائی بلکہ گیرائی و گہرائی کے ساتھ ان بنیادی اسباب کو پیش کیا ہے جو ملک کے معاشرتی نظام کی جڑ کو کھوکھلا کرنے میں پیوست ہیں چونکہ عالمی سطح پر دنیا کے حالات ان کے سامنے تھے اس لیے مرثیے میں انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اسی نکتے پر دی ہے وحید الحسن ہاشمی تمام برائیوں کی جڑ جارحیت کو مانتے ہیں مرثیہ ''جارحیت'' میں نہ صرف اس کی حقیقت دکھانے پر اکتفا کیا گیا ہے بلکہ اسے بدلنے پر بھی زور دیا گیا ہے معاشرتی کرب ناک حالات کے ہر پہلو پر تبصرہ کیا گیا ہے اس حوالے سے اشعار دیکھئے:

یہ آدمی کی شرربار سر کشی کی ادا　　جفا پسند ہو لناک زندگی کی ادا
دیارِ امن و اماں میں ستمگری کی دوا　　خدا کے امر سے منہ موڑ کر خودی کی ادا
یہی تو رہزن تہذیب آدمیت ہے
اسی کا نام زمانے میں جارحیت ہے(۱۰۰)

ان کے مرثیوں کی روشنی میں فکری کینوس کا احاطہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ عصر حاضر کی تخریب کاری صاف دکھائی دیتی ہے منتخب مرثیہ گو کے پورے رثائی سرمائے پر نظر ڈالی جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ملک سے بے انتہا انسیت تھی اسی اٹوٹ انسیت و وابستگی نے انہیں مرثیہ کہنے پر اکسایا یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام مرثیوں میں ابھرتے مزاحمتی عناصر مرثیے کو قابل توجہ بناتے ہیں ملکی حالات پر تنقیدی تبصرہ ملاحظہ کیجئے:

ہر ایک دور میں طاقت رہی متاع حیات　　اٹل ہی سمجھی گئی سر براہ ملک کی بات
غضب ہے بن گئی رہزن کی راہ راہ نجات　　غریب رہ گئے کھانے لگے امیر زکوۃ
دروغ گوئی کی دولت جہاں میں بٹنے لگی
بس اب یہ حد ہے کہ سچ پر زبان کٹنے لگی (۱۰۱)

درج ذیل اشعار میں وحید الحسن نے اپنے ملک کے سماجی نظام کو بے نقاب کیا ہے جہاں انسانیت کے جذبات و احساسات کی کوئی قدر نہیں مرثیہ گو نے پس ماندہ طبقے کی نفسیاتی حقیات کو بیان کرتے ہوئے اس کا بنیادی پہلو ماحول کو قرار دیا ہے جس کی بے توجہی کس طرح انسانیت کو داغ دار کرتی ہے ایسے انسانیت سوز تخریبی ماحول میں طبقاتی تفریق کی جھل کپٹ ان کی زبانی سنیئے:

ملی کسی کو جو طبعی رکاوٹوں سے نجات — تو کوسنے لگیں اس کو سماج کی آفات
ہے ایک کنبہ مگر اس کے مختلف طبقات — جسے بھی دیکھو بتاتا ہے اپنی اونچی ذات
ضیاع وقت کا ہوتا ہے ایسی باتوں میں
کہ جیسے دیں کے مدارج چھپے ہیں ذاتوں میں[۱۰۲]

بے روز گاری بھی تخریب کی علامت ہے ہاشمی جیسے حساس مرثیہ نگار نے اس پر کس طرح خامہ فرسائی کی ہے درج ذیل اشعار میں اس کی وجہ سے حالات کی تلخی سے خوف مرگ کا احساس ہوتا ہے اس منفی عنصر کی مزاحمت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

طبعیتیں ہیں تلاش معاش میں بے چین — جو دل شکستہ ہیں رہ رہ کے کر رہے ہیں بین
تڑپ رہا ہے بشر موت و زیست کے مابین — تمام عمر کٹی اور ادا نہ ہو سکا دین
ستم رسیدہ و سینہ فگار کیسے جئے
کوئی بتائے کہ بے روز گار کیسے جئے[۱۰۳]

مرثیے کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے ہاں زندگی کے منفی اور مثبت دونوں پہلو موجود ہیں آج کی دگر گوں صورت حال ہمارے معاشرتی نظام کی زائیدہ ہے اس نظام کی اخلاقی گراوٹوں سے ہاشمی کو بھی نفرت ہونے لگتی ہے جہاں برائیوں اور بد عتوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تب ہی مرثیہ ''جارحیت'' کے درج ذیل اشعار میں ان کا اسلوب بیاں احتجاجی اور طنزیہ زہر ناکی سے مملو ہو جاتا ہے مثال دیکھیے:

عذاب جاں ہے جہاں میں معاشرے کا رواج — خدا ہی چاہے تو ممکن ہے اس مرض کا علاج
اگر نہ مانے رسومات کو کسی کا مزاج — تو اس سے کرتا ہے ترک تعلقات سماج

شعور و فکر بشر سے جدا سمجھتا ہے
وہ اپنے آپ کو شاید خدا سمجھتا ہے (۱۰۴)

وحید الحسن ہاشمی کے تمام مرثیے سماجی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں جس میں وہ اپنی فکری اصلاح کو لے کر ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں جہاں ہر کوئی اپنے حقوق کو پہچان لے معاشرے میں پھیلی منفی حرکات فشار، نفرت، خودکشی، بے چینی و اضطراب، رنجشیں، بدگمانیاں، بغاوتیں جہاں انسان کے جذبات کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہے درج ذیل اشعار کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ نگار اپنے ملک کی تخریبی اور غیر محفوظ فضا کو نہیں سمجھ پاتا درج ذیل جملوں سے بگڑے حالات کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے:

جو خودکشی ہی کو ٹھہرائے زندگی کا مآل   تو اس کے پیش نظر کچھ نہیں جدال و قتال
یہ جبر چھین لے اہل کمال و فضل کا حال   بھلا دے قلب سے خالق کی عظمتوں کا خیال

عداوتوں کی دکانیں سجا کے بیٹھ رہے
عقیدتوں کے صحائف جلا کے بیٹھ رہے (۱۰۵)

مرثیہ "جارحیت" مرثیہ نگار کے تجربات پر مبنی حقیقی زندگی کا نوحہ ہے قلم کار ایسے معاشرے میں جی رہا ہے جہاں ہر انسان عجیب قسم کی نفسیاتی مقتضیات زندگی کے آگے مجبور ہے اور الجھنوں کا شکار نظر آتا ہے کیونکہ تخریبی حالات نے انسانی اقدار پر کاری ضرب لگائی اس لیے مرثیہ نگار کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ بنے بنائے جارحیت کے فارمولوں پر چلنے کی بجائے ان کے خلاف احتجاج کیا ہے:

کسی کی موت کی خواہش بھی جارحیت ہے   عدوئے دیں کی سفارش بھی جارحیت ہے
منافقوں پہ نوازش بھی جارحیت ہے   نبیؐ کی آل سے رنجش بھی جارحیت ہے

جسے کہا گیا تعمیل حکم بیعت کی
گلوئے حق میں رسن تھی وہ جارحیت کی (۱۰۶)

مرثیہ نگار چوں کہ سماجی تناظر میں اپنی فکر اور فن متعین کرتا ہے تو ایسے میں ہاشمی جب سماجی تخریب کے کرب سے دوچار ہوتے ہیں تو خود کلامی کرتے ہوئے خود کو اس دور میں لے جاتے ہیں جب نبیؐ کے وصال کے بعد بنی امیہ کے پجاریوں نے انسانی اقدار کو پامال کر کے جھوٹ اور مکر کا جال بنا ایسا ظلم کا جمود طاری کیا کہ الاامان تخریبی بدحالی و انتشار کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا جس کی پاداش میں دلدوز سانحہ کرب و بلا رونما ہوا منتخب

مرثیہ نگار نے مرثیے میں اس دور کے مورخوں کی زندگی کا نقشہ بھی کھینچا ہے جنہوں نے آسائشوں کے حصول کی خاطر اپنا قلم بیچ دیا جو مال و متاع کے حریص نکلے درج ذیل اشعار میں اموی سفاکیت کی حقیقت کو ہاشمی صاحب نے ان الفاظ میں بے نقاب کیا ہے:

نبی کے بعد رہا صید ظلم دیں کا حشم   علی کی جان تھی اور حکمراں کے جور و ستم
یہ فکر تھی کہ مٹے آل مصطفٰے کا بھرم   حکومتوں نے خرید لیے مورخوں کے قلم
تھی سعی عظمت سر تاج اولیا گھٹ جائے
کسی طرح یہ گھرانا عوام سے کٹ جائے (۱۰۷)

منافقت ایک ایسا طرز عمل ہے جس کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے انسان ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ اور ہوتا ہے منافقت کا بیج ہر دور میں انسانی سرشت میں چلا آ رہا ہے مرثیہ جارحیت کے اختتامی اشعار میں وحید الحسن نے بڑی عمدگی سے استعاراتی انداز میں لفظی تضاد کو فکری تضاد سے امتزاج کیا ہے بنیادی طور پر اس مسدس میں انصاف کا قتل بیان کیا گیا ہے کہ کیسے منافقین اسلام نے جارحیتی افکار کے نفاذ کے لیے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا درج ذیل اشعار میں ان تمام عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا ایسے تخریبی حالات کی وضاحت کرتے ہوئے وحید الحسن ہاشمی کہتے ہیں:

بغور دیکھ کے صبر ولی حق کا شعار   گھڑیں کچھ اتنی حدیثیں کہ لگ گئے انبار
جہاں میں گرم ہوا سب و شتم کا بازار   شکست دینے چلا کاروان حق کو غبار
علی نے وزن تو کم کر دیا تھا آفت کا
مگر نہ مر سکا عفریت جارحیت کا (۱۰۸)

درج ذیل اشعار میں ہاشمی کے جذبات ان کے فکری تناؤ کے جذبے کو واضح کرتے ہیں یہ ان کی انقلابی سوچ کا پیغام ہے اس مسدس میں انقلابی سوچ کی مناسبت سے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو مرثیہ نگار کی آزادانہ رائے کی ترجمانی کے جذبے کو نمایاں کرتا ہے انہوں نے افراد کے عزائم کی اہمیت کو بیان کیا ہے کیونکہ یہی جذبہ ہمیں ہر دور کے جبر سے ٹکرا جانے کا حوصلہ دیتا ہے جس کی مثال ہمیں امام عالی مقام کی صورت میں ملتی ہے حسینی جذبے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہاشمی صورت حال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

تھا اہتمام کہ دنیا جواب ایسا سنے　　کہ جس کی ضرب سے کٹ جائیں جارحوں کے گلے
کڑی نگاہ نہ آل نبیؐ کی سمت اٹھے　　یزیدیت کبھی بیعت کا نام لے نہ سکے
اجل کی تیغ پہ اپنا گلا دھرے گا حسینؑ
مگر یزید کی بیعت نہیں کرے گا حسینؑ(۱۰۹)

منتخب مرثیہ نگار نے مزاحمتی انداز میں جبری و تخریبی نظام کی شکست کو بیان کیا ہے سماجی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں کربلا میں ہونے والے مظالم کا ڈٹ کر مقابلا کرنے والوں کے افکار میں ایک نئی سوچ نظر آتی ہے وحید الحسن ہاشمی مرثیے کے آئینے میں کربلائی سوچ کو واضح کرتے ہیں نہیں کا صیغہ کربلائی فکر کو سمجھنے کا شعور دیتا ہے اس ضمن میں مرثیہ گو نے کئی مقامات پر شعور اور فکر کی فتح کے لیے تاریخ میں چھپے امن کے علمبر داروں کی جانب اشارہ کرتے ہیں تا کہ قوم باطل کے آگے جھکنا کسی صورت قبول نہ کرے اس تناظر میں قاری اپنی دنیاوی حیثیت کو پرکھتے ہوئے اپنے مستقبل کے لیے فیصلے لے سکے چونکہ حق کی ترجمانی امام عالی مقام کی سیرت کی پیروی میں ممکن ہے ان اشعار میں واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی اقدار 'اخلاقیات کی بحالی کے لیے اور باطل کی بے نقابی کے لیے امام عالی مقام نے یزیدی ظلم وجور کا خاتمہ کر دیا بقول ہاشمی:

نہیں کی تند ہوا جس جگہ بھی چلتی ہے　　نظام جبر کو اک آن میں بدلتی ہے
غرور و فخر حکومت کا سر کچلتی ہے　　بڑے بڑوں کے یہ چہرے پہ خاک ملتی ہے
اسی کا زور جھکانا سر عذاب آیا
اسی نہیں سے تو اسلام پر شباب آیا

نہیں کی ضرب نے توڑی رگ عتاب یزید　　جہاں میں ہو گیا گونگے کا خواب خواب یزید
کیا زمانے نے کچھ ایسا احتساب یزید　　تمام عمر نہ پھر کھل سکی کتاب یزید
عناں عتاب کی دست ستم چھوٹ گئی
اکڑ رہا تھا وہ جس پر کمر وہ ٹوٹ گئی(۱۱۰)

ہاشمی رثائی تخلیق کا وسیع نظریہ رکھتے ہیں انہوں نے کسی مخصوص اصول کے تحت نہیں لکھا بلکہ ایک سچے فن کار کی طرح اپنے قلم سے معاشرے کی حشر آفریں تباہ حالی کو پیش کیا ہے تمام مرثیے ان کی علمی وسعت اور تجربات کی گہرائی اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ہیں ان کے مشاہدے کی فروانی نے مظلوم انسان کی

آواز کو اپنی آواز میں سمو لیا ہے منتخب مرثیہ نگار کی سوچ ورثائی کلام اردو ادب کے منظر نامے میں اہم مقام رکھتے ہیں چناچہ وحید الحسن ہاشمی مرثیہ نگاروں کی اس صف میں شامل ہوئے جنہوں نے مرثیے کے روایتی اسٹرکچر کو توڑ کر نئی فکر اور احساس کو فروغ دیا فکر و فن کے نئے نئے تجربات کیے اور مرثیوں میں اظہار کے نئے طریقے وضع کر کے معنوی تہہ داری پیدا کی انہوں نے معاشرے میں پنپنے والے منفی انسانی رویوں مثلاً منافقت، نفرت، خود غرضی، حرص کو اپنے مرثیوں کا موضوع بنایا ان کے کلام میں خاص طور پر معاشرے میں پھیلی گھٹن اور تخریبی فضا پر طنز کیا گیا ہے گویا انہوں نے تمام انسانی قدروں کے نیست و نابود ہونے پر گہرے رنج کا اظہار کیا ہے جہاں کے لوگ پوری طرح ایک دوسرے سے لاتعلق اور بے حس ہو چکے ہیں ان کے اندر انسانیت کی کوئی رمق باقی نہیں رہی اس تخریبی ماحول میں اخلاقی اقدار ہی نہیں بلکہ مذہبی اقدار کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے۔

ہ۔غارت گری بحوالہ مرثیہ ہلال نقوی

i۔ حُرّ

انسان دنیا کی پہنائیوں میں تمام تگ و دو کے باوجود اپنی حیات کے تشخص پر نوحہ کناں ہے اکیسویں صدی کی سیاسی ابتری، اقتصادی بد حالی اور معاشرتی لوٹ کھسوٹ نے انسانی تشخص کو پامال کر دیا ہے لوٹ کھسوٹ کی اس پوری فضا میں انسان ہر چیز سے غیر مطمئن نظر آتا ہے انسان وقت کے جبر اور زمانے کی لوٹ مار کی تیز رفتاری کے آگے مجبور و بے بس دکھائی دیتا ہے اور آج کا انسان زندگی کی حقیقی خوشیوں کے لیے ترستا ہوا محسوس ہوتا ہے ان حالات پر منتخب مرثیہ نگار ہلال نقوی نے کرب آمیز جذبات کو موضوع بناتے ہوئے مرثیے میں معاشرتی لوٹ مار کی پوری روداد کو ہدف ملامت بنایا ہے مرثیہ "حُرّ" میں ہلال نقوی نے انسانیت کو مجروح کرنے والے عناصر کے خلاف کہیں کھلے انداز سے اور کہیں اشاروں میں صدائے احتجاج بلند کی ہے انہوں نے اپنی انفرادی فکر اور تجربات سے عام انسان کی پریشانیوں کو مرثیے میں پیش کیا ہے ساتھ ہی نامساعد صورت حال کے خلاف بیزاری کا مظاہرہ کیا ہے درج ذیل اشعار میں جہاں انسانی معاشرے کی تصویر سامنے آتی ہے ساتھ ہی مظلوموں کے ساتھ حاکم کا رویہ بھی آشکار ہو جاتا ہے جس کی لوٹ مار کے سبب عوام کی تباہی نے منتخب مرثیہ نگار کو اظہار کرنے پر مجبور کر دیا:

کتنا بدل گیا ہے زمانے کا آج رنگ
فتنوں کی انتہا پہ ہے دور اماں بھی تنگ
باطل سے دل قریب ہیں حق سے انحراف
مومن کے واسطے ہے عجب ابتلا یہ ڈھنگ
اب ظالموں کے ساتھ تو جینا وبال ہے
اس معرکے میں موت ہی بس ایک ڈھال ہے (۱۱۱)

مرثیہ نگار کا فکری لہجہ انہیں یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتا دنیا میں مسلمانوں پہ ہونے والے مظالم پر وہ قوم سے شکوہ کرتے نظر آتے ہیں مرثیے کے درج ذیل اشعار میں ہلال نقوی مسلم امہ کی خاموشی پر سوال اٹھاتے ہیں گویا ان کی آواز اس مظلوم انسان کی آواز ہے جس کا ہر لمحہ درد و کرب میں گزر رہا ہے جس کے آس پاس ظلم و جبر کی فضا چھائی ہوئی ہے جسے اپنے وجود کا محفوظ احساس تک نہیں دیکھا جائے تو مرثیہ گو نے اس مرثیے میں استحصالی قوتوں کے ظلم پر خاموشی کی چادر اوڑھے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے

سن لو حدیث دل میں جو عرفاں کا جوش ہو
جب تخت زر پہ آمر ایماں فروش ہو
گر اپنے دست جبر سے پھیلا رہا ہو ظلم
اور اس کے اس عمل پہ مسلماں خموش ہو
بزم ہدیٰ کی حلقہ بگوشی نہیں ہے یہ
تائید ظلم و شر ہے خموشی نہیں ہے یہ (۱۱۲)

ہلال نقوی نے مرثیہ ''حُر'' ۱۹۸۵ میں تخلیق کیا ایک لحاظ سے اس مرثیے کی اہمیت اس لیے بھی بنتی ہے کہ مرثیہ نگار نے میر انیس کی فکر کی رو سے ظلم کے خود ساختہ نظام اور ناموافق صورت حال کے خلاف مزاحمت کا رویہ اپنایا مرثیے کے اس بند کے آخری اشعار میں وہ رجائی انداز اختیار کر لیتے ہیں اپنی تمام تخلیقی و فکری قوت کو سمیٹتے ہوئے منتخب مرثیہ نگار ظلم کے مقابلے میں حق کے علم بلند کرنے کو زیادہ موثر وسیلہ قرار دیتے ہیں کیونکہ آمرانہ سیاسی نظام کو تقویت پہنچانے کی خاطر کئی انسانوں کا خون بہایا گیا ایسے ظالمانہ نظام کی خلاف مرثیہ گو نے فکری بصیرت سے مزاحمتی انداز میں یہ باور کرادیا:

ہاں اے انیس فکر مقدم قدم اٹھا
نکتوں کی تہہ میں بند ہے دجلہ قلم اٹھا
آنکھوں کی روشنائی سے دل کی حدیث لکھ
حامل اگر ہو ظلم تو بڑھ کر علم اٹھا
کب علم حاشیوں کو غلط کھینچتا نہیں
کیوں وقت اپنے خون سے خط کھینچتا نہیں (۱۱۳)

ہلال نقوی بشری معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں انسان کے جذباتی رویوں کے پیش نظر مرثیے کا یہ بند انسان کے شدید ترین رویے کو واضح کرتا ہے انہوں نے انسانی ضمیر پر طنزیہ انداز میں "پھر خود بھی اس میں قولاً و فعلاً شریک ہے" اپنے فکری موقف کا اظہار کیا ہے مرثیہ نگار نے انسانی ذات کو موضوع بنا کر اس کے اندر پائے جانے والی کمیوں پر طنز کیا ہے گویا اس میں انسان کے قول و فعل کے تضاد کو نشانہ بنایا گیا ہے درج ذیل اشعار میں ان کی فکری منطق کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے:

بشر کی معاونت میں جو تن من شریک ہے
ہر امر میں وہ خیر کا دشمن شریک ہے
یعنی جو کہ نہ قولاً و فعلاً مخالفت
پھر خود بھی اس میں قولاً و فعلاً شریک ہے
خوددار ہو تو اپنے فرائض کو جان لو
نیت کو اس حدیث کی چھلنی میں چھان لو (۱۱۴)

عصر حاضر کی بھاگتی دوڑتی مصروف زندگی کو مرثیہ نگار کی آنکھ انتہائی شدت سے دیکھتی اور محسوس کرتی ہے سفر کی منطق یہی ہے کہ آج کوئی کسی کی طرف دیکھنے کی فرصت بھی نہیں رکھتا ہلال نقوی لوگوں کے ہجوم و حالات کی عکاسی کرتے ہوئے فرد کے ذہنی کرب کے غماز بن جاتے ہیں کربلا کے تاریخی سانحے کو علامت بنا کر قلم کار نے حق کے میدان میں پیش آنے والی سختیوں کو پیش کیا ہے دراصل وہ پوری انسانیت کی حالت زار سے باخبر ہیں کہ اب کون انسانی حقوق کی بحالی کے لیے اپنے لہو کی داستان رقم کرے گا:

اے وقت کیوں ہے تیری قبائے سفر میں جھول
ہے کون زندگی جو گزار دے اجل کے مول

زندہ معاشرت کی حمایت کے واسطے
نکلے گا کون توڑ کے اپنی قضا کا خول
کون اس کڑے مقام پہ بیعت اٹھائے گا
دریا کو کون چھوڑ کے پیاسوں میں جائے گا (۱۱۵)

ہلال نقوی تاریخ کے آئینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے ذہنوں کو سانحہ کرب وبلا کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں درج ذیل اشعار میں کرب وبلا کے میدان میں شمر اور پسر سعد کے ظلم وبربریت کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے جہاں یزیدی حکومت کے مشیروں اور لشکر کی ظالمانہ من مانیوں کی بدولت انسانیت شرمسار ہوئی یزید کے سیاسی شعور نے جبر کے ہاتھوں انسانیت کا قتل کیا زندگی میں ظلم و جبر کا کوئی ایک پہلو ہو تو اس پر رو لیا جاتا ہے مگر منتخب مرثیہ نگار کے ہاں معرکہ خیر وشر کا ہر پہلو دردناک اور افسوسناک ہے اس حوالے سے ظلم کے روپ ملاحظہ کیجیے:

ہے دشت کربلا میں عجب شور دار و گیر
مصروف کارزار ہیں سب فوج کے مشیر
مقتل میں گم ہے شمر کا سازش حصار ذہن
اور فکر رے میں ہے پسر سعد بے ضمیر
آمادہ اب جو ہیں یہ جدال و قتال پر
ہر لشکری کی آنکھ ہے مال و قتال پر (۱۱۶)

مرثیہ نگار جب پوری انسانیت کو بے دست وپا محسوس کرتا ہے جہاں بشری زندگی کی تمام رونقیں اور خوبصورتیاں جبر کی طاقت کے ہاتھوں ختم ہوئی جارہی ہیں اور لوگوں کی زندگی انتہائی تکلیف میں گزر رہی ہیں تب انہوں اسلامی تاریخ کے تناظر میں واقعہ کربلا کے حوالے سے امام عالی مقام کے خطبہ حق کو پیش کیا ہے جنہوں نے انسانیت کو سرخرو کیا امام حسینؑ کا تاریخ ساز خطبہ حق کو تمام اردو ادب کے اہل سخن نے اپنے کلام میں اجاگر کیا ہے تاہم ہلال نقوی نے روایتی مرثیے کے حصار کو توڑ کر نئی فکری جہت سے اس کی ترجمانی پر زور دیا ہے:

یاد آگیا حسینؑ کے خطبے کا وہ مقام
جسمیں حدیث حق سے اجاگر تھا اک نظام
یعنی کہ جب ہو حاکم جابر کا اقتدار
اور زندگی کے جبر کی زد پر ہوں خاص وعام
جو ٹوک دے تو لہجہ حق کی صدا میں ہے
خاموش ہے تو خود بھی پناہ جفا میں ہے (۱۱۷)

منتخب مرثیہ نگار نے مزاحمتی شاعری کے حوالے سے قابل قدر تخلیقات اور اشعار پیش کئے ہیں انہوں نے نہ صرف رباعیات میں بلکہ مرثیوں میں مزاحمت سے بھرپور کلام پیش کیا ہے مرثیہ ''حُرؑ'' ان کے مزاحمتی رویے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے جہاں وہ استحصالی قوتوں سے نجات کے لیے اسوہ شبیری پر عمل پیرا ہونے کو ترجیح دیتے ہیں جنہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے نہ صرف حق کا راستہ دکھایا بلکہ خود عملی طور پر مظلومیت کے حامی بنے رہے درج ذیل اشعار نہ صرف ان کی مزاحمتی فکر کا حصہ ہیں بلکہ اس دور کے حالات کی تاریخ کو بھی مرتب کرتے ہیں:

خطبہ دیا امام نے اب اک مقام پر
اے ساکنو روش ہے زمانے کی فتنہ گر
اڈی ہوئی ہیں ظلم و تشدد کی آندھیاں
اور آندھیوں کی زد پہ ہے کردار کا شجر
شاخ نظر ہے مکر وریا سے لدی ہوئی
افسوس تخت پر مستمکن بدی ہوئی (۱۱۸)

مرثیہ ''حُرؑ'' میں مرثیہ نگار کی فکری تنظیم سے موضوعات کا ربط بہت مضبوط نظر آتا ہے انسانی علوم کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی تاریخ کے دھارے کا رخ مڑا ہے اس کے پیچھے ایک پختہ فکر اور مظبوط ارادے کا عمل دخل ہوتا ہے تفکر کی بدولت ارادوں کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے امام عالی مقام کی پختہ فکر کی بدولت حر نے جس ذکاوت کا مظاہرہ کیا یہ صحبت امام کی تربیت تھی کہ ذلت کی عارضی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے چونکہ امام حسینؑ حریت فکر کی علامت ہیں اس لحاظ سے درج ذیل اشعار امام عالی مقام کی فکری بصیرت کی عکاسی کرتے ہیں:

ابھرا اسی مقام سے حرِ سطحِ فکر پر
آیا بساطِ وقت الٹ کر بہ کر و فر
انگڑائی لی وجود نے اس شدّ و مدّ کے ساتھ
صدیاں سمٹ کے رہ گئیں کانپا گروہِ شر
دستِ جفا سے ظلم کی تلوار گر گئی
فرقِ یزیدِ وقت سے دستار گر گئی (۱۱۹)

ii۔ مقتل و مشعل

پاکستانی معاشرے میں روز بروز بڑھتی ہوئی لوٹ مار، بد نظمی، عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کے خطرات کا مرثیہ اس دور کے ہر صاحب قلم نے پیش کیا ہلاؔل نقوی کے مرثیوں میں سیاسی نظام کے خلاف ناراضگی کا اظہار مزاحمتی شکل میں نظر آتا ہے بادشاہ وقت کی نا اہلی کا تزکرہ ہو یا مکر و فریب اور لوٹ مار کی فضا میں قید پورے معاشرے کو اپنی تنقید اور مزاحمت کا نشانہ بنانے میں انہوں نے کوئی تردد محسوس نہیں کیا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں پائی جانے والی کو تاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے مزاحمتی انداز میں ان سب سے انحراف کیا اس باغی فنکار نے پاکستان کے سیاسی حالات کا مزاحمتی اظہار کرنے میں کمال مہارت کا عملی ثبوت دیا ہے مرثیہ ''مقتل و مشعل'' کا لب لباب مرثیہ نگار کے دور کی لوٹ مار بلکہ یوں کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ ان کے سیاسی نظام کی بد امنی کا نوحہ ہے جہاں زندگی کے ہر شعبے میں تباہی و بربادی کے آثار نظر آتے ہیں سیاسی سطح پر ایک طرح کی اکتاہٹ کی فضا تھی مسلمان اپنے سیاسی شعور سے منہ موڑ کر چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ گئے تھے ظلم کا رحجان عام ہو رہا تھا۔ ہوس، بد دیانتی اور بد اخلاقی کی فضا پیدا ہو رہی تھی آپسی رنجشوں نے اس قوم کو مزید پستی کی طرف دھکیل دیا اس غیر مستحکم پاکستان میں ہلاؔل اپنے دیس کا حال ان الفاظ میں سناتے ہیں:

آج بھی اڈے ہوئے ہیں کبر و نخوت کے سحاب
وقت کی آنکھوں پہ ہے غفلت کی دھندلی سی نقاب
عنصریت کے ہیولا میں ہے فکر انقلاب
کس طرح ہو فتنہ عصرِ رواں کا سد باب
خوف کے سنسان زنداں میں زباں محصور ہے
عزم ہستی منزلِ دار و رسن سے دور ہے (۱۲۰)

منتخب مرثیہ نگار نے فسادات اور قتل عام کو تاریخی تناظر میں دیکھنے اور ظالم حکمرانوں کے نقش قدم پر چلنے والے موجودہ حاکموں کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے میں پھیلی شر پسندی کو مزاحمتی نقطہ نظر سے مرثیے کا موضوع بنایا ہے چوں کہ جب معاشرہ میں انسان بے حسی کا شکار ہو اور دوسروں کی تکلیف سے دامن بچانے کے درپے ہو جائے ایسے شر پسند عناصر کی روداد ہلاؔل نقوی کی زبانی سنئے:

ظلمت باطل بہ انداز دگر ہے آج بھی
لشکر جور و جفا شورش بسر ہے آج بھی
دعوت مقتل غرور کفر و شر ہے آج بھی
جہل کی فوج ہوس تہذیب کی سرحد میں ہے
سینہ تاریخ انسانی سناں کی زد میں ہے (۱۲۱)

آزادی سے پہلے غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم سے برصغیر کا ہر فرد اذیتوں کا شکار رہا ہے جن کے شر کے خلاف مرثیہ نگار اپنی آواز بلند کرتے رہے ہیں مگر آزادی کے بعد بھی وہی قتل و بربریت کے منظر دکھائی دے رہے ہیں منتخب مرثیہ نگار نے بھی پاکستان کے سیاسی نظام کی ہولناک تصویر پیش کی ہے جہاں ظلم کے ہاتھوں خلق خدا کی آہ و بکا کی آوازیں گردش کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں مرثیے کے موضوع کو وسعت دے کر انہوں نے ان تمام برائیوں کا ذکر کیا جن کا غلامی کے دنوں میں بھی انسان شکار تھا ایسے رہنمائے سیاست جن کے زیر اثر عوام کو تکلیفوں کا شکار ہونا پڑتا ہے ان کے بارے میں مرثیہ نگار کی تلخی ملاحظہ کیجئے:

دم بدم ٹھٹھر رہی ہے قوت سعی و عمل
زندگی کے دوش پر رکھے ہیں اسباب اجل
کینہ و بغض و نفاق و سازش و مکر و دغل
تفرقہ پردازی و خونریزی و جنگ و جدل
بربریت پل رہی ہے ظلم کے قانون میں
لاشہ انسانیت لتھڑا ہوا ہے خون میں (۱۲۲)

ہلاؔل نقوی عوام کی بربادی کی وجہ اہل سیاست ہی کو مانتے ہیں ان کے نزدیک یہی لوگ انسانیت کے حسن کو خراب کر کے اپنی حکومت کی خاطر ایسے تمام حربے استعمال کرتے ہیں جن سے انسانیت شرمسار ہوتی ہے انسان اور انسانیت کے اصل دشمن یہی ظالم حکمران ہیں مرثیے میں سیاسی بدعنوانیوں کی جھلک ملاحظہ کیجئے:

ظلم اور سفاکیوں کے درس ہیں سب ان کو یاد
بے حسی، لالچ، ہوس، مردہ دلی، ذاتی مفاد
کبر، وحشت، دشمنی، ذلت، جنوں، نخوت، عناد
جبر، خود بینی، تشدّد، ابتری، دہشت، فساد
ہیں بنی آدم مگر رکھتے نہیں آدم کی خُو
مصلحِ اعظم کے پیرو، مفسدِ اعظم کی خُو (۱۲۳)

مزاحمتی مرثیے کے حوالے سے ہلاؔل نقوی کا نام اہم ہے اگر کہا جائے کہ ہلال نقوی کا رثائی ادب سارے کا سارا مزاحمتی ہے تو بے جا نہ ہو گا مرثیہ ''مقتل و مشعل'' میں وہ پاکستانیوں کو احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

بالمقابل ان کے گو موجود ہیں چند اہل ہوش
ہیں مگر اس راہ میں محروم جذب سر فروش
جرات اخلاق سے عاری نہ ہمت ہے نہ جوش
حال و مستقبل نظر میں پر زبانیں ہیں خموش
بے عمل ہیں، خود غرض ہیں منتشر ہیں پست ہیں
جو بھی حالت ہے اسی حالت میں اپنے مست ہیں (۱۲۴)

جنگ ہمیشہ سے انسانی معاشرت کا اہم جزو رہی ہے معرکہ حق و باطل انسانی تاریخ کے ہر دور میں موجود رہا ہے پاکستان کے منتخب مرثیہ نگاروں نے عالمی سطح پر ہونے والے واقعات کو بھی مرثیوں کا موضوع بنایا خاص طور سے جنگوں کے تناظر میں مظلوم لوگوں کی حالت زار کے مد نظر احتجاج بھی کیا ہے ہلاؔل نقوی جب اپنے دیس میں سیاسی تناؤ کے اثرات کو دیکھتے ہیں تو انجام کی پرواہ کئے بغیر پاکستانیوں کو اپنا پیغام باور کراتے ہیں:

کون ہے ایسا کرے جو وقت کے فتنوں سے جنگ
حوصلے باقی نہیں ناپید ہے دل میں امنگ
ہے ریا در آستیں، بے روح جذبوں کی ترنگ
گلشن ہستی کے احساسات کا پھیکا ہے رنگ

رزم گاہ زندگی کے ڈر سے چہرے زرد ہیں
جاں بلب ماحول کے پیکر کی نبضیں سرد ہیں (۱۲۵)

ہلال نقوی انقلاب کے داعی کہلائے جاتے رہیں گے وہ ہر اس انقلاب کے دلدادہ ہیں جو زندگی کے ہر پہلو کو بدلے اور بہتر بنانے کے لیے سامنے آئے ان کے نزدیک انقلاب اور فکری بصیرت ہی انسان کی فطرت کا خاصہ ہے مرثیے میں حق کی فتح کے لیے اس کی اقدار کے نفاذ کے لیے وہ منفی قدروں کے خلاف نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں اور ان کے خاتمے کے لیے مزاحمت کی قوت پیدا کرتے ہیں:

خاک میں عرفاں کے موتی رولنے کے واسطے
حق کو میزان عمل میں تولنے کے واسطے
رایت حق کا پھریرا کھولنے کے واسطے
ظلم سے آنکھیں ملا کر بولنے کے واسطے
جبر کے نیزوں کو تن کر پسلیوں سے داب لے
وہ بڑھے جو ظلم کی تیغیں دہن سے چاب لے (۱۲۶)

مرثیہ ''مقتل و مشعل'' میں ہلال نقوی نے قلم کے ذریعے اپنے خیالات اور نظریات کی مزاحمتی جنگ کی ہے درج ذیل اشعار میں ان کی مزاحمتی فکر واضح ہے

ہاں مگر جب اس شعور عزم کو پاتا ہوا
پرچم انسانیت دنیامیں لہراتا ہوا
کوئی مرد حق اُٹھے باطل سے ٹکراتا ہوا
رن میں آجائے شہادت کی قسم کھاتا ہوا
اس کی آواز صداقت کو دبانے کے لئے
مفتیان شہر میں فتوے لگانے کے لیے (۱۲۷)

مرثیہ ''مقتل و مشعل'' میں ہلال نقوی نے ظلم و جبر، استحصالی قوتوں اور سرمایہ دارانہ نظام کی اصل حقیقت کے خلاف باغیانہ رویہ اپنایا اس مرثیے میں وقت کے آئینے میں ہونے والے افکار اور نظریات کے ٹکراؤ کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اچھے اور برے کردار واضح ہو سکیں اسی طرز پر مسدس ان تمام مزاحمتی عناصر کو واضح کرتی ہے جو ہمیں پستی کی طرف مائل کرنے کے لیے ہر حربے استعمال کرتے ہیں ان

عوامل کا اثر ہمیں سازشوں کی صورت میں ہمارے ماحول پر مرتب ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور یہ عناصر ایک دن میں اپنے اثرات واضح نہیں کرتے بلکہ اس کے پیچھے کثیر تعداد میں سرمایہ کاری اور کثرت افراد کی شرکت پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کے اثرات سالوں بعد ظاہر ہوتے ہیں اور صدیوں تک محسوس کیے جاتے ہیں:

خاص کر ایسے مواقع پر کہ جب بااختیار
اہل ثروت، اہل زر، اہل ستم، سرمایہ دار
اکثریت کے نشے میں حامیان اقتدار
بربریت کے نقیب اور ظلم کے آئینہ دار
اٹھ کھڑے ہوں سر صداقت کا جھکانے کے لئے
اہل حق کا نام دنیا سے مٹانے کے لئے (۱۲۸)

اسی طرح لفظی تضاد کی مثال ''مقتل و مشعل'' میں سامنے آتی ہے جہاں پر جاہل اور عالم کے تضاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جاہل اور عالم تک کے لفظی تضاد کو یہاں پر فکری تضاد سے بھی امتزاج کیا گیا ہے کیونکہ اعمال کی قدر عالم اور جاہل میں مشترک نظر آتی ہے مسدس کا آخری مصرع تمثیل کی صنعت کو واضح کرتا ہے جہاں پر مسند ادراک پر ابو جہل کی مسند نشینی کی تعبیر دی گئی ہے اس سے تشبیہ کی صنعت یوں نمایاں ہوتی ہے کہ ہر بشر ابو جہل نہیں ہے لیکن منزل عقل مندی پر بیٹھ کر اپنی جہالت کو علم سے تعبیر کرنے والا بشر یقیناً ابو جہل ہے جس کی وجہ اس انسان کا اپنی جہالت پر ضد اور اسرار ہے منتخب مرثیہ نگار نے ہوس کے پجاری معاشرہ میں انسانی حقوق کو چھنتے ہوئے دیکھا ہے اور ظلم کا یہ عالم ہے کہ محافظ ہی چور نظر آتے ہیں اس کی مثال مرثیے کے درج ذیل اشعار سے مشاہدہ کر سکتے ہیں:

کیا اثر انداز ہو ان پر یہ خونیں داستاں
ہے تضاد فکر جن کے قلب ولب کے درمیاں
چشم وابرو پر وغل رخ پر ہوس کی جھریاں
بے عمل ہے ہر بشر جاہل سے عالم تک یہاں
ظلم کی حد ہے محافظ اہل کا نا اہل ہو
منزل ادراک پر مسند نشیں بو جہل ہو (۱۲۹)

مرثیے میں الفاظ کی مشابہت اور معانی اپنے اندر کمال رکھتے ہیں اور اس کمال کی تفہیم حسینیت اور یزیدیت کے اصل چہرے کو بے نقاب کرتی ہے اس بے نقابی کے عمل کو تجنیس کی صفت میں استعمال کرتے ہوئے درج ذیل اشعار میں فتویٰ لفظ کی تجنیس کی صنعت استعمال کی گئی ہے جس میں الفاظ کی مشابہت اور معانی میں تضاد کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے اس بند میں استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے مرثیہ نگار نے مصلحت پسندی کو تاریخ کا تلخ چہرہ قرار دیا ہے جس میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دین کا سہارا لیا جاتا ہے اور ان فتوؤں کو بر سر منبر بیان کیا جاتا ہے جن سے ذاتی غرض حاصل ہو اور ملت کے مقاصد کا نقصان ہو جب کہ ان فتوؤں کو بیان نہیں کیا جاتا جن سے ملت کی بہتری ہو اس مرثیے میں ہلال نقوی ظلم کے تحفظ کو ناکام بنانے کے لئے آواز اٹھاتے ہیں:

اور غلط تقسیم دولت پر کوئی فتویٰ نہیں
سود واستحصال ملت پر کوئی فتویٰ نہیں
فاسق وفاجر کی سیرت پر کوئی فتویٰ نہیں
ہو جو ظالم اس امارت پر کوئی فتویٰ نہیں
بے محل فتوے سر منبر سنانا کس لیئے
بر محل فتوؤں سے یہ دامن بچانا کس لیئے (۱۳۰)

پاکستان میں مذہبی امور میں سیاست کا دخل اور سیاسی معاملات میں مذہب کے ٹھیکے داروں کی حصہ داری ہمیشہ رہی ان فقہانے انسانیت کے احساس کو مجروح کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اس حوالے سے متعدد سوالات مرثیہ نگار کے ذہن میں پیدا ہوئے جن کو انہوں نے درج ذیل اشعار میں مزاحمتی اور مشاہداتی انداز میں پیش کیا ہے اس مرثیے میں فرقہ واریت اور مذہبی تعصب رکھنے والوں کے عمل کو نہ صرف بیان کیا گیا ہے بلکہ اس میں ہلال نقوی کی برہمی اور جابر لوگوں سے نفرت کا جذبہ بھی ظاہر ہو رہا ہے روز مرہ معاملات میں جو رکاوٹیں ان مذہبی پیشواؤں نے پیدا کیں ان کی وجہ سے فرقہ وارانہ فسادات کا بازار گرم ہوا چونکہ ہمارا معاشرہ شروع سے ہی مذہبی اقدار کا حامل رہا ہے اس لیے منتخب مرثیہ نگار اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں بغیر کسی مسلک سے وابستہ رہتے ہوئے اس مذہبی قابل مذمت صورت حال کے خلاف سخت رد عمل ظاہر کیا ہے جن کے غلط فتوؤں سے کئی لوگ اپنا لہو دیتے رہے ایسے مسند نشینوں اور چہرے پر دوہرا نقاب رکھنے والوں کو مقاومتی انداز میں مخاطب کرتے ہوئے ہلال نقوی کہہ گئے:

جاہلیت کا سراپا عکس ہے عصر رواں
سوچتا ہے آج انساں اب مروں جا کر کہاں
رہبران دین وملت کی یہ حالت ہے یہاں
مسجدوں میں کھول کر بیٹھے ہیں فتوؤں کی دکاں
شرح کی حد جس پہ جی چاہے لگا دیتے ہیں یہ
جس کو چاہیں مفت کافر بنا دیتے ہیں یہ
کچھ نہیں پروا. یہ کیسا ہے تلاطم چار سو
ظالموں کے قہقہے مظلومیت کی ہائے ہو
لٹ رہی ہے دہر میں انسانیت کی آبرو
موجزن ہے سینہ گیتی پہ انساں کا لہو
ان مظالم پر اگر فتویٰ لگا سکتے نہیں
ان کو چھوڑو یہ رہ ہستی دکھا سکتے نہیں (۱۳۱)

مرثیہ نگار کا کہنا ہے کہ ہمیں حق بات کو برملا کہنا چاہئے معرکہ ہاشمیت وامویت ہمیں اسی جذبے کو پروان چڑھانے کا سبق دیتا ہے درج ذیل اشعار میں امام حسینؑ کے فکری پیغام کو پیش کیا گیا ہے درحقیقت کربلا کے میدان میں ہونے والے واقعات نے یزیدیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آج بھی دنیا میں ہر حق کی ترجمانی کرنے والے حسینی پیغام کو وسعت دیتے ہیں جنھوں نے یزید کے ارادوں کو ناکام بنادیا یزیدی جس سر کو جھکانا چاہتے تھے اس سر نے بدن اطہر سے جدا ہو کر انسانیت کے پرچم کو بلند رکھنے کی داستان رقم کر دی ملاحظہ کیجئے:

اور یہ بھی خاص کر اس وقت جب باطل پسند
دین کو پہنچا رہے ہوں اپنی قوت سے گزند
اور پھر یہ بھی کہ اہل صدق پر پانی ہو بند
گھر کے لُٹ جانے کے اندیشے سے دل ہو فکر مند
یہ ہے وہ منزل جہاں انساں ولی بن کر اٹھے
برسر مقتل حُسینؑ ابن علیؑ بن کر اٹھے
دیو استبداد کو یوں کالعدم کس نے کیا

پرچم ظلم یزیدیت کو خم کس نے کیا
سرِ غرورِ اکثریت کا قلم کس نے کیا
نصب قصرِ ظلم پر حق کا علم کس نے کیا
سر کٹا کر پرچم انسانیت لہرا دیا
حق کی خاطر راہِ حق میں گھر کا گھر لٹا دیا(۱۳۲)

مرثیے کا ہر بند لوٹ مار کے منظر نامے کو پیش کرتا ہے اسی بابت ہلال نقوی تمام مشکلات کے حل کے لئے مصرع "اے حسینؑ ابن علیؑ تیری صداقت کی قسم" کہہ کر ظلم کے ہر روپ کو بے نقاب کرتے ہیں انہوں نے خود کلامی کی صورت میں باطل پر ڈٹے غداری عوامل کے برتاؤ کو ہدف تنقید بنایا ہے ان کے رثائی کلام میں ہمیں فکری تسلسل ملتا ہے اس تناظر میں ساری صورت حال ان عوامل کو واضح کرتی ہے جو انسانیت کو پامال کر رہے ہیں:

اے حسینؑ ابن علیؑ تیری صداقت کی قسم
زندگی پھر نوعِ انساں کی ہے پابند الم
پھر رعونت نے اٹھایا ہے سرِ ظلم و ستم
بڑھ رہا ہے پھر خوشی کے روپ میں طوفانِ غم
دہریت ہے ظلم ہے حق تلفیاں ہیں جبر ہے
ساری دنیا بربریت کی اندھیری قبر ہے(۱۳۳)

ہلال نقوی فکری و انقلابی شعور رکھنے والے مرثیہ نگار ہیں اپنی فکری جدت سے انسانیت کی حمایت میں جابر طبقوں کے خلاف مزاحمت کا رویہ برتا انہوں نے مرثیے کے روایتی دھارے کو موڑ کر فکری جہت اور مشاہدے سے اردو مرثیے میں مزاحمتی عناصر کو پیش کیا ہے مرثیوں میں مزاحمت ان کے تمام فکری رویوں سے عیاں ہوتی ہے عالمی سطح پر انسانی حقوق کی بحالی اور خاص کر پاکستانیوں کی فلاح کے لیے ان کی مزاحمتی فکر بالکل واضح ہے انہوں نے مذہب کے اصولوں پر زور دینے والے ملاؤں کو بھی مزاحمت کا نشانہ بنایا ہلال نقوی کا ماننا ہے کہ درحقیقت مذہبی لوگ مذہب کے اصولوں اور تعلیمات سے نابلد اور جاہل ہیں جنہیں نہ مذہب کا شعور ہے اور نہ مذہبی تعلیمات کی پہچان رکھتے ہیں انہیں پاکستان کے سیاسی نظام نے انصاف عطا نہیں کیا مگر اس کے باوجود ہلال نقوی نے اپنے لہجے کی بے باکی اور مزاحمتی انداز بیان کی بدولت کامیاب مرثیے تخلیق کیے ہیں

جو نہ صرف ان کی مزاحمتی فکر کا حصہ ہیں بلکہ ان سے موجودہ دور کے حالات کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے سیاسی نظام کی لوٹ مار کے خلاف اور اس کے تحت ہونے والے ظلم کے زیر اثر مرثیہ نگار نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے مزاحمتی رویہ اپنایا اس طرح پاکستان میں انہوں نے رثائی ادب کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ مزاحمتی مرثیے کے حوالے سے عالمی ادب میں اپنی شناخت قائم کی۔

حوالہ جات

۱۔ عصمت ملیح آبادی، ڈاکٹر، کلیات مراثی جوش ملیح آبادی، فرید بکڈپو، ۲۰۰۷ء، دہلی، ص ۲۶۳۔۲۶۴

۲۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مشمولہ، جوش ملیح آبادی، پیس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۱۱۰

۳۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ زندگی و موت، ص ۲۸۶

۴۔ محولہ بالا، ص ۲۸۶

۵۔ محولہ بالا، ص ۲۸۷

۶۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مشمولہ، جوش ملیح آبادی، پیس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۱۰۶

۷۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ زندگی و موت، ص ۲۸۷

۸۔ یحییٰ احمد، ڈاکٹر، مشمولہ،، جوش کی حریت فکر کے خدوخال، سہ ماہی ادبیات، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، پاکستان، شمارہ ۸۷، ص ۲۰۷

۹۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ زندگی و موت، ص ۲۸۸

۱۰۔ مصباح رضوی، اردو مرثیہ شناسی تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، جی سی جامعہ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۴۱

۱۱۔ جوش ملیح آبادی، مرثیہ زندگی و موت، ص ۲۸۸

۱۲۔ محولہ بالا، ص ۲۸۹

۱۳۔ محولہ بالہ، ص ۲۸۹

۱۴۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مشمولہ، جوش ملیح آبادی، پیس پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، لاہور، ص ۹۴

۱۵۔ مرثیہ ذاکر سے خطاب، ص ۳۰

۱۶۔ محولہ بالہ، ص ۳۰

۱۷۔ محولہ بالہ، ص ۳۱

۱۸۔ محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مشمولہ، جوش ملیح آبادی، پیس پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، لاہور، ص ۹۴

۱۹۔ جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، اسلامیات بار اول، جید پریس، دہلی، ۱۹۳۶ء، ص ۳

۲۰۔ مرثیہ ذاکر سے خطاب، ص ۳۱

۲۱۔ محولہ بالا، ص ۳۲

۲۲۔ محولہ بالا، ص ۳۲

۲۳۔ محولہ بالا، ص ۳۲

۲۴۔ ادریس صدیقی، اردو شاعری کا تنقیدی جائزہ، جاوید پریس، کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۶۱۱

۲۵۔ محولہ بالا، ص ۶۱۱

۲۶۔ محولہ بالا، ص ۲۰۷

۲۷۔ مرثیہ ذاکر سے خطاب، ص ۳۳

۲۸۔ محولہ بالا، ص ۳۳

۲۹۔ محولہ بالا، ص ۳۳

۳۰۔ یحییٰ احمد، ڈاکٹر، مشمولہ،، جوش کی حریت فکر کے خدوخال، سہ ماہی ادبیات، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، پاکستان، شمارہ ۸۷، ص ۲۰۵

۳۱۔ ارتضیٰ کریم، مدیر، فکر و تحقیق، ناول نمبر، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی،، ۲۰۱۶ء، جلد ۱۹ شمارہ ۲، ص ۱۹۰

۳۲۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، قیصر بارہوی کے مرثیے، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۷۵

۳۳۔ قیصر بارہوی، مرثیہ عرفان حیات، ص ۴۷۶

۳۴۔ محولہ بالا، ص ۴۷۸

۳۵۔ محولہ بالا، ص ۴۷۸

۳۶۔ محولہ بالا، ص ۴۸۱

۳۷۔ قیصر بارہوی، مرثیہ عرفان امامت، ص ۶۴۳

۳۸۔ محولہ بالا، ص ۶۴۳

۳۹۔ محولہ بالا، ص ۶۴۳

۴۰۔ محولہ بالا، ص ۶۴۴

۴۱۔ محولہ بالا، ص ۶۴۴

۴۲۔ محولہ بالا، ص ۶۴۴

۴۳۔ محولہ بالا، ص ۶۴۴

۴۴۔ محولہ بالا، ص ۶۴۴

۴۵۔ مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر، مقدمہ مرثیہ معراج بشر، امداد اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۳۶

۴۶۔ قیصر بارہوی، مرثیہ عرفان امامت، ص ۶۴۰۔ ۶۴۵۔ ۶۴۵

۴۷۔ محولہ بالا، ص ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۶

۴۸۔ حسن عسکری کاظمی، روزنامہ مساوات، ۳۰ ستمبر، ۱۹۹۶ء، ص ۶۲

۴۹۔ مرثیہ عرفان امامت، ص ۶۴۶

۵۰۔ محولہ بالا، ص ۶۴۶

۵۱۔ محولہ بالا، ص ۶۴۷

۵۲۔ محولہ بالا، ص ۶۴۷

۵۳۔ قیصر بارہوی، مرثیہ آبروئے فکر، ص ۸۶۵

۵۴۔ احمد ندیم قاسمی، قیصر بارہوی کی غزل، ماہنامہ، شام و سحر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱

۵۵۔ مرثیہ، آبروئے فکر، ص ۸۶۵

۵۶۔ محولہ بالا، ص ۸۶۶

۵۷۔ محولہ بالا، ص ۸۶۶

۵۸۔ محولہ بالا، ص ۸۶۶

۵۹۔ محولہ بالا، ص ۸۶۶

۶۰۔ محولہ بالا، ص ۸۶۷

۶۱۔ محولہ بالا، ص ۸۶۷

۶۲۔ محولہ بالا، ص ۸۶۷

۶۳۔ آغا سہیل، ڈاکٹر، قیصر اقلیم مرثیہ، ص ۲۳۲

۶۴۔ مرثیہ آبروئے فکر، ص ۸۶۹

۶۵۔ مرثیہ حسین اور انتخاب، ص ۳۴۰

۶۶۔ محولہ بالا، ص ۳۳۹

۶۷۔ محولہ بالا، ص ۳۴۰

۶۸۔ محولہ بالا، ص ۳۴۰

۶۹۔ محولہ بالا، ص ۳۴۰

۷۰۔ محولہ بالا، ص ۳۴۱

۷۱۔ محولہ بالا، ص ۳۴۱

۷۲۔ محولہ بالا، ص ۳۴۱

۷۳۔ محولہ بالا، ص ۳۴۸

۷۴۔ سید شبیہ الحسن، ڈاکٹر، قیصرؔ اقلیم مرثیہ، چند معروضات، الحسن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص فلیپ

۷۵۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر، جدید مرثیے کے تین معمار، پاکستان ریڈرس گلڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸

۷۶۔ نسیمؔ امروہی، مراثی نسیمؔ، جلد دوم، پاکستان ریڈرس گلڈ، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۵

۷۷۔ نسیم امروہی، مرثیہ، جانتے ہیں یہ ہمیشہ سے زمانے والے، ص ۱۸۶

۷۸۔ منظر عباس نقوی، پروفیسر، نسیمؔ امروہی کی مرثیہ گوئی کا اجمالی جائزہ، مطبوعہ ارمغان نسیمؔ، مرتبہ، ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، انجمن سادات امروہہ، ۱۹۹۱ء، ص ۹۸

۷۹۔ نسیم امروہی، مرثیہ، جانتے ہیں یہ ہمیشہ سے زمانے والے، ص ۱۹۵

۸۰۔ محولہ بالا، ص ۱۹۵

۸۱۔ کاظم علی خاں، مراثی نسیم امروہی کا تجزیاتی جائزہ، مطبوعہ، ارمغان نسیم، مرتبہ: ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، انجمن سادات، امروہہ، ص ۷۹

۸۲۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، ''ہے معترف زمانہ تیری سخن وری کا (اقتباسات'' مطبوعہ ارمغان نسیم، مرتبہ: ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، انجمن سادات، امروہہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۵ء

۸۳۔ مرثیہ، جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے، ص ۱۸۷

۸۴۔ محولہ بالا، ص ۱۸۶

۸۵۔ محولہ بالا، ص ۱۸۵

۸۶۔ حفیظ تائب، ڈاکٹر، ''ہے معترف زمانہ تیری سخن وری کا (اقتباسات)، مطبوعہ ارمغان نسیم، ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی: انجمن سادات، امروہہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۸

۸۷۔ محولہ بالا، ص۱۹۵

۸۸۔ حسن عسکری کاظمی، احساسات، مطبوعہ، بجھی وہ شمع، ڈاکٹر، شبیہ الحسن، لاہور، اظہار سنز، ص۳۱

۸۹۔ نسیم آمروہوی، برف وباراں، مست قلندر بک ڈپو، لاہور، ۱۹۴۴ء، ص۸

۹۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۶ء، ص۱۸

۹۱۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، العطش، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۶۰۵

۹۲۔ محولہ بالا، ص۶۰۸

۹۳۔ محولہ بالا، ص۶۰۶

۹۴۔ محولہ بالا، ص۶۰۹

۹۵۔ محولہ بالا، ص۶۰۹

۹۶۔ محولہ بالا، ص۶۰۹

۹۷۔ محولہ بالا، ص۶۱۰

۹۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، مرثیہ آئین، العطش، اظہار سنز، لاہور، ص۶۰۴

۹۹۔ مرثیہ آئین، ص۶۱۰۔۶۱۱

۱۰۰۔ مرثیہ جارحیت، ص۶۹۹

۱۰۱۔ محولہ بالا، ص۶۹۷

۱۰۲۔ محولہ بالا، ص۶۹۸

۱۰۳۔ محولہ بالا، ص۶۹۸

۱۰۴۔ محولہ بالا، ص۶۹۸

۱۰۵۔ محولہ بالا، ص۶۹۹

۱۰۶۔ محولہ بالا، ص۶۹۹

۱۰۷۔ محولہ بالا، ص۷۰۱

۱۰۸۔ محولہ بالا، ص۷۰۱

۱۰۹۔ محولہ بالا، ص۷۰۳

۱۱۰۔ محولہ بالا، ص۲۰۳۔۲۰۷
۱۱۱۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر، اذان مقتل، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء، ص۱۶۰
۱۱۲۔ محولہ بالا، ص۱۶۴
۱۱۳۔ محولہ بالا، ص۱۴۶
۱۱۴۔ محولہ بالا، ص۱۶۴
۱۱۵۔ محولہ بالا، ص۱۴۶
۱۱۶۔ محولہ بالا، ص۱۶۹
۱۱۷۔ محولہ بالا، ص۱۷۵
۱۱۸۔ محولہ بالا، ص۱۵۹
۱۱۹۔ محولہ بالا، ص۱۵۰
۱۲۰۔ ہلال نقوی، مرثیہ مقتل و مشعل، نون اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۲، ص۵۳
۱۲۱۔ محولہ بالا، ص۵۲
۱۲۲۔ محولہ بالا، ص۵۴
۱۲۳۔ محولہ بالا، ص۵۶
۱۲۴۔ محولہ بالا، ص۵۷
۱۲۵۔ محولہ بالا، ص۶۰
۱۲۶۔ محولہ بالا، ص۶۲
۱۲۷۔ محولہ بالا، ص۶۳
۱۲۸۔ محولہ بالا، ص۶۴
۱۲۹۔ محولہ بالا، ص۶۵
۱۳۰۔ محولہ بالا، ص۸۶
۱۳۱۔ محولہ بالا، ص۸۵۔۸۸
۱۳۲۔ محولہ بالا، ص۶۶۔۷۲
۱۳۳۔ محولہ بالا، ص۷۷

باب پنجم:

ماحصل

الف۔ مجموعی جائزہ:

انسان اشرف المخلوقات ہے اس کا کردار حیوانات سے مختلف ہے اس اعتبار سے انسان کو دیگر انسانوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنا چاہیئے عالمی سطح پر ہر ادیب اور مرثیہ نگار نے اپنے اپنے دور میں انسانی ظلم کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ان کے مزاحمتی مزاج نے آمریت کی ظالمانہ روش کے خلاف آواز حق بلند کی تاریخی اعتبار سے ان سخن دانوں کی ادبی دستاویزات ان کے مزاحمتی رویے کی نمائندگی کرتی ہیں ان کے کلام میں جنگی سرداروں، جاگیرداروں، اور جنگ باز بادشاہوں کے جبر کے خلاف کامیاب مزاحمتی تذکرہ موجود ہے۔ عالمی سطح پر ادبی مجاہدین اپنے قلم سے انسانی غلامی کا زنگ کھرچتے دکھائی دیتے ہیں ان کا قلم مظلوموں کی حمایت کرنے سے نہیں چوکتا بلکہ یہ استعماریت کی مخالفت میں مزاحمتی پرچم کو بلند رکھے نظر آتے ہیں۔

اردو ادب میں مزاحمتی شاعری کا آغاز صوفیاء اور شعراء کے کلام سے ہوا انہوں نے اپنی تخلیقات میں امزاحمتی لحن و فکر سے ایک انسان پر دوسرے انسان کی بالادستی کو ختم کیا اور ظلم کو ہر رنگ میں ناپسند کیا اور مظلوم کی حمایت میں پیش پیش رہے۔ مرثیہ اردو ادب کی ایک مقبول صنف ہے مرثیہ نگار اپنے عہد کا نمائندہ اور اپنے سماج کا نقیب ہوتا ہے اردو مرثیہ میں مزاحمتی عناصر کے آغاز سے تاحال نظر میں رکھا جائے تو رثائی ادب کا سرمایہ اردو مزاحمتی مرثیوں سے بھرا ہوا ہے ہر دور کے اردو مرثیہ نگار نے اپنے مرثیوں میں کربلا کو استعارہ بناتے ہوئے اپنے دور کے سماجی، سیاسی اور فکری تقاضوں کے مطابق مزاحمتی عناصر کو پیش کیا ہے قلیؔ قطب شاہ، میرؔ انیس، دلگیر، میرؔ ضمیر کے مرثیے کئی مقامات پر اپنے دور کی جبروتی طاقتوں کے بت توڑتے دکھائی دیتے ہیں ۔

مرثیے کے مزاحمتی عناصر کے حوالے سے نسیمؔ امروہی، قیصرؔ بارہوی، پیامؔ اعظمی، فیض، مہدی نظمیؔ، آلؔ رضا، جمیلؔ مظہری نے اپنے درد و کرب کو علامت بنا کر حسینی فکر کو بخوبی برتنے کی کامیاب کوشش کی ہے جنہوں نے یزید کے آمرانہ اصولوں کو ماننے سے انکار کیا اور شیطانی مکر کو ہمیشہ کے لیے رسوا کر دیا۔

منتخب مرثیہ نگاروں کے رثائی کلام میں مزاحمت نت نئے رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے منتخب مرثیہ نگار جوش ملیح آبادی، قیصر بارہوی، نسیم امروہی، وحید الحسن ہاشمی، ہلال نقوی مرثیے میں مظلومیت کی وکالت کرتے ہوئے مظلوم عوام کی آہوں کے دھویں میں اپنی آہوں کی چنگاریاں شامل کرتے دکھائی دیتے ہیں چناچہ یہ سخن دان سماجی، سیاسی اور فکری لحاظ سے اپنے فرائض منصبی سے انصاف کرتے ہوئے مرثیے کے ہر ہر اشعار میں مزاحمتی عناصر کو سمونے کی بھرپور کوشش کرتے نظر آتے ہیں انہوں نے مرثیے میں اپنے دور میں چھائی ہوئی ظلم کی فضا پر خاموشی طاری نہیں کی بلکہ ایسے مزاحمتی افکار پیش کیے جو انسان کو سماجی، سیاسی ابتر صورت حال سے لڑنے کا حوصلہ دیتے نظر آتے ہیں جوش مرثیہ وحدت انسانی اور عظمت انسان میں کلبلاتی انسانیت کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے منفی اقدار ظلم، ناانصافی، معاشرتی گھٹن کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

مرثیہ میں انسانی زوال کا نوحہ سنانے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کی تفرقہ بازی، تنگ نظری، مذہبی تعصب پسندی پر طنزیہ وار کیے ہیں جوش نے مرثیہ زندگی و موت اور ذاکر سے خطاب مرثیہ کو عوامی رابطے کا ذریعہ بنا کر پیش کیا اور اسے امام باڑے کی دیوار بندی کی قید سے آزاد کیا جوش نے مرثیے کے ذریعے اپنے سماج کی عکاسی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے مزاحمت کے سارے لوازمات واضح ہو جاتے ہیں مرثیہ آواز حق، منافقین اسلام، اے حسین میں خیر وشر کے منظر نامے کو تفصیلاً پیش کیا گیا ہے کہا جا سکتا ہے کہ جوش کے مرثیے انسانیت کا کلام ہیں قیصر بارہوی کے مرثیے دور جبریت کی گود سے پیدا ہوئے اس لیے معاشرتی نا انصافی کے سارے منظر دکھا کر انہوں نے فتنہ پرور عناصر سے خطاب کرتے ہوئے مزاحمتی اسالیب سے صنف مرثیہ کو نئے رنگ عطا کیے پاکستان کی جمہوری فضا کو گندہ کرنے والی شر پسند تنظیم کی مشکوک سرگرمیوں کے خلاف ان کا آئین انسانیت اپنے اندر مزاحمت کے جملہ پہلو سمیٹے ہوئے ہے مرثیہ عرفان حیات، عرفان امامت اور آبروئے فکر اور آشوب عصر میں بدامنی، بے چینی، تذبذب، افراتفری، شر پسندی کی صورت حال کو اپنی تضحیک کا نشانہ بنایا قیصر بارہوی نے قدیم کلاسیکی مرثیے کی روایت سے انحراف کرتے ہوئے مرثیے کی صنف کو جدید تقاضوں کی پیش کش کا ذریعہ بنایا ۔

نسیم امروہی کے مرثیے کی خصوصیات مختلف مزاحمتی عناصر سے مزین ہیں مرثیہ جانتے ہیں ہمیشہ سے یہ زمانے والے مثالی مرثیہ میں ایسے مزاحمتی عناصر کا انتخاب کیا گیا ہے جن سے اس دور کا یزیدی برتاؤ اور جبری مزاج سامنے آتا ہے جبر و صبر کے سانحے کے مرکزی کردار امام حسینؑ پر کیے جانے والے مظالم کی

مزمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس معرکہ کے دیگر واقعات کو مزاحمتی جزئیات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے سماجی، سیاسی اور فکری اعتبار سے مرثیہ وحدت مذہب، سید مسموم اور اجالوں کا سفر اور آیات آمنہ میں انسان کو مخاطب کر کے مذہبی منافرت، فرقہ واریت کے اسباب و اثرات کو نمایاں طور پر موضوع بنایا گیا ہے۔

وحید الحسن ہاشمی اپنی وسیع النظر فکر کی بدولت پاکستانی معاشرے میں ظلم کے بکھراؤ کو دیکھ کر اس کے خلاف شدید مزاحمت کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں ہاشمی صاحب کا خاصہ یہ ہے کہ مرثیہ میں ان مزاحمتی عناصر کا انتخاب کیا ہے جو سماجی و سیاسی جہات کے دائرے میں ان کے فکری رحجان کو واضح کر دیتے ہیں باضمیر مرثیہ نگار نے عالمی ریاستوں کے عدالتی نظام کو ہدف ملامت بنایا جن کا مقصد مفاد پرست عناصر کو فروغ دینا ہے مرثیہ جوہر وراثت، ارتقاء، کربلا، کربلا اور اناخودی میں ان تمام عوامل کو بے نقاب کیا ہے جن کی سازشوں سے پاکستان تنزلی کی طرف جارہا ہے مرثیہ قیادت میں مزاحمت کے کئی در وا کر دیئے اس طرح مرثیے میں ہاشمی صاحب نے یہ باور کرادیا کہ جبر کی کوئی بھی صورت قابل ستائش نہیں۔

ہلال نقوی کے مرثیے میں جدید مزاحمتی لحن دیکھنے کو ملتا ہے مرثیہ مقتل و مشعل میں ایسے عصری واقعات کا تزکرہ کیا جن کا کرب کربلا سے جاملتا ہے ان کے مرثیے سلیقے سے مزاحمتی عناصر کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں حساس قلم کار نے اپنے ارد گرد جب ظلم کا گراف اونچا دیکھا تو مزاحمتی روپ دھار کر کربلائی فکر کی روشنائی میں پیوستہ ہو کر مرثیہ لکھا ان کے مرثیوں میں طاقت اور حُرّ میں ایسے ماحول سے متعارف کروایا گیا ہے جہاں جبر و ظلم کی فضا چھائی ہوئی ہے بغض اور نفرت کے آلاؤ جل رہے ہیں تب ہی مرثیوں کی فضا بندی مزاحمتی عناصر کی پیشکش کے ذریعے ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

پاکستانی اردو مرثیہ نگاروں نے تمام مزاحمتی عناصر کو مرثیے میں کمال خوبی سے پیش کیا ہے یوں ان مرثیوں نے اردو مرثیہ نگاری کے روایتی منظر نامے کو بدلا نہ صرف پاکستان میں رثائی ادب کو فروغ دیا ہے بلکہ مزاحمتی مرثیے کے حوالے سے عالمی ادب میں بھی شناخت قائم کی۔

ب۔ نتائج:

۱۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں کے بنیادی عوامل پاکستان کے سماجی اور سیاسی نظام کی بد امنی کا نوحہ سناتے ہیں اور پاکستانی معاشرے میں روز بروز بڑھتی ہوئی لوٹ مار، بد نظمی، عزت و آبرو اور جان مال کی حفاظت کے خطرات، بے حسی، خود غرضی، فرقہ پرستی، طبقاتی کشمکش اور بے روزگاری جیسی منفی اقدار کی بے سمتی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۔ مسلکی تعصب پھیلانے والے مذہبی ٹھیکیداروں کے ظلم و تضادات کی عکاسی کرتے ہیں اور پاکستانی شدت پسند خود غرض عالم دین کے مکر و فریب کو بیان کرتے ہیں شر پسند عوامل نے مملکت پاکستان کی مسجدوں اور امام بارگاہوں میں دھماکے کرا کے کئی بے گناہوں کا خون بہایا غرض یہ عناصر اس حقیقت کا مزاحمتی مرقع پیش کرتے ہیں ۔

۳۔ مرثیوں کے مزاحمتی عناصر جدید مرثیہ نگاری کی خصوصیات سے مزین نظر آتے ہیں ان کے مرثیوں کے مزاحمتی عناصر کی تمام خصوصیات دراصل انقلابی سوچ کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں ان میں انسانی اقدار کی دھنک کے رنگ نمایاں دکھائی دیتے ہیں ان عناصر کا یہی تسلسل ہمیں پاکستانی ثقافت سے متعارف کراتا ہے۔

۴۔ دوران تحقیق یہ بات شدت سے محسوس کی گئی کہ انہیں باطل کے آگے جھکنا کسی صورت قبول نہیں یہ انسان کو ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ دیتے ہیں مرثیوں کے مزاحمتی عناصر انسانی حقوق و فرائض کی پہچان کرانے کے ساتھ ساتھ ان کی بحالی کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔

۵۔ منتخب مرثیہ نگار مرثیہ نگاروں نے اسلوب اور تکنیک کے حوالے سے ایک خاص ارتقائی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اسلوب سلیس اور عام فہم ہے کہیں کہیں اردو زبان کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کی گئی ہے مرثیوں کی تکنیک کے فنی لوازمات نہایت توازن کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

۶۔ تکنیکی اعتبار سے اشعار کے مصرعے سادگی و سلاست کا بہترین نمونہ ہیں کہیں کہیں ان میں لفظی تضاد بھی نظر آتا ہے البتہ کہیں پر اسے فکری تضاد سے امتزاج کیا گیا ہے اپنے اردگرد کے حالات سے مرثیوں کا پلاٹ ترتیب دیا گیا ہے ان میں تشبیہ استعارہ، کنایہ، علامت اور اشارہ مسلسل استعمال ہوا ہے۔

۷۔ صنعت تجنیس کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے جیسے فاسق و فاجر کی سیرت پر کوئی فتویٰ نہیں۔ سود و استحصال ملت پر کوئی فتویٰ نہیں کہیں کہیں اشعار کو صنعت لف و نشر کا زیور پہنا کر مزاحمتی صورت دیتے ہیں مردوہ ہیں پر باطل جو کتر دیتے ہیں۔

۸۔ الفاظ کی بازی گری اور تخیل کی گل کاری کے حوالے سے اشعار کے یہ مصرعے قابل دید دکھائی دیتے ہیں بد اصل میں نہ ملے گی رگ تکریم۔ خدا کے حکم میں کرتا ہے رات دن ترمیم۔ اشعار کے مصرعوں میں الفاظ کی حیثیت لغوی معنی سے زیادہ علامتی تحیر سموئے ہوئے ہے علامتی پہلو کی مثال ظلم قابیل ہے مذہب سے بغاوت کی نمود۔ ذکر ہابیل ہے مظلوم سے الفت کا وجود۔

۹۔ سماجی، سیاسی اور فکری حیثیت میں مرثیوں کے مزاحمتی عناصر حق اور باطل کے افکار کو واضح کرتے ہوئے کربلائی فکر پر عمل پیرا ہونے کی استدعا کرتے دکھائی دیتے ہیں ان عناصر میں سچائی کے بھرپور تاثر کو ابھارا گیا ہے اور ہر عناصر حق کی پاسداری کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اصلاح پسندی کو فروغ دیتے ہوئے یہ عناصر درد انسانیت سے منور دکھائی دیتے ہیں جس سے بنیادی انسانی حقوق کی قدر دانی کی ترغیب ملتی ہے۔

ج۔سفارشات:

تحقیق کے دوران اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اردو ادب میں ضخامت کے اعتبار سے مرثیہ وسیع تر صنف ہے اور اس پر تحقیق و تنقید نہ ہونے کے برابر ہے منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے تجزیاتی مطالعہ کے حوالے سے ابواب میں کی گئی بحث اور حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ عالمی سطح پر اور بالخصوص پاکستان کی جامعات میں رثائی ادب کے تحفظ کے حوالے سے گوشہ مرثیہ تشکیل دیا جاسکتا ہے تاکہ اردو ادب کے طالب علم اس سے مستفید ہو سکیں۔

۲۔ اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں اور اداروں میں رثائی ادب، مرثیہ نگاری کی سماجی، سیاسی، تمدنی اور فکری حیثیت پر مبسوط لیکچر دیے جائیں تاکہ ادب کے محققین اور طلبہ اس صنف سے آشنا ہو سکیں۔

۳۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں مزاحمتی عناصر کے تقابل پر مشتمل مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔جوش، قیصر بارہوی، نسیم امروہی، وحید الحسن ہاشمی اور ہلال نقوی کے رثائی ادب میں شامل دیگر تخلیقات کا تقابل بھی کیا جا سکتا ہے نیز ان کی ادبی تحریروں رباعیات، غزلیات، قطعات میں مزاحمت کے عناصر کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ پاکستان کی امام بارگاہوں سے ملحقہ کتب خانوں میں موجود رثائی ادب پر جامعاتی سطح کے مقالے لکھے جاسکتے ہیں اور کلاسیکی اور جدید مرثیہ نگاروں کے اسالیب کا مزاحمتی و ثقافتی موازنہ پر مشتمل ایم فل کا مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

۵۔ منتخب مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں تشکیلی اور حزنیہ عناصر کے اثرات کا تحقیقی و فکری مطالعہ کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی تحریر کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ دور حاضر میں لکھے جانے والے رثائی مرثیوں کی الگ فہرست مرتب کی جا سکتی ہے اور ان کے مزاحمتی عناصر کا فنی و موضوعاتی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:

قیصؔر بارہوی کے مرثیے، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۰۷ء

کلیات مراثی جوؔش ملیح آبادی، فرید بکڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء

نسیمؔ امروہوی، مراثی نسیم جلد اول، پاکستان ریڈرس گلڈ، کراچی، ۱۹۸۵ء

ہلاؔل نقوی، ڈاکٹر، اذان مقتل، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء

ہلاؔل نقوی، ڈاکٹر، مقتل و مشعل، نون اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۰ء

وؔحید الحسن ہاشمی، العطش، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۱ء

ثانوی مآخذ:

ابو الیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی اور ان کا عہد، اردو اکادمی، کراچی، ۱۹۵۷ء

احمد پراچہ، مرتب، اردو ادب کی ترقی پسند تحریک، بک کارپوریشن، دہلی، ۲۰۱۴ء

اختر حسین، ڈاکٹر، ادب اور انقلاب، شعبہ اردو نیشنل انفارمیشن اینڈ پبلیکیشنز، بمبئی، ۱۹۸۶ء

ادریس صدیقی، اردو شاعری کا تنقیدی جائزہ، جاوید پریس، کراچی، ۱۹۷۱ء

اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، قرآن فاونڈیشن، حیدرآباد، ۲۰۰۸ء

اصغر مہدی، ڈاکٹر، اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۱ء

امداد امام اثر، سید، کاشف الحقائق، جلد اول، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۶ء

آصفہ بانو، ڈاکٹر، انجمن پنجاب، تاریخ خدمات، اردو بازار، کراچی، ۱۹۷۸ء

آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، ۲۰۱۱ء

آل احمد سرور، مرتب، اقبال اور مغرب، اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر، کشمیر، ۱۹۸۱ء

حافظ محمود شیرانی، مقالات شیرانی، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۴۸ء

حامد حسین، ڈاکٹر، جدید ادبی تحریکات، لبرٹی آرٹ پریس، دہلی، ۱۹۹۴ء

حبیب جالب، مرتب، پنجاب اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۴ء

حسن عابدی، پاکستانی ادب ۱۹۹۱ء، حصہ نثر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

خواجہ احمد فاروقی،ڈاکٹر،میر تقی میر حیات وشاعری، دہلی،۱۹۵۴ء
خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر،اردو نظم کے پچاس سال، مرتبہ ڈاکٹر نوازش علی،راولپنڈی، ۱۹۹۷ء
ذاکر حسین فاروقی،ڈاکٹر،کاروان حیات، ممبئ پریس، ممبئ،۱۹۸۷ء
روبینہ شہناز،ڈاکٹر،اردو تنقید میں پاکستانی تصور قومیت، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۲۰۰۷ء
سعادت سعید،ڈاکٹر، فن اور خالق، دستاویز مطبوعات،لاہور،۱۹۹۸ء
سلیمان ندوی، مرتبہ،حیات شبلی، معارف پریس،اعظم گڑھ،۲۰۰۸ء
سید تقی عابدی،ڈاکٹر،روش انقلاب،علامہ نجم آفندی کے مرثیوں کا مجموعہ،افراح کمپیوٹر سنٹر، دہلی،۲۰۰۶ء
سید عبداللہ،ڈاکٹر،میر تقی میر شخصیت،زمانہ فلسفہ زندگی، مشمولہ:ماہ نو،لاہور،۱۹۷۸ء
سید مرتضیٰ فاضل لکھنوی، مرتب، کلیات آتش جلد اول، مجلس ترقی ادب اردو،لاہور،۱۹۷۳ء
شارب ردولوی،ڈاکٹر،افکارِ سودا، نصرت پبلشرز، لکھنؤ،۱۹۶۱ء
شہناز بیگم،ڈاکٹر،مرتب،مراثی قنبر، علمی مجلس بہار، پٹنہ،۲۰۱۲ء
شیخ محمد ریاض الدین امجد، سیر دہلی، مطبع حیدری، آگرہ،۱۹۶۱ء
صدیق کلیم، فکر سخن،ارسلان پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۷۳ء
صفدر آہ،ڈاکٹر،میر کی غزلیات کی چالیس خصوصیات، مشمولہ: نقوش،لاہور،۱۹۸۰ء
ضمیر اختر نقوی،ڈاکٹر،اردو مرثیہ پاکستان میں،سید اینڈ سید اورنگ زیب مارکیٹ، کراچی، ۱۹۸۲ء
الطاف حسین حالی، کلیات حالی، جدید کتاب گھر، دہلی،۱۹۶۰ء
طاہر حسین کاظمی،ڈاکٹر،اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، ایرانین آرٹ پرنٹرز، دہلی،۱۹۹۷ء
طیب کاظمی، منظر منظر خون،مثال پبلی کیشنز، مراد آباد،۲۰۰۸ء
ظہور الدین احمد،ڈاکٹر، نیا ایران ادب، نگارشات،لاہور،۲۰۰۰ء
ظہیر کاشمیری، جمہوریہ روس کا قومی ادب بحوالہ ادب کے مادی نظریے،کلاسیک،لاہور،۱۹۷۵ء
عابد علی عابد،اصول انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۸۰ء
عاصی کرنالی،ڈاکٹر، عظیم مرثیے،حلقہ شعرائے اہلبیت،لاہور،۱۹۹۷ء
عباس رضا،وحید عصر، الحسن پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء
عبدالباری آسی، مرتب، کلیات نظیر اکبر آبادہ، مکتبہ شعر و ادب،لاہور،۱۹۵۱ء

عبد الرؤف ملک، فیض شناسی (فیضِ کی ہمہ جہت شخصیت کے اوجھل پہلو) پاکستان سٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۱۱ء
عبد الغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، پاکستان پنجابی ادب بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء
عبد الکریم خالد، پروفیسر، عظیم مرثیے ایک مطالعہ، ماہنامہ شام وسحر، لاہور، ۱۹۹۰ء
عبد اللہ فاروقی، ظفر کا افسانہ غم، فاروقی بکڈپو، دہلی، ۱۹۸۹ء
عبد اللہ ملک، داستان داروسن، کوثر پبلشر، لاہور، ۱۹۷۲ء
عشؔرت رضوی، اشکوں کی زباں، مثال پبلی کیشنز، مرادآباد، ۲۰۰۸ء
عشؔرت رضوی، فرات غم، ادارہ لوح و قلم، لکھنؤ، ۲۰۱۲ء
عقیل رضوی، ڈاکٹر، مرثیے کی سماجیات، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء
علی ارشاد نجفی، اہلبیت اطہار کی مختصر سوانح حیات، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۵ھ
غالب، مکتوب بنام علاؤ الدین خاں، مشمولہ: خطوط غالب، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۲ء
فاخر حسین، فرانسیسی ادب کے آثار، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۱ء
فتح محمد ملک، تحسین وتردید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۵ء
فخر الحق نوری، ڈاکٹر، قیصر بارہوی ایک منفرد مرثیہ آیات آمنہ، سفینہ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
فضل امام، ڈاکٹر، شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۳
فضل امام، ڈاکٹر، شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی، نعمانی پریس، الہ آباد، ۱۹۸۲ء
فیض احمد فیض، دست تہ سنگ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء
کاظم علی خاں، مراثی نسیم امروہی کا تجزیاتی جائزہ، مطبوعہ، ارمغان نسیم، مرتبہ: ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، انجمن سادات، امروہہ
گوپال ہلدر، ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد کا بنگالی ادب، بحوالہ ادب سیاست اور معاشرہ، احمد سلیم، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۱ء
گوہر سلطانہ اعظمیٰ، مرتب، گونج، استعارہ پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۶۹ء
محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، مکتبہ ادب، کراچی، ۱۹۸۱ء

محمد مسعود، انقلاب روس، مکتبہ برہان، دہلی،۱۹۴۵ء
محمود الرحمٰن،ڈاکٹر، جنگ آزادی کے اردو شعراء، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد،۱۹۸۶ء
محمود علی خاں، مرتب، مومن کے سو شعر، یونین پرنٹنگ پریس، دہلی،۱۹۵۵ء
مخمور سعیدی، شیخ محمد ابراہیم ذوق، اردو اکادمی، دہلی،۲۰۰۸ء
مرزا امیر علی جونپوری، تذکرہ مرثیہ نگاران اردو (جلد اول)، دانش محل، لکھنؤ،۱۹۸۵ء
مرزا داغ دہلوی، دیوان داغ، رام نرائن لال بک سیلر، آلہ آباد، اترپردیش،۱۹۸۴ء
مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر، مقدمہ مرثیہ معراج بشر، امداد اکیڈمی، لاہور،۱۹۷۵ء
مصباح رضوی، اردو مرثیہ شناسی تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، جی سی جامعہ، لاہور،۲۰۰۶ء
مطیع اللہ ناشاد، ڈاکٹر، انٹرویو، مشمولہ: گفتگو، مرتبہ، مظہر جمیل
مظفر حنفی، پروفیسر، انتخاب کلام میر حسن، اردو اکادمی، دہلی،۱۹۹۱ء
مظفر عباس، ڈاکٹر، معتبر مرثیے، قیصر بارہوی پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۸ء، ص فلیپ
معین الدین عقیل، خواجہ میر درد، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، برطانیہ،۲۰۰۸ء
معین الدین عقیل، ڈاکٹر، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، انجمن پریس، کراچی،۱۹۷۶ء
ممتاز احمد نقوی، پروفیسر، ساز حریت، مطبوعہ کراچی،۱۹۸۱ء
ممتاز شیریں، معیار تنقید، نیا ادارہ، لاہور،۱۹۶۳ء
منشی نول کشول، کلیات انشاء خان انشاء، انجمن ترقی اردو، دہلی،۱۸۷۶ء
منظر عباس نقوی، پروفیسر، نسیمؔ امروہی کی مرثیہ گوئی کا اجمالی جائزہ، مطبوعہ ارمغان نسیمؔ، مرتبہ، ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، انجمن سادات امروہہ،۱۹۹۱ء
میرزا ادیب،۱۹۴۸ء کا بہترین ادب، مکتبہ اردو، لاہور،۱۹۴۹ء
ناسخ، دیوانِ ناسخ، مقبول اکیڈمی، لاہور،۱۹۸۹ء
ناشر نقوی، ڈاکٹر، مہؔدی نظمی کا فن اور اصناف سخن، ایس پرنٹرز، دہلی،۲۰۰۳ء
ناشر نقوی، مرتب، مہؔدی نظمی کے مرثیے، میموریل سوسائٹی، دہلی،۲۰۰۳ء
نجم آفندی، معراج فکر، قومی پریس، لکھنؤ،۱۹۶۰ء
نسیمؔ امروہوی، برف وباراں، مست قلندر بک ڈپو، لاہور،۱۹۴۴ء

نسیم آرا نکہت، ڈاکٹر، اردو شاعری میں واقعات کربلا، نظامی پریس، لکھنؤ، ۲۰۱۳ء
ہارون قادر، ڈاکٹر، قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری، الحبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء
ہلال نقوی، ڈاکٹر، جمیل مظہری کے مرثیے، فیڈرل بلیو ایریا، کراچی، ۱۹۸۸ء
وارث ہندی، ''قاموس مترادفات'' اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء
وحید اختر، ڈاکٹر، کربلا تا کربلا، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد،، ۱۹۹۰ء
وحید الحسن ہاشمی، ڈاکٹر، عظمت انساں، تعلیمی پریس، لاہور، ۱۹۶۷ء
وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء
وہاب اشرفی، پروفیسر، تاریخِ ادبیات جلد سوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء
وہاب اشرفی، تاریخ ادبیات عالم جلد چہارم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۸ء

مترجم:

احمد سلیم، مترجم، وئین نگوئیں، قلم اور ہتھیار ساتھ ساتھ، ماہ نو، لاہور، ۱۹۸۸ء
احمد مشتاق، تمہارے ہاتھ اور ان کی موت، احتساب، لاہور، ۱۹۷۱ء
ادیب سہیل، مترجم، انا اختمو، انوڈ مینو، ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء
افضل احسن رندھاوا، مترجم، ڈیوڈ باپ، نظم افریقہ، ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء
امجد اسلام امجد، مترجم، نزار قبانی، ایک بدو سے گفتگو جس کا گھوڑا کھو گیا ہے، ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء
انیس ناگی، مترجم، جہنم میں ایک موسم، مکتبہ جمالیات، لاہور، ۱۹۸۱ء
رضی عابدی، مغربی ڈرامہ اور جدید تحریکیں، ادارہ تالیف وترجمہ جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۷ء
سبط حسن، یہی تو ایک سوال ہے، مترجم، عصری ادب، دہلی، ۱۹۸۶ء
شرف عالم ذوقی، مترجم، بنجمن مولائز، سود باڑی، عصری ادب، دہلی، ۱۹۸۶ء
شوکت عابد، مترجم، محمود درویش تفتیش، احتساب، لاہور، ۱۹۷۹ء
ظ۔ انصاری، مترجم، سوویت یونین کے پندرہ شاعروں کا منتخب کلام، دارالاشاعت ترقی، ماسکو، ۱۹۷۴ء
عبدالعزیز خالد، مترجم، ہوچی منہہ، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء
عبداللہ ملک، مترجم، نظم تھی بون، احتساب، لاہور، ۱۹۷۹ء
علی دیپک قزلباش، مترجم، فریدون مشیری، تاریخ کی راہ میں ایک اشک، ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

کشور ناہید، مترجم، خون اور شگوفے، احتساب، لاہور، ۱۹۷۹ء
لئیق بابری، مترجم، طاہر بن جلود، نظمیں، ادب لطیف، لاہور، ۱۹۸۱ء
محمد اسلم فرخی، مترجم، جرمن ادب پار
مظہر مہدی، مترجم، قاری سے خطاب، ادب لطیف، لاہور، ۲۰۰۴ء
منیر الدین احمد، مترجم، فریڈ کی ایک سو نظمیں، ادب لطیف، لاہور، ۲۰۰۱ء
ن۔م شیخ، طلعت، مترجم، ترکی ادبیات کے جدید رجحانات، ارتقاء، کراچی، ۱۹۹۰ء
یحییٰ امجد، چینی شاعری، انتخاب وترجمہ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء

رسائل وجرائد:

ادبیات، اکادمی ادبیات، شمارہ ۸۷، جنوری مارچ، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء
ارتقاء، مطبوعات، شمارہ۴۶ کراچی، ۲۰۱۲ء
افکار، جوش نمبر، پیغامات وتاثرات، کراچی، ۱۹۶۱ء
آج کل، ماہنامہ، شمارہ جون، دہلی، ۱۹۴۶ء
شام وسحر، ماہنامہ، لاہور، ۱۹۹۰ء
الفاظ، ماہنامہ، کراچی، ۱۹۷۳ء
مساوات، روزنامہ، ۳۰ ستمبر، کراچی، ۱۹۹۶ء،
نقوش، ماہنامہ، لاہور، ۱۹۸۰ء
نئی قدریں، ماہنامہ، ریڈرس گلڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء
الواعظ، تقریر یادگار حسینی، اکتوبر دسمبر، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء۔

ویب گاہیں

www ۱۸Deedbanmagazine.com دسمبر ۲۰۱۸ء، ۲:۵۵pm
www.Deedbanmagazine.com ۱اکتوبر ۲۰۱۹ء، ۹:۲۲am
www.urduweb.com19 دسمبر ۲۰۱۹ء am1:40

English Books:

Archibald Mac Leish, Collected poems, 1917-1982, With a prefatory note by Richard B, MC Adoo, Houghton Mifflin Co, Boston,1985

Barbara Harlow, Resistance Literature, Methuen, New York, 1987

David Daiches, Critical Approaches to Literature, Longmans, Green & Co. Ltd, London , 1969,

Erich Fromm ,The Sane Society, Routledge & Kegan Paul Ltd, London ,1979

Muhammed sadiq, A History of urdu Literature,

Ram Babu Saksena. A history of urdu literature, Ram Narain Lal publisher & bookseller,Allahabad,1940

R.D Laing, Tha Politics of Experience, New York, Pantheon, 1967

Vinod sena ,W.B Yeats, The poet as critic, the MacMillan press, Ltd, London, Reprinted 1996,p206

W.D Howarth, French Literature from 1600 present, London,1974

Walter Blair & others, The Literature of the United States ,vol 1973

Walter Kaufman, From Shakespeare to Existentialism, Anchor Books, Doubleday & Co.N.Y.1960